محمد موسیٰ قادری
ان اللہ لطیف خبیر
علمی، دینی، اصلاحی اور معلوماتی
ماہانہ
اللطیف
ویلور
دارالعلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

٩٦

اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ خَبِیْر

اللطیف

زیرِ ظلِ حمایت و سرپرستی :-

تقدس مآب اعلیٰحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ

مدیر اعلیٰ

فضیلت مآب مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی بی اے ناظم دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز

مُدیر مسئول :- افضل العلماء ابو المکارم سید مصطفیٰ حسین بخاری قادری کڈپوی فاضل دار العلوم لطیفیہ جنرل سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ

مُدیران مُعاون

افضل العلماء مولوی پی۔ محمد ابوبکر صاحب قمری ملیباری لطیفی استاد دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

مولوی نعیم اختر صاحب اشرفی مبارکپوری مدرس دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

نمائندگان طلبا :

مولوی حافظ محمد بشیر الحق قریشی ادھونی (مولوی فاضل فائنل) سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف

چیگری سید عشاق محمد قادری تاڑپتری (زمرۂ سادسہ) جنرل مانیٹر دار العلوم لطیفیہ

سید منیر محی الدین نندلوری (زمرۂ خامسہ) سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف

۱۰ شعبان المعظم سنہ ۱۳۹۶ھ مطابق ۷ اگست سنہ ۱۹۷۶ء بروز شنبہ

مطبوعہ یلگر قومی پریس بنگلور ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین سالنامہ اللطیف ۱۳۹۶ھ

مطبوعہ الیکٹرک قومی پریس بنگلور

منظوم

از قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین
شیخ المشائخ اعلحضرت رکن الدین
سید شاہ ابو الحسن قربی قادری

اے طالبِ خدا گر چاہتا ہے وصلِ محبوب
ہو تابعِ شریعت کر اس کوں اپنا مطلوب

اطلاق ہور تقید ہیں شرع کے مراتب
اطلاق بن تقید عشاق کن ہے معیوب

اطلاقِ شرع حاصل ارشادِ پیر سوں کر
بن پیر کے شرائع ہیں سب گماں سوں محجوب

یوں سرِّ عشق ہے تو کر کاملاں سوں حاصل
اسرارِ عشق سارے پیراں طرف ہیں منسوب

آپس کی ذات کا اسم اسما میں حق چھپایا
اسما حجب ہیں اسکے ناداں ہے اس سوں محسوب

اطلاق اسم کا جب تیرے اُپر کھلیگا
تجھ اسمِ حق دیسیگا کیا شک ہور مرطوب

ہر ذرہ فی الحقیقت ہے دوست کی حقیقۃ
اس رمز کو سمج توں ہے رمز نادر اسلوب

اسفل طرف گذر ہے محجوب کا ہمیشہ
اس کوں نکاتِ عرفاں کاں سوں لگیں گے مرغوب

صحبت سوں ملحداں کی کر اجتناب قربی
احوال ملحداں کا عالم منے ہے مقلوب

قطعہ فضیلت انتساب حضرت مولانا ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی
المعروف بہ میراں پاشاہ صاحب
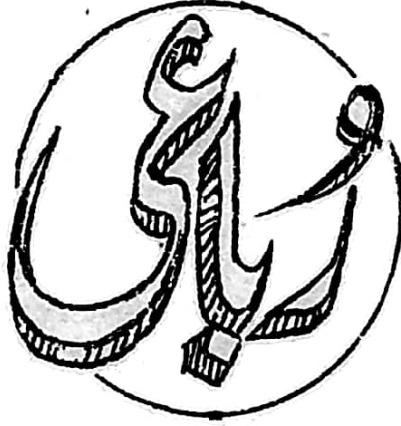
رباعی
یہ سنگِ نشاں ہے منزلِ وحدت کا
پیدا نہ ہوا کوئی پھر اس صورت کا
انساں جسے کہتے ہیں دنیا والے
قدِ آدم ہے آئینہ قدرت کا
از حضرت امجد رح حیدرآبادی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

الحمد للہ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں **سالنامہ اللطیف** کا سولہواں شمارہ ہے۔ اس کے انوکھے قدیم و جدید مضامین ہمارے اساتذۂ کرام و طلبائے عزیز کی محنتیں اور کاوشیں ایک بہترین رنگ و روپ لیکر آپ کے سامنے آگئے ہیں۔ اس کے دلچسپ اور پُرمغز مضامین دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کا مطالعہ یقیناً آپ کی معلومات میں ایک نادر اضافہ سے کم نہ ہوگا —— حسب عادت ہم نے بزرگوں کے تبرکات کو زینتِ رسالہ بنا دیا ہے۔ مخزن السلاسل کی چھٹی قسط، خوارقِ حیدریہ کی تیسری قسط، فصل الخطاب کے اقتباسات، حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کا مکتوب گرامی وغیرہ تمام ترجمہ کے ساتھ پیش کئے جا رہے ہیں، جو نہ صرف نادر ہیں بلکہ اس وقت نایاب بھی ہیں۔

آج دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں آفتابِ اسلام کی ضوفشانی نہ ہو رہی ہو۔ تازہ ترین اعداد و شمار اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ اس وقت دنیا کا ہر پانچواں فرد مسلمان ہے۔ ساری دنیا میں مسلمان ستاروں کی طرح پھیلے ہوئے ہیں، مشرق ہو یا مغرب، شمال ہو کہ جنوب، ہر سو ہر جگہ اسلام اور فرزندانِ اسلام موجود ہیں۔ اس وقت دنیا کے چالیس سے زائد ملکوں میں نہ صرف مسلمانوں کی اکثریت ہے بلکہ ان کی حکومتیں بھی قائم ہیں۔ ان کے علاوہ تین کثیر آبادی والے ممالک چین، روس اور ہندوستان میں کروڑوں کی تعداد میں مسلمان آباد ہیں۔ برطانیہ امریکہ اور کناڈا وغیرہ کے تمام بڑے شہروں میں خوبصورت مساجد اور عظیم الشان اسلامی مدارس تعمیر ہو چکے ہیں۔ اور تعمیر ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے مذہب اسلام کے ذریعہ ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور رہنے والے اور مختلف ملک و نسل سے تعلق رکھنے والے کروڑہا افراد کو ایک لڑی میں پرو دیا اور مسلمانوں کو ایک ایسی زبان سے نوازا جو اس رشتہ کو مضبوط ترین بنا سکتی ہے۔ وہ ہے عربی زبان، جو قرآن مجید اور حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے پاکیزہ ارشادات کی زبان ہے۔ ہر مسلمان کے لئے اس زبان کا سیکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر قرآن مجید اور احادیث مقدسہ کے اسرار و رموز تک

رسائی ممکن نہیں۔

اس وقت ملک اور بیرون ملک میں ہزاروں مدارس عربیہ اور علمی مراکز قرآن و حدیث اور اہل سنت کی اس عظیم الشان زبان کو عام کرنے کے لئے شب و روز مصروف عمل ہیں۔ ان کی یہ کوششیں اگر اسی طرح جاری رہیں اور مزید ادارے اس کی ترویج و اشاعت میں مشغول رہیں تو انشاءاللہ تعالیٰ مستقبل قریب میں ساری دنیا کے مسلمان نہ صرف مضبوط موقف کے حامل ہوں گے بلکہ ان کا رشتہ اٹوٹ ہو جائے گا۔

ام المدارس دارالعلوم لطیفیہ ہندوستان میں مختلف علوم و فنون کے ساتھ اس متبرک و مقدس دین کو پھیلانے میں شب و روز لگا ہوا ہے اور چاہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ نونہالان اسلام اس کی مساعئ جمیلہ سے بہرور ہوں ——

یہ حقیقت ہے کہ اقطاب ویلور قدس اسرارہم کی پاکیزہ تصنیفات اور دواوین ان کی علمی عظمت، و برتری کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس مقدس خاندان کی اکثر شخصیتوں نے میدان تصنیف و تالیف و شعر و شاعری میں جن کمالات کا مظاہرہ کیا ہے اس کی مثال بہت کم ملتی ہے

ان کے معدنوں سے نکلے ہوئے جواہر پاروں کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ ان کے یہ بے مثال اور لاجواب زندہ و جاوید کارنامے ہمیشہ یادگار زمانہ رہیں گے

ہم بے حد مسرور ہیں کہ ان ہی جواہر پاروں میں سے زبدۃ العارفین اعلحضرت الحاج الحافظ سید شاہ عبد اللطیف قادری المعروف بہ سید شاہ محی الدین لقوی المشہور حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کی تالیف انیف "**جواہر السلوک**" جو دنیائے تصوف کا بے مثال شاہکار ہے۔ اس کا **ایک حصہ** اردو ترجمہ کے ساتھ اس سال زیور طبع سے آراستہ ہو گیا اس طرح اس کے شائقین کی برسوں کی تمنائیں پوری ہیں —— الحمدللہ علیٰ ذالک

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ دارالتصنیف والاشاعت سے شائع ہونے والی ہر کتاب سے ہم تمام کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری ان کوششوں کو شرف قبولیت سے نوازے —— آمین!

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

دارالعلوم لطیفیہ اور گنبد اقطاب کا دیدہ زیب منظر
پیشکش: سید مرتضے احسین جہانگیر لطیفی ویلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

روئیداد دار العلوم لطیفیہ

مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

الحمد للہ و المنۃ جنوب کا یہ عظیم و قدیم دینی مرکز جسے ایک عالم "ام المدارس دار العلوم لطیفیہ" مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کے نام سے جانتا ہے بتدریج ترقیوں کے منازل کو طے کرتے ہوئے اپنی تمام آب و تاب کے ساتھ جلوہ فگن ہے اور انشاء اللہ تا قیامت تشنگان علوم و معرفت اس سے فیضیاب سیراب ہوتے رہینگے۔ پاک باطن مربیوں کا فیض ہے کہ ہر سال کی طرح اس سال بھی دار العلوم اپنی تمام کارروائیوں میں مدارج عالیہ پر فائز رہا۔

آغاز سال نو

دار العلوم کا تعلیمی سال نو کا آغاز مورخہ ۱۱ شوال المکرم ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء روز شنبہ سے ہوا حسب سابق اس سال بھی کثیر تعداد میں مختلف مقامات کے طلباء کو داخلہ کی اجازت دی گئی۔

تقدس مآب اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز اور آپکے برادران عزیز حضرت مولانا ابو الصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی وحضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی B.A ناظم دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز۔ ان مربیان عظام نے تشنگان علوم و فنون کی روحانی و مادی تشنگی کو بجھایا اور صاف ستھری غذا اور عمدہ تعلیم و تربیت سے ان کے ظاہر و باطن کو آراستہ کیا۔

ادبی افتتاحی اجلاس

تمام شعبوں میں "انجمن دائرۃ المعارف" کو ایک شانی مقام حاصل ہے دار العلوم چاہتا ہے کہ طلباء ملک و ملت کی قابل شخصیتوں کو قریب سے دیکھیں اور ان کی قیمتی آراء سے مستفید ہوں حسب عادت اس سال بھی مورخہ ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ م ۲۴ نومبر ۱۹۷۵ء بروز دوشنبہ انجمن دائرۃ المعارف کے افتتاحی جلسہ سے خطاب کرنے کیلئے عالیجناب مولانا مولوی افضل العلماء پروفیسر محمد یوسف صاحب کوکن M.A.M.LITT صدر شعبہ عربی فارسی و اردو یونیورسٹی آف مدراس کو مدعو کیا گیا۔ موصوف نے سفر ایران پر اتنی وسیع تقریر کی کہ سرزمین ایران کا علمی ادبی سماجی و اقتصادی ہر پہلو اجاگر ہو گیا۔ مذکورہ جلسہ دار العلوم کے وسیع و عریض ہال میں منعقد ہوا جس کی صدارت اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز نے فرمائی۔

معزز مہمان کی تقریر کے بعد عالیجناب حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی B.A. ناظم دار العلوم لطیفیہ و صدر انجمن دائرۃ المعارف نے اپنے خاص و دلپذیر انداز میں طلبا و حاضرین مجلس سے خطاب کیا۔ وقت کی ایک اہم ضرورت کی طرف نشان دہی کرتے ہوئے فرمایا کہ کئی سالوں کی مشقت اور محنت کتابیں کو پڑھکر جب یونیورسٹی کے امتحانات دیتے ہیں تو انہیں اس کا ثمرہ ڈگری کی صورت کی بجائے ڈپلوما کی شکل میں دیا جاتا ہے یونیورسٹی کے اراکین کو آپ نے ڈپلوما کے عوض طلبا کو "ڈگری" دینے کا پُر زور مشورہ دیا۔ آپ کی تقریر دلچسپ حقائق و لطائف سے آراستہ تھی۔ مزید آپ نے ہر سال کی طرح ایک نئے انداز میں انجمن دائرۃ المعارف کے ہفتہ واری اجلاس کی غرض و غایت کو بیان کرتے ہوئے تمام حاضرینِ مجلس کا شکریہ ادا فرمایا۔

اس سال بھی انجمن کے تقریباً پینتالیس ۴۵ اجلاس ہوئے جن میں اہم جلسۂ سیرۃ امام حسینؑ علیہ السلام و جلسۂ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جلسۂ گیارھویں شریف ہے۔

دار التصنیف والاشاعۃ

دار العلوم نے تصنیف و تالیف اور ترجمہ کے شعبوں کو ہمیشہ سرگرم عمل رکھا ہے۔ خدمتِ قوم کیلئے یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ گذشتہ سال دنیائے تصوف کا عظیم شاہکار زبدۃ العارفین الحاج الحافظ اعلیحضرت محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری المشہور

حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز کی تالیف لطیف "جواہر السلوک" کا ایک حصہ ترجمہ کے ساتھ پریس میں کثرتِ مشاغل کی بنا پر شائع ہونے سے قاصر رہ گیا تھا انشاء اللہ المستعان امسال کتاب مذکور کے دس فائدے ترجمہ کے ساتھ منظرِ عام پر آگئے ہیں۔

صحت اسباب

طلبا عزیز اپنی صحتوں کو بحال رکھنے کے لئے ہر دن بعد نماز عصر دار العلوم کے میدان میں مختلف گیمس والی بال، بیٹ منٹن، شٹل کاک کبڈی وغیرہ سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

نوید مسرت

دار العلوم لطیفیہ سے ماہ مارچ سنہ ۱۹۷۶ء میں مدراس یونیورسٹی کے امتحانات، افضل العلماء، منشی فاضل و ادیب فاضل میں شریک ہونیوالے سو فی صد تمام طلبا نے شاندار کامیابی حاصل کی الحمد للہ علیٰ ذالک

امتحانات

۲۴ محرم الحرام سنہ ۱۳۹۶ھ م ۲۸ جنوری سنہ ۱۹۷۶ء روز چہارشنبہ سہ ماہی اور ۲۳ ربیع الثانی سنہ ۱۳۹۶ھ م ۲۴ اپریل سنہ ۱۹۷۶ء میں ششماہی امتحانات اساتذہ کرام کی نگرانی میں ہوئے اور ۲۷ رجب المرجب سنہ ۱۳۹۶ھ م ۲۶ جولائی سنہ ۱۹۷۶ء سے دار العلوم کے سالانہ امتحانات شروع ہوئے اور ایک ہفتہ تک جاری رہے۔ سالانہ امتحانات کے بعض پرچے بیرونی علماء کرام نے تیار فرمایا اور جوابات کی کاپیاں تصحیح کے لئے انہیں کے پاس بھیجی گئیں۔

عباپوشی اور عطائے اسناد

۱۰ شعبان المعظم سنہ ۱۳۹۶ھ بروز سہ شنبہ دار العلوم لطیفیہ کے مزین و خوبصورت وسیع و عریض ہال میں صبح کے ٹھیک دس بجے

دارالعلوم کا سالانہ اجلاس اعلیٰ پیمانہ پر منعقد ہوا۔ جس کی صدارت سرپرستِ دارالعلوم فضیلت انتساب اعلیحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی نے فرمائی جس میں مقامی و بیرونی علماء کرام، حکماء اور مقتدر علم دوست و علم پرور حضرات کثیر تعداد میں مدعو تھے، تقدس مآب اعلیحضرت قبلہ مدظلہ العالی نے بنفس نفیس اپنے دستِ مبارک سے فارغین کو عبائیں اور اسناد عطا فرمایا۔

تقسیم انعامات

اسی دن شام میں منعقد ہونیوالی دوسری نشست میں درسیات مقالہ نویسی، مقابلہ تقریر اور گیمس و اسپورٹس میں اول و دوم آنے والے طلبہ کو اور ان عہدیداروں کو جو سال بھر اپنی عمدہ خدمات کو پیش کیا تھا، نیز ان قدیم طلباء اور اسٹاف ممبران کو جو سالانہ گیمس اسپورٹس میں حصہ لیکر سال کے آخری دنوں کو خوبصورت و رنگین بنا دیا تھا قیمتی انعامات سے نوازا۔

ہدیۂ تشکر

ادارہ ان تمام حکیموں، اور ڈاکٹروں کا خصوصاً ڈاکٹر ایم اے حسینی صاحب M.D میڈیکل آفیسر آف C.M.C ہاسپٹل ویلور، جو طلباء کی صحت کے سلسلہ میں وقتاً فوقتاً اپنی خدمات پیش کرتے رہے ہیں سب کا تہ دل سے مشکور ہے۔

نیز ان مدیران اخبار کا بھی مشکور ہے جو دارالعلوم کی کارروائیوں کو شائع کرتے رہے ہیں۔ بالخصوص ادارہ جناب عبدالمتین صاحب مالک الیکٹرک قومی پریس بنگلور کا تہ دل سے مشکور ہے کہ آپ نے اس سال جواہر السلوک، اور اللطیف کی اشاعت میں پوری تندہی سے کام لیتے ہوئے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے حبیب پاک کے صدقہ دارالعلوم سے عقیدت و محبت رکھنے والوں کو، نیز تمام مسلمانوں کو دین و دنیا میں کامیاب و کامران فرمائے۔ آمین، ثم آمین۔

تفسیر سورۂ نصر

از
عالیجناب مولانا عبد العزیز
صاحب رضوی مبارکپوری
مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کو ان سنہرے لفظوں میں پیغام فتح ونصرت بھیجا۔ اے محبوب! خدا کی مدد اور نصرت آچکی۔ آپ خود دیکھ لینگے کہ لوگ فوج در فوج کثیر تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہیں گے۔ لہٰذا اپنے پروردگار کی حمد وثنا میں منہمک رہئے اور استغفار کرتے رہئے، وہ تو بہت ہی درگذر کرنے والا ہے۔

مفسرین کرام کے نزدیک مذکورہ سورۃ میں فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ کیونکہ سورۂ نصر مکہ کے اسلامی سلطنت میں داخل ہونے سے قبل نازل ہوئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قبل از وقت اپنے حبیب پاک کو مطلع فرمادیا کہ فتح ونصرت آئندہ یقیناً ملنے والی ہے۔ چنانچہ سورۂ نصر کے نزول کے چند دنوں بعد اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا اور مکہ فتح ہوگیا۔ گویا سورۂ نصر اخبار عن الغیب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا تو اہل عرب بجائے اس کے کہ آپکی دعوت پر لبیک کہتے آپکی مخالفت پر اتر آئے پہلے تو دنیاوی لالچیں دلائیں اور دنیا کے عیش وعشرت پر بیحد زور دیا مگر آقائے نعمت نے تمام چیزوں کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا اور دین اسلام کی دعوت برابر جاری رکھی۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا مخالفت وعداوت بھی بڑھتی رہی یہاں تک کہ جنگ وجدال کی نوبت آگئی اور آپ کے قتل کرنے کی سازشیں بھی ہوتی رہیں، لیکن مخالفین اور معاندین کو ہر مقام پر منہ کی کھانی پڑی۔ جن کے نصیب میں ایمان لانا تھا وہ داخل اسلام ہوگئے، دعوت حق پر لبیک کہنا گویا اپنے کو ظلم وستم کے انگارے میں ڈالنا تھا۔ اسلام قبول کرکے تمام سرکشی وعدوان کا مقابلہ کرنا گوارہ کیا مگر ایمان سے انحراف کرنا اپنے کو جہنم میں ڈال دینے کے مترادف سمجھا، اس سے تھک کر معرکۂ جنگ کی تیاری کرنے لگے جیسے جنگ بدر واحد، حنین وغیرہ شاہد ہیں۔ لیکن یہ جنگیں جو اطراف مکہ میں وقتاً فوقتاً ہوتی رہیں وہ صرف دفاعی حیثیت کی حامل تھیں۔ معرکۂ خندق کے بعد عالم غیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل صحیح پیش گوئی فرمائی کہ اب اہل عرب کی پیش قدمی اور ان کی چڑھائی ختم ہوگئی اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش خبری سنادی کہ انشاء اللہ اب ہم ان پر

دھاوا بولیں گے اور ان پر چڑھائی کریں گے۔ اس اثنا میں صلح حدیبیہ واقع ہوئی اور اہل قریش کی تلوار میان میں چلی گئی۔ اس صلح سے مسلمانوں نے بہت فائدہ حاصل کیا۔ دعوت حق علی الاعلان کرنا شروع کر دیا۔ بہت سے اہل عرب داخل اسلام ہوئے اور ہوتے ہی رہے اور اسلام کی صداقت و سچائی کا جھنڈا بلند ہی ہوتا گیا۔ مخالفین کو محسوس ہونے لگا اور سمجھنے لگے کہ مستقبل کا عروج اہل قریش کا نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چھوٹی بڑی ریاستوں اور قبائل قریش کو اس طرح مرعوب کر لیا کہ ان میں جارحانہ حملہ کرنے کی سکت باقی نہ رہی۔ ایکروز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فدایان اسلام کو اعلان فرما دیا اور خود بھی گھر میں حکم دے دیا کہ ہتھیار تیار کر دیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دست مبارک سے اسلحہ تیار کیا لیکن یہ امر ایسا مخفی رکھا گیا کہ کسی کو خبر نہیں کہ کدھر کا ارادہ ہے۔ قیاس سے بعض لوگوں نے اندازہ کیا کہ غالباً مکہ کا قصد فرمایا ہے۔ کیونکہ اتنا بڑا لشکر اور کسی طرف لے جانے کی کوئی وجہ نہیں۔

حاطب بن ابی بلتعہ اپنے اہل وعیال کو مکہ میں چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے آئے تھے۔ کوئی قبیلہ ان کی دیکھ بھال کے لئے نہ تھا بے یارومددگار دشمن کے نرغہ میں گھرے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے مدینہ کی تیاریوں کو دیکھ کر مخفی طور سے ایک عورت کے ذریعہ اہل قریش کو ایک خط لکھ کر مطلع کرنا چاہا کہ اس احسان کی وجہ سے میرے اہل وعیال سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں گے۔ اور ان کو یہ یقین تھا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فوج فتح یاب ہوگی۔ میرے اس خط سے کوئی اسلام کو خاص نقصان نہ پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی و حضرت عمار رضی اللہ عنہما کو روانہ فرمایا۔ یہ لوگ مقام رخاخ میں جاکر مکہ جانے والی عورت کو پالیا۔ ان حضرات نے اس سے وہ خط طلب کیا۔ اس عورت نے دینے سے حیلہ و بہانہ کیا۔ جب بہت ڈرایا دھمکایا اور یہاں تک فرمایا کہ اگر نہ دیگی تو ہم تجھ کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ اسکی چوٹی سے وہ خط نکلا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ سے دریافت کرنے کے بعد درگذر کر دیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ ر رمضان المبارک کو دس ہزار مجاہدان اسلام کو مدینہ منورہ سے لیکر روانہ ہوئے اور ایسا راستہ اختیار فرمایا جس کی طرف کسی کا ذہن نہ جاسکا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مع فوج کے یکایک مکہ کے قریب جاکر پڑاؤ ڈال دیا۔

مقام جحفہ میں آپکے چچا مع اہل وعیال آملے۔

پھر مقام ابواء میں ابی سفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن ابی امیہ نے حاضر ہوکر باریابی کی اجازت چاہی۔ انہوں نے باوجود قریبی رشتہ دار ہونے کے اسلام کی جو مخالفت کی تھی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اذیتیں دی تھیں ان وجوہ کی بنا پر ملنے سے انکار فرمادیا۔

ابی سفیان نے نا امیدی کی حالت میں کہا کہ اگر معافی نہ ملیگی تو مع بال بچوں کے میں کسی ریگستان میں جاکر بھوکا اور پیاسا رہ کر جان دیدوں گا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھائی کی سفارش کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں کو مشورہ دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے الفاظ میں جاکر معافی چاہو، چنانچہ انہوں نے اسی مشورہ پر عمل کیا اور جاکر وہی کہا: تاللہ لقد اٰثرك الله علينا وان كنا لخاطئين (بخدا اللہ نے آپ کو ہم پر برتری بخشی اور واقعی ہم خطاکار رہیں۔) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک ان الفاظ سے موم ہوگیا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب میں ارشاد فرمایا جو حضرت یوسفؑ نے دیا تھا۔ لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو الرحمٰن الرحیم (تم پر آج کے دن کوئی گرفت نہیں، خدا تمہیں معاف کرے اور وہ بہت رحم فرمانے والا ہے)

جب مقام مرالظہر میں پہنچے تو مجاہدین اسلام خیمہ زن ہوئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر مجاہد کو حکم دیا کہ اپنے اپنے خیمہ کے پاس آگ روشن کرے۔ ابی سفیان بن حرب حکیم ابن فرام وغیرہ جیسے اکابر دیکھ بھال کے لئے نکلے۔ پہاڑی پر جاکر دیکھا کہ دس ہزار چولھے روشن ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر حیران اور سکتے کے عالم میں کہنے لگے اتنا بڑا لشکر مکہ کے دروازے پر آواز دے رہا ہے۔ قریب ہی سے حضرت عباسؓ گذر رہے، آواز پہچان کر ابوسفیان کو پکارا اور بات چیت ہوئی حضرت عباسؓ نے فرمایا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں آپہنچے اب ہماری خیر نہیں۔ ابوسفیان مشورہ کیا کہ اب ہم کو کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا تم میرے خچر پر بیٹھ جاؤ۔ حضرت عباسؓ راستہ میں جو ملتا اپنا تعارف کراتے ہوئے چلے جاتے۔ اگر کوئی تعارض کرتا تو فرماتے میں نے ابوسفیان کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قریب سے گذر رہے تھے کہ آپ نے دونوں کو دیکھ لیا۔ اور ابوسفیان کو پہچان کر فرمایا او دشمن خدا و رسولؐ آج تجھ پر قابو پایا۔ اب تیری خیر نہیں۔ دوڑ کر بارگاہ حبیبؐ میں حاضری دی اور قتل کی اجازت طلب کی۔ ادھر حضرت عباس نے اپنی سواری کی رفتار تیز کردی۔ اور پہنچ کر اپنی غرض پیش کردی۔ اور عرض کیا کہ میں ابوسفیان کو اپنی پناہ میں لایا ہوں۔ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان کے مابین جو مختصر گفتگو ہوئی وہ یہ ہے:۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں ابوسفیان! کیا اب بھی تم کو یقین نہیں آیا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ابوسفیان: اور کوئی خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آیا ہوتا۔

رسولِ خدا: کیا اس بات میں شک ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں۔

ابوسفیان: قدرے شبہ ہے! بہر صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ نے اس کمزور گفتگو کو محسوس کرتے ہوئے کہا اے ابوسفیان اس گفتگو کو چھوڑو، دائرۂ اسلام میں داخل ہوجاؤ۔ رب العالمین کا فضل عظیم ہوا کہ حضرت ابوسفیان نے جو مکہ

کے بہت بڑے لیڈر تھے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے بلا تامل
اسلام قبول کرلیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق
وجاں نثار بن گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہر سردار اپنا اپنا دستہ
لے کر مقام کدا سے گذرا۔ سب سے آخر میں انصاری دستے
اپنے اپنے علم لئے ہوئے گذر رہے تھے اور ابو سفیان ہر دستہ کے متعلق
حضرت عباسؓ سے پوچھتے جاتے تھے۔ حضرت سعد بن عبادہ جب
اس مقام سے گذرے تو اس جوش میں پکار اٹھے الیوم یوم الملحمہ
آج گھمسان کا دن ہے۔ الیوم تستحل الکعبۃ آج کا دن کعبہ
کا ماحول معرکہ کے لئے حلال کر دیا جائے گا۔ آخر میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری نہایت سادگی سے گذری۔ حضرت
زبیرؓ آگے آگے علم اٹھائے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب
سعد بن عبادہ کے نعرے کا علم ہوا تو فوراً ان سے علم لیکر ان کے
لڑکے کے سپرد کر دیا پھر فرمایا کہ آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے پھر
اعلان فرمادیا کہ جو کوئی مسجد حرام میں داخل ہوگا یا ابو سفیان کے
گھر میں چلا جائے اور جو بلا ہتھیار آئے ان سب کے لئے امان ہے۔

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر مکہ میں داخلہ ہوا تو
اس شان سے ہوا کہ دنیا بھر کے فاتحین کے برعکس سر مبارک عجز و
انکساری کے خدا کے سامنے اسطرح جھک رہا تھا کہ پیشانی مبارک
کجاوے کو چھو رہی تھی۔ عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے
دریافت کیا کہ یا رسول اللہ قیام آبائی مکان ہوگا؟ رحمۃ للعالمین
نے ایسا درد بھرا جواب ارشاد فرمایا کہ عقیل نے ہمارے لئے
گھر کہاں چھوڑا ہے کہ اس میں اتریں۔ حضورؐ کا علم حجون (جنت المعلیٰ)
میں نصب ہوا اور یہی قیام گاہ ہوا پھر حرم میں پہنچے۔ حجر اسود
کا استلام کیا۔ دست مبارک میں قوس ہے۔ حرم میں نصب
شدہ ایک ایک بت کے پاس جاکر ارشاد فرمایا جاء
الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔
حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ باطل کو میدان چھوڑ کر
بھاگنا ہی ہے۔ قوس کے اشارے سے ایک ایک بت
گر گیا۔ پھر کنجی طلب فرمایا اور دروازہ کھلوا کر کعبہ کو
تصاویر وغیرہ سے تطہیر فرمایا۔

مسجد کے سامنے مجمع عام تھا جو اپنی قسمت کا
فیصلہ سننے کے لئے مضطرب تھا۔ ان سے آپ نے
خطاب فرمایا:-

"خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک
نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اسی لئے ایک ذات
نے تمام لشکروں کو شکست دی۔ وہ دور ختم ہو جائے کہ
ایک ایک دو دو کرکے خفیہ اسلام میں داخل ہوتے تھے اور
آج وہ وقت آچکا ہے کہ پورے پورے قبیلے کے باشندے
بغیر کسی مزاحمت اور روک ٹوک کے دین میں شامل
ہونے لگے۔ ۹ھ کی ابتدا سے یہ صورت پیدا ہونی
شروع ہوئی۔ ملک عرب کے گوشے گوشے سے وفد و جماعت
کی صورت میں بارگاہ حبیب میں حاضر ہو کر اپنی رضا و
رغبت سے اسلام قبول کرتے اور آپ کے دست مبارک
پر بیعت کرنے لگے۔ زمانہ حجۃ الوداع میں ملک عرب حکومت
اسلام کے زیر سایہ تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کمسنی کے علمی کمالات

از
فضیلت مآب
حضرت مولانا
ابو الحسن صدر الدین سید
شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری
B.A ناظم دار العلوم
لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور
قدس سرہ العزیز

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

(جب تک آدمی بات نہیں کرتا اس وقت تک اس کا عیب و ہنر پوشیدہ رہتا ہے۔)

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو کم سنی و کم عمری میں اسلامی علوم و فنون سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور کی یہ خصوصیت ہے کہ اکثر و بیشتر طلبا اپنی کم عمری میں مولوی عالم و مولوی فاضل کی سندیں حاصل کر لیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یونیورسٹی کے امتحانات میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یونیورسٹی کے امتحانات میں شرکت کی کم از کم عمر پندرہ سال ہوتی ہے۔ اس عمر میں انٹرنس امتحان دینے کے دو سال بعد پری ملنیری امتحان ہوتا ہے اور اس کے دو سال بعد فائنل امتحان دیتے ہیں، اسی طرح سے انگریزی اول کے لئے S.S.L.C امتحان میں شرکت کی عمر پندرہ سال رکھی گئی ہے۔ اس کے بعد P.U.C کی ایک سال تعلیم ہوتی ہے۔ بعد ازاں B.A کی تعلیم۔ اسی طرح کوئی انیس ۱۹ سال کی عمر میں تعلیم پوری ہوتی ہے۔ B.A کے امتحان کے بعد کل ہند I.A.S امتحان کے مقابلے میں شرکت کرتے ہیں اور اس امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد جن کا انتخاب ہوتا ہے انہیں دو سال کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ ٹریننگ کے بعد انہیں کسی ڈویژن کا سب کلکٹر یا کمشنر بنا دیا جاتا ہے۔ جہاں اس وسیع علاقہ پر اس کم عمری میں اس کی حکمرانی ہوتی ہے۔ یہ صرف محنت اور کاوش کا نتیجہ ہے کہ صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں۔

اس کمسنی میں علم و دانش کے متعلق مولانا احمد بن الفضل جو ایک زبردست عالم و فاضل گزرے ہیں اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ابھی میری کم عمری کا زمانہ تھا خلیفۂ بغداد کے دربار میں ایک روز جانے کا اتفاق ہوا۔ میں وہاں پہنچ کر دیکھا کہ بہت سے معمر و باکمال علماء موجود تھے۔ میں نے اپنی نشست سنبھالتے ہوئے گفتگو شروع کی۔ خلیفہ یہ دیکھ کر غضبناک ہوا کہ ان علماء اور میری موجودگی میں ایک بچہ کو بولنے کی اتنی جرأت؟ خلیفہ کی ڈانٹ سے مرعوب ہوئے بغیر میں نے کہا کہ اے امیر المومنین! میں ہُدہُد سے چھوٹا نہیں اور آپ سلیمان علیہ السلام سے بڑے نہیں! "ھدھد نے کہا کہ اے بادشاہ! میں وہ چیز جانتا ہوں جو آپ نہیں جانتے ہیں۔ میں ملک سبا سے آپ کے لئے ایک خوشخبری لایا ہوں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اے امیر المومنین!

کیا آپ کو معلوم نہیں ؟ کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک نکتہ کا حل سمجھا دیا جو آپ کے والد بزرگوار حضرت داؤد علیہ السلام کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اگر علم و عقل عمر لوگوں کا ہی حصّہ ہوتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے بڑھ کر حقدار ان کے والد داؤد علیہ السلام ہوتے "۔۔۔ خلیفۂ وقت اور علمائے حاضرین اس برجستہ جواب و دلیری سے متاثر ہو کر محوِ حیرت ہو گئے۔

حضرت امام محمد شافعی علیہ الرحمہ نے اپنی کم عمری میں ایک زبردست و ناممکن مسئلہ کا حل پیش فرمایا : یہ خلیفہ بغداد ہارون رشید کا زمانہ تھا۔ ہارون رشید جب اپنی بیوی سے گفتگو کر رہا تھا کہ بے تکلفی کے عالم میں کچھ ایسی گفتگو ہو گئی کہ ان کی بیوی زبیدہ خاتون نے کہا کہ تم جہنمی ہو۔ بادشاہ نے بھی جوش میں کہا کہ اگر میں جہنمی ہوں تو تم پر تین طلاق۔ بادشاہ کی زبان سے ان کلمات کا نکلنا ہی تھا کہ ان دونوں کے ہوش ٹھکانے لگے۔ زبیدہ خاتون نے ہارون رشید سے فوراً پردہ کیا۔ رنج و الم میں مبتلا ہوئے۔ اور خلیفہ نے دربار منعقد کیا اور جید علماء کو طلب فرمایا اور اُن کے سامنے یہ مسئلہ پیش کرتے ہوئے ان سے اس مسئلہ کے حل کا طلبگار ہوا۔ علماء فقہ کی کتابوں کے اوراق گردانی میں سرگرداں رہے۔ لیکن اس مسئلہ کا حل نہ مل سکا۔ جب خلیفہ نے دریافت کیا تو انہوں نے اپنی مایوسی اور مجبوری کا اظہار کیا۔ آخر میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا "اے خلیفہ ! میں اس مسئلہ کا حل پیش کر سکتا ہوں۔ تو خلیفہ نے کہا کہ بتاؤ۔ آپ نے کہا ایسے نہیں ہو سکتا آپ کو یہاں اور مجھ کو وہاں ہونا چاہیئے۔

خلیفہ سمجھدار تھا۔ تخت سے نیچے اُتر آیا اور آپ کو تخت پر جلوہ افروز کیا۔ پھر از سر نو معاملہ پیش کیا۔ سماعت کے بعد آپ نے دریافت کیا کہ اے خلیفہ کیا آپ باوجود گناہ پر قدرت رکھنے کے محض اللہ کے خوف سے اس گناہ سے باز رہے ہیں ؟ ہارون رشید نے کہا کہ قسم ہے اس خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک کی کہ میں گناہ کے کاموں پر باوجود قدرت رکھنے کے محض اللہ تبارک وتعالیٰ کے خوف سے گناہ سے باز رہا ہوں : تو آپ نے کہا "الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص باوجود قدرت رکھنے کے گناہوں کے کاموں سے محض میرے خوف و ڈر سے باز رہتا ہے میں اس کو جنّت کی بشارت دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں فیصلہ دیتا ہوں کہ ہارون رشید جنتی ہیں۔ ۔۔۔ اس مسئلہ کی نوعیت کو اس کی حقیقی رنگ میں پیش فرمایا کہ اگر ہارون رشید جہنمی ہوتے تو طلاق واقع ہوتی۔ چونکہ یہ جنتی ہیں، لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اہل دربار اور علمائے کرام اس فیصلہ کو سن کر انگشت بدنداں ہو گئے۔ جب آپ نے اس فیصلہ کو صادر فرمایا تو اسوقت آپ کی عمر عزیز صرف پچیس ۲۵ سال کی تھی۔

خلیفہ بغداد نے اپنی دورِ حکومت میں قاضی یحییٰ بن اکثم کو ان کے علم و عقل سے متاثر ہو کر جب اُن کی عمر بیس برس کی تھی بصرہ کا قاضی بنا کر بھیجا۔ وہاں کے لوگوں نے دیکھا کہ یہ بالکل کم عمر ہیں تو ان کو "کم عمر قاضی" پکارنا شروع کیا۔ کسی منہ پھٹ نے ایک کثیر مجمع کے سامنے اُن سے سوال کیا کہ " قاضی صاحب آپ کی عمر کیا ہے ؟ آپ نے جواب

ہیں کہا کہ حضرت عتاب بن السید سے بڑا ہوں، جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ کا قاضی بنایا تھا۔ اور میں معاذ بن جبل سے بھی بڑا ہوں، جن کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا، اور حضرت کعب بن مسور سے بھی میری عمر زیادہ ہے جن کو امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسی بصرہ کا قاضی بنایا تھا۔ قاضی یحییٰ بن اکثم کا یہ جواب سن کر لوگوں نے آپ کو "کم عمر قاضی" پکارنا چھوڑ دیا۔ اور آپ اہل بصرہ کی نظروں میں معزز و مکرم ہو گئے۔

ایاس بن معاویہؓ نے اپنی کم عمری کے

زمانہ میں ایک روز قاضی دمشق کے سامنے ایک معمر آدمی کے خلاف اپنے حق کا دعویٰ کیا اور کہنے لگا کہ اس بڈھے نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ اور میرا مال کھا لیا ہے۔ قاضی دمشق نے ایاس بن معاویہ کو ڈانٹ کر کہا کہ تم اس معمر آدمی کے مقابلہ میں ایک کم عمر لڑکے ہو اور اس زور سے کلام کرتے ہو؟ ایاس بن معاویہ نے جواب میں عرض کیا کہ قاضی صاحب! اگرچہ میں چھوٹا ہوں۔ مگر "حق" مجھ سے، اُن سے، آپ سے اور سب سے بڑا ہے۔ قاضی دمشق نے پھر ڈانٹ کر کہا کہ "تم چپ ہو جاؤ"۔ ایاس بن معاویہ نے کہا کہ حضرت والا! اگر چپ ہو جاؤں تو میں اپنے دعویٰ کو کس طرح ثبوت "تک پہنچاؤں گا؟ قاضی دمشق نے مارے غصہ کے کہا کہ اچھا تم بولو۔ مگر قسم ہے خدا کی کہ تم اچھی بات نہیں کہو گے۔ اس پر ایاس بن معاویہ نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ پڑھا اور کہا کہ قاضی صاحب آپ کی قسم ٹوٹ گئی۔ لیجئے میں جو یہ بات کہا ہوں، یہ کلمۂ حق ہے، اس سے اچھی اور کون سی بات ہو سکتی ہے؟ آپ اپنی قسم کا کفارہ ادا کیجئے۔ قاضی دمشق لاجواب ہو کر خاموش رہ گئے۔

خلیفۂ دمشق کو جب اس واقعہ کی خبر پہنچی، تو ایاس بن معاویہ کے علم و دانش اور حاضر جوابی سے متاثر ہو کر خلیفہ نے قاضی دمشق کو معزول کیا اور ان کی جگہ ایاس بن معاویہ کو دمشق کا قاضی مقرر کر دیا۔

آدمی میں اگر علم و دانائی کا کمال موجود ہو، تو ایک کم عمر آدمی بھی بڑے عہدہ پر فائز ہو سکتا ہے اور ترقی جاہ کی بڑی منزلیں طے کر سکتا ہے۔

طاقت ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے
اے مرد خدا! ملک خدا تنگ نہیں ہے

ایک مرتبہ حضرت ابو القاسم جنید بغدادی علیہ الرحمہ نے بھی اپنی کم عمری کے زمانے میں شکر کی لاجواب تعریف بیان کرتے ہوئے علماء حاضرین سے داد تحسین حاصل کی ہے۔ جنید علیہ الرحمہ اپنے ماموں حضرت سری سقطی علیہ الرحمہ کے ساتھ مکہ معظمہ گئے اور حج کے مراسم سے فارغ ہونے کے بعد چار سو علماء ایک جگہ جمع ہوئے اور ہر ایک نے شکر کی تعریف پیش کرنی شروع کی۔ اختتام پر حضرت سری سقطی علیہ الرحمہ نے کہا کہ اے جنید! تم بھی کچھ کہو تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر یہی ہے کہ اس کے احکامات کی پابندی کی جائے۔ تمام علماء نے ایک زبان ہو کر کہا کہ اس سے بڑھ کر اور

اس سے بہتر کوئی تعریف نہیں ہو سکتی ۔ کہ انہوں نے سمندر کو کوزہ میں سما دیا ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر یہی ہے کہ اس کے احکامات کی پابندی کی جائے نا کہ خلاف ورزی۔

بزرگی کا دارومدار سن و سال پر نہیں ہے بلکہ علم و عقل کا کمال درحقیقت انسان کی بزرگی کا معیار ہے۔ حضرت شیخ سعدیؒ کا مشہور مقولہ ہے۔

"سخاوت بہ دل است نہ بہ مال، و بزرگی بہ عقل است نہ بسال"

حضرت عمر ابن عبدالعزیز خلیفۂ دمشق نے کیا خوب فرمایا کہ، علم سیکھو، کیونکہ کوئی شخص ماں کے پیٹ سے علم لیکر نہیں آتا اور علم والا اور جاہل دونو کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔

کم سنی میں علمی کمالات تب ہی پیدا ہو سکتے ہیں جبکہ اپنی عقلِ سلیم کو حرکت میں لاتے ہوئے حصولِ علم میں کوشاں رہیں۔ اور طاقتِ گویائی میں کمال پیدا کرنے کی سعی بلیغ کریں۔ سچ تو یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر تب ہی باقاعدہ ادا ہو سکتا ہے۔

؎ علم ہی جب نہیں تم میں تو عمل کیا ہوگا
جس خیاباں میں شجر ہی نہیں پھل کیا ہوگا

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغْ

بقلم
السيد برهان الدين العنطوي
استاذ الكلية
اللطيفية
(حضرت مكان ويلور)

نحن نسمع كل يوم وليلة بل كل وقت وحين من طلبة العلوم الاسلامية ان الاسلام هو العائق الحقيقي والمانع اليقيني عن الترفع العلمي المادي والتقدم الفكري فقفوا وتفكروا ايها الشبان خيالاتكم هذه باطلة عاطلة لا دليل ولا برهان بل لا حجة ولا سلطان لا كما زعمتم بل القرآن العظيم هو دستور الاسلام ينادي باعلى صوته ويحث الانسان في معانيه و دعواته الى التدبر العلمي المادي والروحي والترقي النظري والفكري وهو الذي لا انقضاء لحكمه و لا انتهاء لندائه وهو الذي ينادي الى السعي في الارض والنظر في عالم الاكوان فادنى تدبر في القرآن بل ادنى مراجعة فيه يكشف عن كذب هذه الخيالات الواهية والظنونات الداهية بل يوضح دعوته الحقيقية الى التقدم الفكري والترفع الانساني لا بل لواقع التاريخي للحضارة الاسلامية في الازمنة الماضية يناقض هذا الافتراء عن الملة الحنفية السهلة السمحاء بل يهدم سرادقات هذه الخيالات الفاسدة بحذافيرها والساميها لا بل الاسلام هو الذي رشد الانسان الى التدبر والتفكر لا بل الاسلام هو الذي اذاب الثقافات الانسانية السابقة القبيحة 'لا' بل الاسلام هو الذي اعطى كل ذي حق حقه 'لا' بل علمائه ومتفكروه هم الذين اكتشفوا علوما جديدة في الكيمياء والطب والجبر والهندسة سبقوا بها علماء الغرب .

ايها الشبان النسيتم شهادات آبائكم المتفكرين المصنفين المغربيين وغيرهم من الكتاب من الحضارة الاسلامية الم تقل الدكتورة (الزي) ان الاسلام ليس دينا فقط بل اسلوب في الحياة الم يقل (موسيو) ان الحق الذي لا نزاع فيه ان الاسلام نظام اجتماعي تام السلاح وحضارة كاملة النسج فلسفة وتهذيبا وفنا . الم يقل الدكتور (بول) ان الاسلام دين مفتوح الباب على مصراعيه واسع الارجاء لتلقي الارتقا الجديد الذي انتجته الاجيال المتعاقبة لا كما زعم البعض بانه محدود الاطراف ضيق المدخل لان تعاليمه الرفيعة وضعت على مر الايام و

الدهور وستبقى خالدة فى باقى الازمان بل هو الدين الوحيد الذى اوجد بتعاليمه العالية عوائق نفسانيه تمنع عن الميل الى العشق والفجور و يكفيه فخرا انه هذب النسل البشرى عن الاتصال الجنسى الحرام المريقل "الجرمانوس" المستشرق ان اوربا لم تعرف مبداء الاخاء بين الابناء الجنسيه والمساواة البشريه الا بعد الثورة الفرنسيه بينما دعا الاسلام الى التأخى بين البشر وفكرة المؤاخاة والجمهورية والمساواة بين الناس من ابتكار القرآن، وعرفتها اوربا فى قرن السابع عشر الميلادى. المريقل ايضًا انى استطيع ان اعلن واجهر بمنتهى الجرءة بعد ان طالعت القرآن الكتاب المقدس للمسلمين وبعد ان عرفت وبحثت على ثقافة الاسلام بانه لا يوجد فى تعاليم هذا الدين المتين كلمة واحدة تعوق تقدم الانسان الى ازدياد المعرفة و القوة فى الميادين المادية والروحية. المريقل "ايتان دينيه": ان العقيدة المحمدية لا تقف ولا تقوم عقبة عائقة فى سبيل الفكر والتدبر. المريعترف "رينيه ميليه" بسبق المسلمين الى البحث والاكتشاف فى ميدان العلوم العقليه وقد رغبوا وبرعوا فيها فكانوا هم الذين وضعوا اساس علم الكيمياء و ظهر منهم كبار الاطباء المريعترف ايضا الدكتور "فرنتوونتال" بسبق المسلمين الى مبدا البحث والتجربه المريجزم المحقق "مسمر" بان بين الاسلام والعلم رابطة قوية وان الاسلام لم يفتخر الا بالعلوم وفخرها المريقل المفكر مستر "نند لال" انا اذا تفكرنا فى التعليم الاسلامى يظهر انه، اعظم دستور من دستورات العمل، المريقل افوكاتو "لالہ رامجندر" لا جرءة لاحد ان ينكر ما اتى به نبى الاسلام لحسن قوانينه الباقيه الى ابد الآباد المريقل المفكر الاكبر "سرتهامس كارلائل" لو لم يظهر الاسلام لما زالت العقائد الباطنيه من الدنيا.

لا بل الاسلام هو الذى امال قلب المورخ الاطالوى "برنس ليون ستانى" الى مدح الاسلام بعد ما كان منهمكا فى خلافه لا بل الاسلام هو الذى اعطى لحبشى افريقى ما لابيض اوروبى" لا بل الاسلام اول دين اعلن بالمساواة الانسانيه فى المدينة البشريه - لا بل هو اول دين محى التفرقة القديمه بين الطبقات الانسانيه.

اتذكرون ايها الشبان ما الذى امال قلب "محمد على كلے" الى قبول ملة الاسلاميه بعد ان كان فى الملة العيسويه وما الذى امال قلب "نيولين" الى مدح الاسلام حتى قال ان الاسلام دين صادق لا يبقى عاقل الا تاثر به المريقل المفكر الدكتور "هرى ناتھ شاسترى" بعد ما طالع وتفكر فى المذاهب كثيرة وفى كلها محاسن شتى ولكن الاسلام هو الدين الذى من اوله الى اخره مملو بالمحاسن الحسنه و بعد هذه الاقوال والآراء الصوادق والصوارم ما ذا يبقى لعزتكم ولمريتكم بان الاسلام يعطل الفكر ويعوق التقدم الا الكذب والبهتان اوالا الجهل و الحرمان هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين - والسلام

لك الحمد یاذالجود والمجد والعلیٰ

تبارکت تعطی من تشاء وتمنع

الٰهی وخلاقی وحرزی وموئلی

الیك لدی الاعسار والیسر افزع

الٰهی لئن خیبتنی او طردتنی

فمن ذی الذی ارجع ومن استشفع

الٰهی لئن جلت وجمّت خطیئتی

فعفوك عن ذنبی اجل واوسع

الٰهی لئن اعطیت نفسی سؤلها

فها انا فی روض الندامة ارتفع

اے سخی وعظیم مرتبے کے مالک صرف تیرے لئے تعریف و توصیف کی پونجی ہے۔

تو برکت دیتا ہے جسے چاہے اپنی نوازش سے ڈھانک لیتا ہے اور جسے چاہے ٹھکرا دیتا ہے۔

اے میرے معبود، میرے خالق میرے محافظ اور میری پناہ گاہ

آسانیوں اور سختیوں کا مالک تو ہی ہے بس سختیوں سے گھبراتا ہوں۔

اے میرے معبودِ برحق، اگر تیرے در سے مجھے دھتکار دے

پس کون ہے جو میری التجا و التماس کو سرفراز کرے۔

اے میرے معبود برحق، اگر میری غلطیاں بہت ہیں،

لیکن تیری نوازش تو اس سے کہیں زیادہ تر ہے۔

اے میرے معبود، اگر میں نفس کے اشارے پر اس کی ضرورتوں کو پورا کرتا رہوں۔

تو یقیناً کل قیامت کے دن ندامت و شرمندگی کے باغ سے پھل چننا پڑے گا۔

الٰهی تری حالی فقری وفاقتی
اے میرے معبود برحق تو میرے فقر و فاقہ کو دیکھنے والا ہے۔

وانت مناجاتی الخفية تسمع
اور تو میری پوشیدہ مناجات کو بھی سننے والا ہے۔

الٰهی فلا تقطع رجائی ولا تزغ
اے میرے معبود برحق! میری امید کی رسی کو مت کاٹ اور میرے دل کو نہ توڑ۔

فوادی فلی فی باب جودك مطمع
پس میرا دل صرف تیرے ہی دروازے کے کرم کا خواہشمند ہے۔

الٰهی اجرنی من عذابك انني
اے میرے معبود! اپنے عذاب سے مجھکو بچا بے شک میں

اسیر ذلیل خائف لك اخضع،
مقید ہوں، ذلیل ہوں، تجھ سے ڈرتا ہوں اور خشوع وخضوع کرتا ہوں۔

الٰهی فآنسنی بتلقین حجتی،
اے میرے معبود برحق اس وقت دلیل وبرہان کے ذریعہ مجھے مانوس کر۔

اذا کان لی فی القبر مثوی ومضجع
جبکہ میرے وجود کا ٹھکانا قبر کی زمین بن جائے۔

الٰهی لئن عذبتنی الف حجة
اے معبود! اگر میں تیرے عذاب میں ایکہزار سال بھی گرفتار رہوں

فحبل رجائی منك لا یتقطع
پھر بھی میں تیرے کرم کی امید سے ناامید نہیں رہوں گا۔

الٰهی اذا لم ترعنی کنت ضائعا
اے میرے معبود! اگر میری دیکھ بھالی نہ کریگا تو میں ضائع ہوجاؤنگا۔

وان کنت ترعانی فلست اضیع
اور اگر تیری نظر کرم میری محافظ رہی تو میں برباد وضائع نہیں ہوگا

الٰهی اذا لم تعف عن غیر محسن
اے میرے معبود! اگر تو گنہگار کو معاف نہ کرے تو اس کے لئے تیرے سوا مہربان اور کون ہوگا۔

فمن لمسئ بالهوی یتمتع
وہ بھی ایسا عاصی جس نے خواہش نفسانی با زندگی برباد کی۔

الٰهی لئن قصرت فی طلب التقی
اے میرے معبود! اگر تو گنہگار کو معاف نہ کرے تو اس کے لئے تیرے سوا مہربان اور کون ہوگا۔

فلست سوی ابواب فضلك اقرع
تو تیرا ہی دروازۂ کرم کی بھیک کے لئے کھٹکھٹاؤنگا۔

الٰھی اقلنی عثرتی وامح حوبتی
اے میرے معبود برحق میری غلطیوں کو معاف کردے اور میرے گناہوں کو مٹا دے۔

فانی مقر خائف اتضرع
بیشک میں گناہوں کا اقرار کرتا ہوں اور ڈرتا ہوں تجھ سے اور خشوع و خضوع و تضرع بھی کرتا ہوں۔

الٰھی لئن خیبتنی او طردتنی
اے میرے معبود! اگر تو مجھے ناکام کردے اور اپنے در سے مجھے دھتکار دے۔

فما حیلتی یا ربّ ام کیف اصنع
پس میرے لئے کیا حیلہ ہوگا اے میرے پروردگار اور میں کیا بناؤنگا۔

الٰھی حلیف الحب باللیل ساھر
اے میرے معبود! محب اپنے محبوب کی یاد میں رات کو جاگتا ہے۔

یناجی ویبکی والمغفل لیھجع
مناجات کرتا ہے اور روتا ہے اور غافل لوگ سوجاتے ہیں۔

وکلھم یرجو نوالك راجیا
اور ہر ایک تیری بخشش کا امیدوار ہے۔

لرحمتك العظمی وفی الخلد یطمع
اور جنت ہی تیری عظیم رحمت کا خواہشمند ہے۔

الٰھی یمنّنی رجائی سلامۃ
اے میرے معبود برحق مجھے سلامتی و امان سے نواز۔

وقبیح خطیاتی علیّ یشنّع
اور میرے گناہوں کی قباحت خود مجھ پر ملامت کرتی ہے۔

يظن غالبا ان العلم الحقيقي هو قرءة كتب مدرسيّة عربية او فارسية او انگليزية او يتخيل ان العلم هو حصول شهادة من الكلية - ونتيجة هذا السوء الشنيع ان الطالب يتخرج من الكلية ويكون فائزا بمنصب القضاء او الافتاء او التدريس او الخطابة او يكون مهندسا او مدير المحطة او دكتورا او استاذا ولكن لم يشمّ رائحة العلم فى الحقيقة ولم يتمتع قلبه وروحه من حلاوة العلم وتلذّذه -

ولهذا ينبغي اولا ان نعرف ما هى حقيقة العلم؟ فقد صرح عبدالله بن مسعود رضى الله عنه ليس العلم بكثرة الرواية انما العلم نور يقذف فى القلب - وكذلك قال امام دار الهجرة مالك رضى الله عنه انما العلم نور يجعله الله حيث يشاء وليس بكثرة الرواية ومعنى هذين القولين - ليس العلم فى الحقيقة ان يعرف المسائل الفقهية او يحفظ الاحاديث النبوية - بل العلم نور يقذفه الله تعالىٰ فى قلب العبد -

فقد علم ان موضع العلم وظرفه القلب فقط لا غير - والمسائل العلمية الملفوظة او المكتوبة انما هى الفاظ وحروف ونقوش - ولا تكون هذه الاشياء علما فى الحقيقة كما لا يكون لفظ الفرس او صورته فرسا فى الحقيقة هيهات - وبينهما بون بعيد وكما لا يعدّ الببغاء والبلبل عالما اذا ردّد الالفاظ او كرّر الكلمات، والكلمات التى تصدر من الببغاء انما هى الالفاظ الظاهرية والحروف - لان قلبه عاريا عن ادراك معانى الكلمات وحقائقها - و روحه لا يتلذذ بحلاوتها -

وكذلك اذا كان تعلم العلم لغير الله لا يدخل فى قلبه العلم الحقيقى وان كان يجرى على لسانه حروفه والفاظه - كما اشار بعض المحققين تعلمنا العلم لغير الله فابى العلم ان يكون الا لله -

واذا كان قلب الانسان مهبطا للانوار الملكوتية والتجليات الالهية بلا ادراك ولا اخفاء بل يظهر عليه كل شيء فان العلم نور يتجلى به الامر الواقعى واذا تجردت النفوس الزاكية القدسية عن العلائق البدنية والقاذورات الجسمانية عرجت واتصلت بالملاء الاعلى - لم يبق ثم حجاب ولا غيهب - يرى الكل كالمشاهد و يكون ما غاب عيانا وما اجمل بيانا - لا يخفى

الدنیا وحقائق الاشیاء علیهم ویکون لهم علما حضوریا کا نما کل شئ موجود امامهم لان قلوبهم عاریة من ظلمة وکثافة فتکون متصلة بالملاء الاعلی - وقد اشار النبی صلی الله علیه وسلم بقوله اتقوا فراسة المؤمن الی ان العبد المؤمن یطلع علی غیوب الله باشارته وتعلیمه - فاذا کان المؤمن ینظر بنور من نور الله کیف یعزب عنه شیئ ما من الاشیاء فمن الذی یقدر علمهم وحکمتهم صحیحا یقول جلال الدین الرومی فی المثنوی -

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

وکیف تقاس النفوس القدسیة الزاکیة علی صفاتنا واحوالنا - لان المشابهة بیننا و بینهم علی سبیل الظاهر فقط - کمثل لفظ "شیر" فی الفارسیة - معناه اسد، وآخر اللبن والحلیب وشکلهما فی اللفظ واحد - ولکن فی حقیقتهما فرق کثیر - هکذا کیف یقاس معرفة النفوس الزاکیة علی علمنا الظاهر والصلحاء یعرفون حقائق الاشیاء ویطلعون علی الاسرار الخفیة من مرأة قلبهم - ونحن نحصل لنتائج بالنظر والفکر و الاستدلال المنطقی وترتیب المقدمات وبعد هذا لایقین لنا علی صحة ذلك العلم - ودائرة علم الصلحاء محیطة علی کل شیئ - فان الدنیا فی نظر تلك الطائفة کمثل الخوان ونحن نقول للدنیا فی نظرهم کمثل الخردلة - لا یغیب شیئ ما عن بصرهم ویعرفون احوال الزمان الحاضر ویکشف الله علیهم بفضله وقائع المقبل واخبار القادم وهذا العلم یکون مبنیا علی الجزم والیقین -

اقدم مثالا فی ثبوة تلك الدعوی - ارسل ٹیپو السلطان الشهید مبلغا کثیرا تحفة الی حضرة السید شاه ابی الحسن المحوی الویلوری و اعطی له رقعة الدعوة الی المیسور - والشیخ لم یقبل تلك التحفة - وقال للمقاصد - انا اشکر السلطان - لا حاجة لی الی تلك الروبیات - وقل له یزول مملکته قبل ستة اشهر - واعتذر من القدوم الی المیسور - لان الخلق یزعم هذا الزوال طیرة ابی الحسن - ورجع المقاصد - وقال امام السلطان ما بیّن فراسة ابی الحسن عن مملکته - فزال مملکته کما قال ذلك الشیخ والسلطان ٹیپو سقط شهیدا فی المعرکة - فصارت مملکته فی قبض ایست اندیا کمپنی - وان کان الاولیاء لا یطلعون علی الاحوال والاسرار کیف یخبر الشیخ تلك الحادثة مع الجزم والیقین -

وکذلك اخبر السلطان بایزید بسطامی علیه الرحمه ولادة ابی الحسن خرقانی قبل بضعة سنین - وقال یجیئ الیّ ریح ابی الحسن من ارض الخرقان وشرح وفصل سنة الولادة والیوم والتاریخ

واللون والصورة والقامة والجهة۔ فظهر كما اخبر الشیخ۔

هٰذا مقام الاولیاء والصلحاء اهل الباطن والحال یخبرون عن الحادثات الغریبیة بالكشف والالهام۔ لاشك فیها۔ وخدامهم ایضا لایحرمون من فیضهم۔ قدم اناس مرة الى بیت الشیخ عبد الحق المحدث الدهلوی لیكی یحققوا صحة حدیث، فاقبلت الخادمة من البیت وسألت عن غرضهم، و قالت لهم اقرؤا الحدیث الذی وقع الشك فی صحته۔ فحینما سمعت الحدیث۔ قالت هٰذا لیس بصحیح ولیعد هذه القصة۔ سأل لها الشیخ كیف فهمت ان هٰذا الحدیث لیس بصحیح۔ وانت لم تقرأ كتابا فی الحدیث ولا تعرف الاسناد واسماء الرجال۔ اجابت۔ متی تقرء الحدیث كنت اسمع۔ وانظر فی ذلك الوقت۔ تظهر الانوار والتجلیات فی وجهكم ولكن ما نظرت هذه الكیفیة فی قرأة هٰذا الحدیث۔ ولهٰذا اردت ذلك الحدیث۔ وهٰذا اشأن و صیفات الحضرات القدسیة فما اعظم شأنهم وما ازكی نفوسهم۔

وهكذا الواقعات والحادثات كثیرة۔ قد ظهرت من اهل الله۔ وهذه تحصل من فیضان الكشف۔ والكشف علامة للعلم الحقیقی۔

ولقد ارسل عمر بن الخطاب رضی الله عنه جیشا الى نهاوند۔ وسارية كان قائد الجیش ذات یوم كان یخطب عمر فی المسجد النبوی علی المنبر۔ صاح فی اثناء الخطبة۔ یا ساریة الجبل۔ قد حار الحاضرون لماذا ناداعمر لساریة ثم تبین انه كان ساریة مشغولا فی الجهاد وكان قریبا من الهزیمة فی میدان الحرب۔ فاذا بصائح یصیح یا ساریة الجبل۔ متی سمعنا هٰذا الصوت رجعنا الى الجبل وهجمنا علی الكفار هجمة واحدة فهزمهم الله تعالیٰ۔

فظهر من هذا ان النفوس القدسیة اذا تجردت عن الكدورات النفسانیة والعلائق البدنیة تتصل الى المقام الذی یرفع دونه الحجاب ویتجلی كل شئ علی ما كان وان هٰذا من ثمرات العلم النورانی۔

فالعلم قسمان۔ كما صرح النبی الامی صلى الله علیه وسلم۔ علم علی اللسان فذلك حجة الله تعالیٰ علی خلقه۔ وعلم فی القلب فذلك هو العلم النافع۔ والقسم الاول من العلم غیر نافع۔ ولهذا اتعوذ النبی صلى الله علیه وسلم منه بقوله۔ اللهم انی اعوذ بك من العلم لاینفع۔ و قال عمر بن الخطاب رضی الله عنه ان اخوف ما اخاف علی هذه الامة۔ المنافق العلیم۔ قالوا كیف یكون منافقا علیما۔ قال علیم اللسان و جاهل القلب والعمل۔ قد علم ان العلم النورانی هو العلم النافع۔

ولابد لحصول العلم الحقیقی النورانی
من تقدیم طہارۃ النفس عن رذائل الاخلاق
ومذموم الاوصاف فان العلم الحقیقی عبادۃ
القلب وصلاۃ السر وقربۃ الباطن ۔ الی اللہ تعالیٰ
فکما لا تصح الصلاۃ التی ھی وظیفۃ الجوارح ظاھرۃ
الا بتطہیر الظاھر عن الاحداث والاخباث فکذلک
لا تصح عبادۃ الباطن وعبادۃ القلب بالعلم الا
بعد الطہارۃ عن خبائث الاخلاق وانجاسہا۔

فان النجاسۃ عبارۃ عما یجتنب و
یطلب البعد منہ وخبائث صفات الباطن اھم
بالاجتناب فانہا مع خبثہا فی الحال مہلکات
فی المال ولذلک قال صلی اللہ علیہ وسلم لا
تدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب والقلب بیت
ھو منزل الملائکۃ ومہبط اثرھم ومحل
استقرارھم۔ والصفات الردیئۃ مثل الغضب
والشھوۃ والحقد والحسد والکبر والعجب
اخوانہا کلاب نابحۃ فانی تدخلہ الملئکۃ و
ھو مشحون بالکلاب ونور العلم لا یقذفہ اللہ
تعالیٰ فی القلب الا بواسطۃ الملائکۃ۔

والعلم رحمۃ انما تتولاھا الملائکۃ الموکلون
بہا وھم المقدسون المطہرون المبرؤن عن
الصفات المذمومات فلا یلاحظون الا طیبا ولا
یعمرون بما عندھم من خزائن رحمۃ اللہ الا طیبا طاھرا
کما یعلم من عبارات الغزالیؒ. فالعلم الحقیقی
ھو نور یقذفہ اللہ فی قلب العبد بعد التصفیۃ و
التزکیۃ وکلما کان التزکیۃ اشدّ یکون العلم
کذلک فالعلوم الجدیدۃ الیومیہ ثمرۃ القلوب
المصفات ونتیجۃ الدماغ الخالی عن الاشغال
والاغیار۔ وان کان الترقی والترفع للعارفین
الصالحین من حیث الروحی فالترقی والترفع
الیومیّ من حیث المادی ایّا ما کان لابد للعلم
الحقیقی من تطہیر القلوب وتصفیۃ الاذھان
عما یشغلہا۔ جعلنا اللہ من اھل الترقی
والترفع المادی والروحی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ
رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخزن السلاسل

تصنیف انیف:- قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت مولانا سید شاہ ابو الحسن ثانی قادری بیجاپوری قدس سرہ العزیز۔

ترجمہ از: فضل العلماء امداد سیدو المکارم سید مصطفیٰ حسین صاحب بخاری قادری کڈپوی (فاضل لطیفیہ) و جنرل سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ

چھٹی قسط ۶

مخزن السلاسل کی چھٹی قسط جو سلاسلِ رفاعیہ
کے نو سلسلوں پر مشتمل ہے ترجمہ کے ساتھ پیش کی جارہی
ہے۔ صاحب کتاب حضرت مولانا سید شاہ ابو الحسن
ثانی قدس سرہ العزیز نے اکیسو اکانوے سلاسل میں جہاں
اپنے ہمشیر زادہ سید شاہ کریم اللہ قادری قدس سرہ کو اجازت و
خلافت سے سرفراز کیا تھا اپنے نبیرۂ خاص حضرت سید شاہ
عبد اللطیف قادری بیجاپوری ثم ویلوری قدس سرہ العزیز
کو بھی اس نعمتِ عظمیٰ سے مشرف کیا۔ جو خانوادہ اقطابِ
ویلور قدس اسرارہم کے پہلے بزرگ ہیں۔

الحمد للہ مذکورہ اکیسو اکانوے (۱۹۱) سلاسل میں اجازت
وخلافت کا سلسلہ ہنوز آپ کی اولادِ امجاد یعنی بزرگانِ
مکان حضرت قطبِ ویلور قدس سرہ العزیز میں جاری ہے۔

اما الخرقة الرفاعية فنسخة ۹

احدها لبسها الفقير شاه ابو الحسن من ابن
عم امه السيد نور الله وهو من ابيه السيد علی محمد
وهو من السيد محمد وهو من ابيه السيد جلال
ماه عالم وهو من ابيه السيد حسن وهو من ابيه
السيد عبد الغفور وهو من ابيه السيد احمد وهو
من ابيه السيد راجو وهو من ابيه السيد محمد
بن عبد الله الملقب بشاه عالم من عند الله و
هو من ابيه السيد برهان الدين ابی محمد عبد الله
المشهور بقطب العالم وهو من الشيخ شمس الدين
قوام وهو من الشيخ المعروف اسمعيل بن ابراهيم
الجبروتی وهو من الشيخ صالح جمال الدين محمد
بن ابی بكر الضجاعی وهو من الشيخ برهان الدين
العلوی وهو من الشيخ شريف الحسن بن محمد الحسنی
السمرقندی وهو من الحسن بن احمد بن محمد الرفاعی
وهو من ابيه تاج الدين محمد بن احمد الرفاعی
وهو من ابيه احمد بن محمد بن عبد الرحيم الرفاعی
وهو من اخيه محمد بن عبد الرحيم وهو من ابن عمه
ابراهيم الاعراب بن علی الرفاعی وهو من عمه
ممهد الدين عبد الرحيم الرفاعی وهو من اخيه
سيف الدين علی بن عثمان الرفاعی وهو من خاله
تاج العارفين سلطان العاشقين امام المسلمين رئيس
الملة والدين السيد احمد الكبير الرفاعی وهو من خاله

خرقہائے رفاعیہ نو ہیں ۹

پہلا خرقہ جسکو فقیر شاہ ابو الحسن نے اپنی والدہ کے
چچا زاد بھائی سید نور اللہ سے پہنا ہے، وہ اپنے والد سید علی محمد
سے وہ سید محمد سے، وہ اپنے والد سید جلال ماہ عالم
سے وہ اپنے والد سید حسن سے، وہ اپنے والد
سید عبد الغفور سے، وہ اپنے والد سید احمد سے
وہ اپنے والد سید راجو سے، وہ اپنے والد سید محمد
ابن عبد اللہ الملقب بہ شاہ عالم سے، وہ
اپنے والد سید برہان الدین ابو محمد عبد اللہ
المشہور بہ قطب عالم سے وہ شیخ شمس الدین
قوام سے، وہ شیخ معروف اسمٰعیل ابن ابراہیم
جبروتی سے وہ شیخ صالح جمال الدین محمد
ابن ابو بکر ضجاعی سے، وہ شیخ برہان الدین علوی
سے، وہ شیخ شریف الحسن ابن محمد حسنی
سمرقندی سے، وہ حسن ابن احمد ابن محمد رفاعی
سے وہ اپنے والد تاج الدین محمد ابن احمد رفاعی سے
وہ اپنے والد احمد ابن محمد ابن عبد الرحیم رفاعی
سے، وہ اپنے بھائی محمد ابن عبد الرحیم سے، وہ اپنے
چچا زاد بھائی ابراہیم اعراب ابن علی رفاعی سے، وہ
اپنے چچا ممہد الدین عبد الرحیم رفاعی سے، وہ اپنے
بھائی سیف الدین علی ابن عثمان رفاعی سے وہ اپنے
ماموں تاج العارفین سلطان العاشقین امام المسلمین رئیس
الملت والدین سید احمد کبیر رفاعی سے آپ اپنے ماموں،

السید منصور بن ابی بکر الرفاعی وھو من ابی منصور
بن الطیب وھو من ابی سعید النجاری وھو
من الشیخ ابی علی الفارمدی وھو من السدوسی
الکبیر وھو من رویم بن احمد وھو من سید
الطائفۃ ابی القاسم الجنید البغدادی وھو من
خالہ السری السقطی وھو من معروف الکرخی
وھو من الامام علی موسیٰ الرضاء وھو من
ابیہ الامام موسیٰ الکاظم وھو من ابیہ
الامام جعفر الصادق وھو من ابیہ الامام
محمد الباقر وھو من ابیہ
الامام علی زین العابدین وھو من ابیہ اشرف
الشھداء ومحبوب خیر الانبیاء الامام ابی
عبد اللہ الحسین وھو من ابیہ اسد اللہ
الغالب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب
کرم اللہ وجھہٗ وھو من خاتم النبیین
رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد
ن الامین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ
وسلم وھو من امر ذی النور المبین
بواسطۃ الروح الامین ۔

سید منصور ابن ابوبکر رفاعی سے وہ ابو منصور ابن طیب
سے وہ ابو سعید بخاری سے وہ شیخ ابو علی
فارمدی سے وہ سدوسی الکبیر سے
وہ رویم ابن احمد سے وہ سید الطائفہ
ابو القاسم جنید بغدادی سے وہ اپنے
ماموں سری سقطی سے وہ معروف کرخی سے
وہ امام علی موسیٰ رضا سے، وہ اپنے
والد امام موسیٰ کاظم سے، وہ اپنے
والد امام جعفر صادق سے وہ اپنے والد
امام محمد باقر سے وہ اپنے والد امام
علی زین العابدین سے وہ اپنے والد اشرف
شہداء محبوب خیر الانبیاء امام ابو عبد اللہ
حسین سے آپ اپنے والد اسد اللہ
الغالب امیر المومنین علی بن ابی طالب
کرم اللہ وجہہٗ سے آپ خاتم النبیین
رسول رب العالمین شفیع المذنبین
محمد امین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ
وسلم سے اور آپؐ نے نور مبین کے حکم سے
بواسطۂ روح امین خرقہ پہنا ہے ۔

الثانیة لبسها الفقیر شاہ ابو الحسن من ابن
عم امه السید نور الله وهو من ابیه السید علی
محمد وهو من السید محمد وهو من ابیه السید
جلال ماه عالم وهو من السید شیر محمد بن احمد
وهو من جده السید عرب شاه وهو من ابیه السید
محمد زاهد وهو من اخیه السید محمد بن
عبد الله الملقب بشاه عالم من عند الله وهو
من ابیه السید برهان الدین ابی محمد عبد الله
المشهور بقطب العالم وهو من الشیخ ابی
الفتوح احمد بن عبد الله الشیرازی وهو من
زین الدین علی بن محمد بن علی بن کلاه وهو من
السید نجم الدین عبد السمیع وهو من ابیه السید
شمس الدین علی وهو من ابیه السید تاج الدین محمد
وهو من ابیه السید شمس الدین احمد بن تاج الدین
محمد بن مهذب الدین عبد الرحیم بن
عثمان وهو من السید نجم الدین احمد وهو
من السید قطب الدین علی بن عبد الرحیم بن
عثمان وهو من تاج العارفین سلطان العاشقین
امام المسلمین رئیس الملة والدین السید احمد
الکبیر الرفاعی وهو من خاله السید منصور بن
ابی بکر الرفاعی وهو من خاله ابی منصور بن
الطیب وهو من ابی سعید النجاری وهو من
الشیخ ابی علی القرندی وهو من السدوسی
الکبیر وهو من رویم بن احمد وهو من سید

دوسرا[۲] خرقہ جسکو فقیر شاہ ابو الحسن نے اپنی والدہ کے چچا زاد
بھائی سید نور اللہ سے پہنا ہے، وہ اپنے والد سید علی محمد
سے، وہ سید محمد سے، وہ اپنے والد سید جلال
ماہ عالم سے، وہ سید شیر محمد ابن احمد سے، وہ اپنے
دادا سید عرب شاہ سے، وہ اپنے والد سید
محمد زاہد سے، وہ اپنے بھائی سید محمد ابن
عبد اللہ الملقب بہ شاہ عالم سے، وہ اپنے
والد سید برہان الدین ابو محمد عبد اللہ
المشہور بہ قطب عالم سے، وہ شیخ ابو الفتوح
احمد ابن عبد اللہ شیرازی سے وہ زین الدین
علی ابن محمد ابن علی ابن کلاہ سے، وہ
سید نجم الدین عبد السمیع سے وہ اپنے
والد سید شمس الدین علی سے، وہ اپنے والد سید
تاج الدین محمد سے، وہ اپنے والد سید شمس الدین احمد ابن
تاج الدین محمد ابن مہذب الدین عبد الرحیم ابن عثمان
سے، وہ سید نجم الدین احمد سے وہ سید
قطب الدین علی ابن عبد الرحیم ابن عثمان سے
وہ تاج العارفین سلطان العاشقین امام
المسلمین رئیس الملت والدین سید احمد
کبیر رفاعی سے آپ اپنے ماموں سید منصور
ابن ابو بکر رفاعی سے وہ اپنے ماموں ابو منصور
ابن طیب سے وہ ابو سعید بخاری سے، وہ
شیخ ابو علی قرندی سے وہ سدوسی
کبیر سے وہ رویم ابن احمد سے وہ سید

الطائفہ ابی القاسم الجنید البغدادی
وھو من خالہ السری السقطی وھو من
معروف الکرخی وھو من داؤد الطائی و
ھو من حبیب العجمی وھو من الحسن
البصری وھو من اسد اللہ الغالب امیر
المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ
وھو من خاتم النبیین رسولِ ربِ العلمین
شفیع المذنبین محمد ن الامین صلی اللہ
علیہ وعلی الہٖ واصحابہ وسلم وھو من
امر ذی النور المبین بواسطۃ الروح
الامین۔

الطائفہ ابوالقاسم جنید بغدادی سے وہ
اپنے ماموں سری سقطی سے وہ معروف کرخی سے
وہ داؤد طائی سے وہ حبیب عجمی سے
وہ حسن بصری سے وہ اسد اللہ
الغالب امیر المومنین علی ابن
ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ سے آپ
خاتم النبیین رسولِ رب العالمین
شفیع المذنبین محمد امین صلی اللہ
علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم سے
اور آپؐ نے نور مبین کے حکم سے بواسطۂ
روح امین خرقہ پہنا ہے۔

الثالثة لبسها الفقیر شاہ ابوالحسن من
ابن عم امه السید نور اللہ وھو من ابیه السید
علی محمد وھو من السید محمد وھو من
ابیه السید جلال ماہ عالم وھو من ابیه
السید حسن وھو من ابیه السید عبدالغفور
وھو من ابیه السید احمد وھو من ابیه
السید راجو وھو من ابیه السید محمد بن
عبداللہ الملقب بشاہ عالم رضی اللہ عنه وھو من
ابیه السید برہان الدین ابی محمد عبداللہ
المشهور بقطب العالم وھو من الشیخ ابی
الفتوح احمد بن عبداللہ الشیرازی وھو
من نجم الدین السید عبدالرحیم وھو من
ابیه محی الدین السید ابراهیم وھو من تاج
الدین السید محمد وھو من ابیه قطب الدین
السید محمد وھو من ابیه رضی الدین السید
عبداللہ وھو من ابیه نجم الدین السید
احمد وھو من قطب الدین السید علی وھو
من تاج العارفین سلطان العاشقین امام
المسلمین رئیس الملة والدین السید احمد
الکبیر الرفاعی وھو من خاله السید منصور
بن ابی بکر الرفاعی وھو من خاله ابی منصور
بن الطیب وھو من ابی سعید النجاری وھو
من الشیخ ابی علی الفارمدی وھو من الشیخ

تیسرا خرقہ جسکو فقیر شاہ ابوالحسن نے اپنی والدہ
کے چچازاد بھائی سید نور اللہ سے پہنا ہے، وہ
اپنے والد سید علی محمد سے، وہ سید محمد سے، وہ اپنے
والد سید جلال ماہ عالم سے، وہ اپنے والد
سید حسن سے، وہ اپنے والد سید عبدالغفور
سے، وہ اپنے والد سید احمد سے، وہ اپنے والد
سید راجو سے، وہ اپنے والد سید محمد ابن عبداللہ
الملقب بہ شاہ عالم سے وہ اپنے والد سید
برہان الدین ابو محمد عبداللہ المشہور بہ
قطب عالم سے، وہ شیخ ابوالفتوح احمد
ابن عبداللہ شیرازی سے وہ نجم
الدین سید عبدالرحیم سے، وہ اپنے والد
محی الدین سید ابراہیم سے، وہ تاج الدین
سید محمد سے، وہ اپنے والد قطب الدین
سید محمد سے، وہ اپنے والد رضی الدین سید
عبداللہ سے وہ اپنے والد نجم الدین
سید احمد سے وہ قطب الدین سید علی سے
وہ تاج العارفین سلطان العاشقین امام
المسلمین رئیس الملۃ والدین سید احمد کبیر
رفاعی سے آپ اپنے ماموں سید منصور
ابن ابوبکر رفاعی سے وہ اپنے ماموں ابومنصور
ابن طیب سے وہ ابوسعید نجاری سے
وہ شیخ ابوعلی فارمدی سے، وہ شیخ

ابی علی القرندی وهما من الشیخ ابی
القاسم الگرگانی وهو من ابیه ابی
عثمان المغربی وهو من ابی عمر محمد
بن ابراهیم النیسابوری وهو من
سید الطائفه ابی القاسم الجنید
البغدادی وهو من خاله السری السقطی
وهو من معروف الکرخی وهو من الامام علی
موسی الرضا وهو من ابیه الامام موسی
الکاظم وهو من ابیه الامام جعفر الصادق
وهو من ابیه الامام محمد باقر وهو من
الامام علی زین العابدین وهو من ابیه
اشرف الشهداء ومحبوب خیر الانبیاء
الامام ابی عبد الله الحسین وهو من ابیه
اسد الله الغالب امیر المؤمنین علی
بن ابی طالب کرم الله وجهه وهو من خاتم
النبیین رسول رب العالمین شفیع
المذنبین محمد ن الامین صلی الله علیه
وعلی آله واصحابه وسلم وهو من امر
ذی النور المبین بواسطة الروح الامین ۔

ابو علی قرندی سے وہ دونوں شیخ ابو
القاسم گرگانی سے وہ اپنے والد ابو
عثمان مغربی سے وہ ابو عمر محمد
ابن ابراہیم نیشاپوری سے وہ سید الطائفہ
ابو القاسم جنید بغدادی سے وہ اپنے
ماموں سری سقطی، وہ معروف
کرخی سے وہ امام علی موسیٰ رضا سے، وہ
اپنے والد امام موسیٰ کاظم سے وہ
اپنے والد امام جعفر صادق سے وہ
امام محمد باقر سے وہ امام علی زین
العابدین سے وہ اپنے والد اشرف
شہدا و محبوب خیر الانبیاء امام
ابو عبد اللہ حسین سے آپ اپنے
والد اسد اللہ الغالب امیر المؤمنین
علی ابن طالب کرم اللہ وجہہ
سے آپ خاتم النبیین رسول رب
العالمین شفیع المذنبین محمد امین
صلے اللہ علیہ وعلے آلہ و اصحابہ
وسلم سے اور آپؐ نے نور مبین کے حکم سے بواسطہ روح امین
خرقہ پہنا ہے۔

الرابعة لبسها الفقير شاه ابو الحسن من ابن
عم امه السيد نور الله وهو من ابيه السيد على
محمد وهو من السيد محمد وهو من ابيه السيد جلال
ماه عالم وهو من ابيه السيد حسن وهو من السيد
عبد الغفور وهو من ابيه السيد احمد وهو من ابيه
السيد راجو وهو من ابيه السيد محمد بن عبد الله
الملقب بشاه عالم من عند الله وهو من ابيه السيد
برهان الدين ابى محمد عبد الله المشهور بقطب العالم
وهو من الشيخ احمد بن عبد الله الشيرازى وهو
من الشيخ العجلوتى وهو من الشيخ شمس الدين
النجارى وهو من قطب الدين السيد على وهو من
تاج العارفين سلطان العاشقين امام المسلمين
رئيس الملة والدين السيد احمد الكبير الرفاعى وهو
من الشيخ على القارى الواسطى وهو من ابى الفضل
بن كاخ وهو من ابى غلام بن تركان وهو من ابى
على البازيادى وهو من على العجمى وهو من ابى
بكر الشبلى وهو من سيد الطائفة ابى القاسم
الجنيد البغدادى وهو من خاله السرى السقطى
وهو من معروف الكرخى وهو من داؤد الطائى
وهو من حبيب العجمى وهو من الحسن البصرى وهو
من اسد الله الغالب امير المؤمنين على بن ابى طالب
كرم الله وجهه وهو من خاتم النبيين رسول رب العالمين
شفيع المذنبين محمد ن الامين صلى الله عليه وعلى آله واصحابه
وسلم وهو من امر ذى النور المبين بواسطة الروح الامين

چوتھا خرقہ جسکو فقیر شاہ ابو الحسن نے اپنی والدہ کے
چچا زاد بھائی سید نور اللہ سے پہنا ہے، وہ اپنے والد سید علی
محمد سے وہ سید محمد سے، وہ اپنے والد سید جلال ماہ عالم
سے وہ اپنے والد سید حسن سے، وہ سید عبد الغفور
سے، وہ اپنے والد سید احمد سے، وہ اپنے والد سید
راجو سے وہ اپنے والد سید محمد ابن عبد اللہ
الملقب بہ شاہ عالم سے، وہ اپنے والد سید برہان
الدین ابو محمد عبد اللہ المشہور بقطب عالم سے
وہ شیخ احمد ابن عبد اللہ شیرازی سے، وہ
شیخ عجلوتی سے وہ شیخ شمس الدین بخاری
وہ قطب الدین سید علی سے، وہ تاج العارفین
سلطان العاشقین امام المسلمین رئیس الملۃ والدین
سید احمد کبیر رفاعی سے آپ شیخ علی قاری
واسطی سے وہ ابو الفضل ابن کاخ سے
وہ ابو غلام ابن ترکان سے، وہ ابو علی بازبادی
سے وہ علی عجمی سے وہ ابو بکر شبلی سے، وہ
سید الطائفہ ابو القاسم جنید بغدادی سے
وہ اپنے ماموں سری سقطی سے وہ معروف کرخی سے
وہ داؤد طائی سے وہ حبیب عجمی سے وہ
حسن بصری سے وہ اسد اللہ الغالب امیر المومنین
علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے آپ خاتم النبیین
رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد امین
صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم سے اور آپ نے نور
مبین کے حکم سے بواسطۂ روح امین خرقہ پہنا ہے۔

الخامسة

لبسها الفقير شاه ابوالحسن من
ابن عم امه السيد نورالله وهو من ابيه
السيد علي محمد وهو من السيد محمد وهو
من ابيه السيد جلال ماه عالم وهو من
السيد شير محمد بن احمد وهو من جده
السيد عرب شاه وهو من ابيه السيد محمد زاهد
وهو من اخيه السيد محمد بن عبد الله
الملقب بشاه عالم من عند الله وهو من ابيه
السيد برهان الدين ابي محمد عبد الله المشهور
بقطب العالم وهو من الشيخ ابي الفتوح احمد
بن عبد الله الشيرازي وهو من الشيخ شرف الدين
الحسين المشهد وهو من السيد جلال الدين
ابي عبد الله الحسين الحسيني البخاري مخدوم
جهانيان وهو من الشيخ عبد الله المطري
وهو من ابيه ابي عبد الله محمد المطري وهو
من الخطيب الشيخ عزالدين ابي العباس احمد
الفاروقي وهو من ابيه محي الدين ابن الفتح
ابراهيم الواسطي الفاروقي وهو من ابيه ابي
حفص عمر الفاروقي الواسطي وهو من
تاج العارفين سلطان العاشقين امام المسلمين
رئيس الملة والدين السيد احمد الكبير
الرفاعي وهو من الشيخ علي القاري الواسطي
وهو من ابي الفضل بن كاخ وهو من ابي غلام

پانچواں خرقہ

جسکو فقیر شاہ ابوالحسن نے اپنی والدہ کے چچا
زاد بھائی سید نوراللہ سے پہنا ہے، وہ اپنے والد سید علی
محمد سے، وہ سید محمد سے وہ اپنے والد سید جلال ماہ عالم
سے وہ سید شیر محمد ابن احمد سے
وہ اپنے دادا سید عرب شاہ سے وہ اپنے
والد سید محمد زاہد سے، وہ اپنے بھائی
سید محمد ابن عبداللہ الملقب بہ شاہِ عالم
سے وہ اپنے والد سید برہان الدین ابو محمد
عبداللہ المشہور بقطب عالم سے وہ شیخ
ابوالفتوح احمد ابن عبداللہ شیرازی
سے وہ شیخ شرف الدین حسین مشہد سے
وہ سید جلال الدین ابو عبداللہ حسین حسینی
بخاری مخدوم جہانیان سے وہ
شیخ عبداللہ مطری سے وہ اپنے
والد ابو عبداللہ محمد مطری سے، وہ
خطیب شیخ عزالدین ابو العباس احمد فاروقی
سے وہ اپنے والد محی الدین ابوالفتح ابراہیم
واسطی الفاروقی سے وہ اپنے والد ابو حفص عمر
الفاروقی واسطی سے وہ تاج العارفین
سلطان العاشقین امام المسلمین رئیس الملۃ
والدین سید احمد کبیر رفاعی سے وہ شیخ
علی قاری واسطی سے وہ ابوالفضل
ابن کاخ سے وہ ابو غلام ابن ترکان

بن ترکان وھو من ابی علی البازبادی و
ھو من علی العجمی وھو من ابی بکر الشبلی
وھو من سید الطائفۃ ابی قاسم الجنید
البغدادی وھو من خالہ السری السقطی وھو
من معروف الکرخی وھو من الامام علی
موسیٰ الرضا وھو من ابیہ الامام موسیٰ
الکاظم وھو من ابیہ الامام جعفر الصادق
وھو من ابیہ الامام محمد الباقر وھو من ابیہ
الامام علی زین العابدین وھو من ابیہ اشرف
الشھداء ومحبوب خیر الانبیاء الامام ابی
عبداللہ الحسین وھو من ابیہ اسد اللہ الغالب
امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ
وھو من خاتم النبیین رسول رب العالمین
شفیع المذنبین محمد ن الامین صلی اللہ علیہ
وعلی آلہ واصحابہ وسلم وھو من امر
ذی النور المبین بواسطۃ الروح الامین۔

سے وہ ابو علی بازبادی سے وہ
علی عجمی سے وہ ابوبکر شبلی سے
وہ سید الطائفہ ابو القاسم جنید
بغدادی سے وہ اپنے ماموں سری سقطی
سے وہ معروف کرخی سے وہ امام علی
موسیٰ رضا سے وہ اپنے والد موسیٰ
کاظم سے وہ اپنے والد جعفر صادق
سے وہ اپنے والد امام محمد باقر سے
وہ اپنے والد امام علی زین العابدین سے
وہ اپنے والد اشرف شہداء محبوب خیر
الانبیاء امام ابو عبداللہ حسین سے آپ
اپنے والد اسد اللہ الغالب امیر المومنین علی ابن
ابی طالب کرم اللہ وجہہ آپ خاتم النبیین
رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد امین صلی اللہ
علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم سے اور آپ نے
نور مبین کے حکم سے بواسطہ روح امین خرقہ پہنا ہے۔

السادسة لبسها الفقیر شاہ ابوالحسن
من ابن عم امہ السید نور اللہ وھو
من ابیہ السید علی محمد وھو من السید
محمد وھو من ابیہ السید جلال ماہ عالم
وھو من السید شیر محمد بن احمد وھو من
جدہ السید عرب شاہ وھو من ابیہ السید
محمد زاھد وھو من اخیہ السید محمد بن عبد اللہ
الملقب بشاہ عالم من عند اللہ وھو من ابیہ
السید برھان الدین ابی محمد عبد اللہ المشھور
بقطب العالم وھو من الشیخ ابی الفتوح
احمد بن عبد اللہ الشیرازی وھو من الشیخ
ابی بکر الخوافی وھو من الشیخ عبد الرحمٰن
القرشی وھو من الشیخ ظھیر الدین عیسی
البدری وھو من الشیخ عبد السلام
الاقلبی وھو من الشیخ محی الدین ابی الفتح
ابراھیم الواسطی الفاروقی وھو من ابیہ
ابی حفص عمر الواسطی الفاروقی وھو من
تاج العارفین سلطان العاشقین امام المسلمین
رئیس الملۃ والدین السید احمد الکبیر
الرفاعی وھو من خالہ السید منصور بن
ابی بکر الرفاعی وھو من خالہ منصور بن
الطیب وھو من ابی سعید النجاری

چھٹا خرقہ جسکو فقیر شاہ ابوالحسن نے
اپنی والدہ کے چچا زاد بھائی سید نور اللہ سے
پہنا ہے وہ اپنے والد سید علی محمد سے، وہ
سید محمد سے وہ اپنے والد سید جلال ماہ عالم
سے، وہ سید شیر محمد ابن احمد سے، وہ اپنے
دادا سید عرب شاہ سے، وہ اپنے والد سید
محمد زاھد سے وہ اپنے بھائی سید محمد
ابن عبد اللہ الملقب بہ شاہ عالم سے، وہ اپنے والد سید
برہان الدین ابو محمد عبد اللہ المشہور بقطب
عالم سے، وہ شیخ ابوالفتوح احمد ابن
عبد اللہ شیرازی سے وہ شیخ ابوبکر خوافی سے
وہ شیخ عبد الرحمٰن قریشی سے، وہ
شیخ ظہیر الدین عیسیٰ ابیدری سے
وہ شیخ عبد السلام اقلبی سے، وہ شیخ
محی الدین ابوالفتح ابراھیم واسطی
فاروقی سے، وہ اپنے والد ابو حفص
عمر واسطی فاروقی سے، وہ تاج العارفین
سلطان العاشقین امام المسلمین رئیس
الملت والدین سید احمد کبیر رفاعی
سے آپ اپنے ماموں سید منصور ابن
ابوبکر رفاعی سے، وہ اپنے ماموں منصور
ابن طیب سے، وہ ابو سعید بخاری

وهو من الشیخ ابی علی فارمدی وهو من الشیخ ابی علی القرندی وهما من السدوسی الکبیر وهو من رویم بن احمد وهو من سید الطائفة ابی القاسم الجنید البغدادی وهو من خاله السری السقطی وهو من معروف الکرخی وهو من داؤد الطائی وهو من حبیب العجمی وهو من حسن البصری وهو من اسد الله الغالب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم الله وجههٗ وهو من خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد ن الامین صلی الله علیه وعلیٰ اٰله واصحابه وسلم وهو من امر ذی النورین بواسطة الروح الامین۔

سے وہ شیخ ابو علی فارمدی سے، وہ شیخ ابو علی قرندی سے وہ دونوں سدوسی کبیر سے وہ رویم ابن احمد سے، وہ سید الطائفہ ابو القاسم جنید بغدادی سے، وہ اپنے ماموں سری سقطی سے، وہ معروف کرخی سے، وہ داؤد طائی سے وہ حبیب عجمی سے وہ حسن بصری سے، وہ اسد اللہ الغالب امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے آپ خاتم النبیین، رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد امین صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم سے اور آپؐ نے نور مبین کے حکم سے بواسطۂ روح الامین خرقہ پہنا ہے۔

السّابعة لبسها الفقیر شاه ابوالحسن من ابن عم امه السید نوراللہ وھو من ابیہ السید علی محمد وھو من السید محمد وھو من ابیه السید جلال ماه عالم وھو من السید شیر محمد بن احمد وھو من جده السید عرب شاه وھو من ابیه السید محمد زاھد وھو من اخیه السید محمد بن عبداللہ الملقب بشاه عالم من عبداللہ وھو من ابیه السید برهان الدین ابی محمد عبداللہ المشهور بقطب العالم وھو من الشیخ ابی الفتوح احمد بن عبداللہ الشیرازی وھو من القاضی الشیخ شمس الدین محمد الجزری وھو من الشیخ زین الدین ابی جعفر وھو من الخطیب الشیخ عزالدین ابی العباس احمد الفاروثی وھو من ابیه الشیخ محی الدین ابی الفتح ابراھیم الواسطی وھو من ابیه ابی حفص عمر الواسطی الفاروثی وھو من تاج العارفین سلطان العاشقین امام المسلمین رئیس الملة والدین السید احمد الکبیر الرفاعی وھو من خاله منصور بن الطیب وھو من ابی سعید النجاری[1]

ساتواں خرقہ جسکو فقیر شاہ ابوالحسن نے اپنی والدہ کے چچازاد بھائی سید نوراللہ سے پہنا ہے، وہ اپنے والد سید علی محمد سے، وہ سید محمد سے، وہ اپنے والد سید جلال ماہ عالم سے، وہ سید شیر محمد ابن احمد سے، وہ اپنے دادا سید عرب شاہ سے، وہ اپنے والد سید محمد زاھد سے، وہ اپنے بھائی سید محمد ابن عبداللہ الملقب بہ شاہ عالم سے، وہ اپنے والد سید برہان الدین ابومحمد عبداللہ المشہور بہ قطب عالم سے، وہ شیخ ابوالفتوح احمد ابن عبداللہ شیرازی سے وہ قاضی شیخ شمس الدین محمد جزری سے وہ شیخ زین الدین ابوجعفر سے، وہ خطیب شیخ عزالدین ابوالعباس احمد فاروثی سے، وہ اپنے والد شیخ محی الدین ابوالفتح ابراھیم واسطی سے، وہ اپنے والد ابوحفص عمر الواسطی فاروثی سے وہ تاج العارفین سلطان العاشقین امام المسلمین رئیس الملت والدین سید احمد کبیر رفاعی سے آپ اپنے ماموں منصور ابن طیب سے وہ ابوسعید نجاری

[1] ن النجار

وھو من الشیخ ابی علی القرندی
وھو من الشیخ ابی القاسم الگرگانی
وھو من ابی علی المغربی وھو من ابی
عمر محمد بن ابراھیم النیسابوری
وھو من سید الطائفۃ ابی القاسم الجنید
البغدادی وھو من خالہ السری السقطی وھو من معروف
الکرخی، وھو من الامام علی موسیٰ
الرضا وھو من ابیہ الامام موسیٰ
الکاظم وھو من ابیہ الامام جعفر
الصادق وھو من ابیہ الامام محمد الباقر
وھو من ابیہ الامام علی زین العابدین
وھو من ابیہ اشرف الشھداء ومحبوب
خیر الانبیاء الامام ابی عبد اللہ الحسین
وھو من ابیہ اسد اللہ الغالب امیر
المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ
وھو من خاتم النبیین رسول رب العالمین
شفیع المذنبین محمد ن الامین صلی
اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم وھو
من امر ذی النور المبین بواسطۃ روح
الامین۔

سے وہ شیخ ابو علی قرندی سے
وہ شیخ ابو القاسم گرگانی سے
وہ ابو علی مغربی سے وہ ابو عمر
محمد بن ابراھیم نیشاپوری سے
وہ سید الطائفہ ابو القاسم جنید
بغدادی سے وہ اپنے ماموں سری سقطی سے وہ معروف
کرخی سے وہ امام علی موسیٰ رضا
سے وہ اپنے والد امام موسیٰ کاظم
سے وہ اپنے والد امام جعفر
صادق سے وہ امام محمد باقر سے
وہ اپنے والد امام علی زین العابدین
سے وہ اپنے والد اشرف شھداء و محبوب
خیر الانبیاء امام ابو عبد اللہ حسین
سے آپ اپنے والد اسد اللہ الغالب
امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ
سے آپ خاتم النبیین رسول رب العالمین
شفیع المذنبین محمد امین صلے اللہ
علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ وسلم سے اور
آپؐ نے نور مبین کے حکم سے بواسطہ روح
امین خرقہ پہنا ہے۔

الثامنة لبسها الفقير شاه ابوالحسن
من ابن عم امه السيد نور الله وهو
من ابيه السيد علي محمد وهو
من السيد محمد وهو من ابيه
السيد جلال ماه عالم وهو من السيد
شير محمد بن احمد وهو من
جده السيد عرب شاه وهو من ابيه
السيد محمد زاهد وهو من اخيه
السيد محمد بن عبد الله الملقب بشاه
عالم من عند الله وهو من ابيه السيد
برهان الدين ابي محمد عبد الله المشهور
بقطب العالم وهو من الشيخ ابي الفتوح
احمد بن عبد الله الشيرازي وهو
من السيد نجم الدين عبد الرحيم اللخمي
وهو من ابيه السيد محي الدين ابراهيم
وهو من ابيه السيد تاج الدين محمد
وهو من ابيه السيد قطب الدين محمد
وهو من ابيه السيد رضي الدين عبد الله
وهو من ابيه السيد نجم الدين احمد وهو
من السيد قطب الدين علي وهو من تاج
العارفين سلطان العاشقين امام المسلمين
رئيس الملة والدين السيد احمد الكبير

آٹھواں خرقہ جسکو فقیر شاہ ابوالحسن نے
اپنی والدہ کے چچا زاد بھائی سید نور اللہ سے پہنا
ہے وہ اپنے والد سید علی محمد سے وہ سید
محمد سے، وہ اپنے والد سید
جلال ماہ عالم سے وہ سید شیر محمد
ابن احمد سے وہ اپنے دادا سید
عرب شاہ سے وہ اپنے والد سید
محمد زاہد سے، وہ اپنے بھائی
سید محمد ابن عبد اللہ الملقب بہ شاہ
عالم سے، وہ اپنے والد سید برہان الدین
ابو محمد عبد اللہ المشہور بہ قطب
عالم سے، وہ شیخ ابو الفتوح احمد
ابن عبد اللہ شیرازی سے، وہ
سید نجم الدین عبد الرحیم لخمی سے
وہ اپنے والد سید محی الدین ابراہیم
سے، وہ اپنے والد سید تاج الدین محمد
سے، وہ اپنے والد سید قطب الدین
محمد سے، وہ اپنے والد سید رضی الدین
عبد اللہ سے وہ اپنے والد سید نجم الدین احمد
سے، وہ سید قطب الدین علی سے،
وہ تاج العارفین سلطان العاشقین امام
المسلمین رئیس الملت والدین سید احمد کبیر

الرفاعی وھومن خالہ السید منصور
بن ابی بکر الرفاعی وھومن خالہ منصور
بن الطیب وھومن ابی سعید النجار
وھومن الشیخ ابی علی الفارمدی وھومن الشیخ
ابی القاسم الکرگانی وھومن ابی عثمان المغربی
وھومن ابی عمر محمد بن ابراھیم
النیسابوری وھومن سید الطائفہ ابی القاسم
الجنید البغدادی وھومن خالہ السری
السقطی وھومن معروف الکرخی وھومن
داؤد الطائی وھومن حبیب العجمی وھو
من حسن البصری وھومن اسد اللہ الغالب
امیرالمومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ
وجھہٗ وھومن خاتم النبیین رسول
رب العالمین شفیع المذنبین محمدن الامین
صلے اللہ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وسلم
وھومن امرذی النورالمبین بواسطۃ
الروح الامین۔

رفاعی سے آپ اپنے ماموں سید منصور
ابن ابوبکر رفاعی سے وہ اپنے ماموں منصور
ابن طیب سے وہ ابوسعید نجار سے
وہ شیخ ابوعلی فارمدی سے، وہ
ابوالقاسم گرگانی سے وہ ابوعثمان
مغربی سے وہ ابوعمر محمد ابن
ابراھیم نیشاپوری سے وہ سید الطائفہ ابو
القاسم جنید بغدادی سے وہ اپنے
ماموں سری سقطی سے وہ معروف
کرخی سے وہ داؤد طائی سے وہ حبیب
عجمی سے وہ حسن بصری سے وہ اسد اللہ
الغالب امیرالمؤمنین علی ابن ابی طالب کرم
اللہ وجہہٗ سے آپ خاتم النبیین رسول
رب العالمین شفیع المذنبین محمد
امین صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ وسلم
سے اور آپؐ نے نورمبین کے حکم سے بواسطہ
روح امین خرقہ پہنا ہے۔

التاسعہ لبسھا الفقیر شاہ ابوالحسن
من السید محمد المشہور بشاہ
حضرت الحسینی وھو من الشیخ عبدالصمد وھو من السید
اسمٰعیل ابن السید ارشد بن السید برہ وھو من السید
ارشد حافظ من شاہ چمن وھو من السید میران بن السید نجم
الدین وھو من السید سراج الدین بن السید بحرالدین
وھو من السید سعید المشہور بحاجی سیّاح وھو من الشیخ
ابراہیم وھو من السید یوسف الدین وھو من السید شمس الدین
وھو من السید نجم الدین وھو من السید تاج الدین وھو من
السید شمس الدین وھو من السید نجم الدین وھو من السید
قطب الدین وھو من السید محی الدین وھو من مھذب الدین وھو
من السید سیف الدین وھو من تاج العارفین سلطان العاشقین
امام المسلمین رئیس الملۃ والدین السید احمد الکبیر الرفاعی
وھو من الشیخ علی القاری الواسطی وھو من ابی الفضل بن کاخ
وھو من ابی غلام بن ترکان وھو من ابی علی البازیادی و
وھو من علی العجمی وھو من ابی بکر الشبلی وھو من سید الطائفہ
ابی القاسم الجنید البغدادی وھو من خالہ السری السقطی
وھو من معروف الکرخی وھو من داؤد الطائی وھو من حبیب
العجمی وھو من الحسن البصری وھو من اسد اللہ الغالب
امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ وھو
من خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین
محمد ن الامین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ
وسلم وھو من امر ذی النور المبین بواسطۃ الروح الامین

نواں خرقہ جسکو فقیر شاہ ابوالحسن نے سید محمد المشہور
بہ شاہ حضرت حسینی سے پہنا ہے۔ وہ شیخ
عبدالصمد سے وہ سید اسمٰعیل ابن سید ارشد
ابن سید برہ سے، وہ سید ارشد حافظ ابن
شاہ چمن سے، وہ سید میراں ابن سید نجم الدین
سے، وہ سید سراج الدین ابن سید بحرالدین سے
وہ سید سعید المشہور بہ حاجی سیاح سے، وہ
شیخ ابراہیم سے، وہ سید یوسف الدین سے، وہ
سید شمس الدین سے، وہ سید نجم الدین سے، وہ سید
تاج الدین سے وہ سید شمس الدین سے وہ سید نجم الدین سے
وہ سید قطب الدین سے، وہ سید محی الدین سے، وہ مہذب الدین
سے، وہ سید سیف الدین سے، وہ تاج العارفین سلطان العاشقین
امام المسلمین رئیس الملۃ والدین سید احمد کبیر رفاعی سے وہ
شیخ علی قاری واسطی سے، وہ ابوالفضل بن کاخ سے
وہ ابو غلام ابن ترکان سے وہ ابو علی بازیادی سے، وہ
علی عجمی سے، وہ ابوبکر شبلی سے، وہ سید الطائفہ
ابوالقاسم جنید بغدادی سے، وہ اپنے ماموں سری سقطی
سے وہ معروف کرخی سے وہ داؤد طائی سے، وہ حبیب
عجمی سے، حسن بصری سے وہ اسد اللہ الغالب
امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ سے آپ
خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین
محمد امین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم
سے اور آپ نے نور مبین کے حکم سے بواسطۂ روح امین خرقہ پہنا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام بحضورِ غوث الانام رضی اللہ عنہ

پیشکش:-
محمد فاروق اعظم
یادگیری
جماعت چہارم
دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

اولیاء کے امام تم پہ سلام — اتقیاء میں ہمام تم پہ سلام
صاحب الاحتشام تم پہ سلام — واجب الاحترام تم پہ سلام
اعظمِ کُل عظام تم پہ سلام — اکرمِ کل کرام تم پہ سلام
منبعِ فیضِ تام تم پہ سلام — مرجعِ خاص و عام تم پہ سلام
روز و شب صبح و شام تم پہ سلام — دم بدم اور مدام تم پہ سلام
نورِ چشمِ علیؓ و حسینؓ و حسنؓ — جانِ خیر الانامؐ تم پہ سلام
دستگیرِ زماں غوثِ اعظم لقب — عبدِ قادر ہے نام تم پہ سلام
صاحبِ خرقِ عادات محبوبِ حق — شاہِ عالی مقام تم پہ سلام
قالِ صادق تریں حالِ کامل تریں — شکلِ ماہِ تمام تم پہ سلام
برتری آپ کو اولیاء پہ ملی — اس میں کیا ہے کلام تم پہ سلام
آپ کے خوشہ چیں آپکے مقتدی — صوفیائے عظام تم پہ سلام
آپ کے فیض سے بن گئے ہیں بہت — اولیائے کرام تم پہ سلام
رہبرِ رہبراں مرشدِ مرشداں — پیرِ پیراں تمام تم پہ سلام
سلسلہ میں حضور آپکے بالیقیں — ہم ہیں شامل تمام تم پہ سلام
آپ آقا ہیں مولا ہیں سرکار ہیں — اور ہم ہیں غلام تم پہ سلام
جمع ہیں جو غلام آپکے اس جگہ — ہے یہ ان کا پیام تم پہ سلام
عرض کرتے ہیں ہم دم بدم دمبدم — غوث تم پہ سلام تم پہ سلام
لیجئے کچھ ہماری خبر لیجئے — ہم ہیں عاصی تمام تم پہ سلام
دیجئے ہم کو بہرِ خدا دیجئے — ایک عرفاں کا جام تم پہ سلام

بندۂ بندگان حیرت القادری
بھیجتا ہے مدام تم پہ سلام

ترجمۂ مکتوب

زیر نظر مکتوب قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین الحاج الحافظ

سید شاہ عبد اللطیف قادری المعروف سید شاہ محی الدین نقوی
المشہور بہ حضرت قطب ویلورؒ قدس سرہ العزیز

نے بتاریخ ۷ رذی قعدہ ۱۲۶۲ھ کو جناب حاجی مرتضیٰ خان بہادر کو تحریر فرمایا تھا جس میں حضرت نے انہیں شریعت کی ترویج اور ارباب حاجت کی حاجت روائی کرنے اور عدل و انصاف پر قائم رہنے اور عقائد اہلسنت والجماعت پر اعتقاد رکھنے کی تاکید فرمائی ہے ۔

مترجم: افضل العلماء مولوی سید مصطفیٰ قادری صاحب
عرف خسرو پاشا ناہسوری
(فاضل لطیفیہ)
مدرس دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

سلام مسنون کے بعد واضح ہو کہ، مکرمی سید شاہ محمد قادری نے بتایا کہ فقیر کی سفارش مقبول ہوئی اور عمدہ و بہترین کوششوں کی وجہ سے مسجد بھی آباد ہو گئی ۔ خدائے تعالیٰ ہماری جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ جو دور افتادہ فقیروں کی طرف التفات کرتے ہیں اور غیب و حضور میں ان کی باتوں کا پاس و لحاظ رکھتے ہیں، اس سے امید ہے کہ یہ حق جل مجدہٗ کی التفات کا باعث اور اس کی خوشنودی کا سبب ہوگا۔ اللہ قریب مجیب (بیشک اللہ تعالیٰ قریب اور جواب دینے والا ہے)۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ آپ شریعت کی ترویج و اشاعت اور حاجتمندوں کی حاجت روائی کرتے تھے۔ یہ حال تو اس زمانہ کا ہے۔ اب تو ایسا دور ہے کہ جس میں اسلام انتہائی ضعف و شکستگی کے عالم میں ہے، اور یہ ایسا زمانہ ہے کہ اس میں تھوڑا سا عمل بھی ثواب کثیر کے سبب سے عالم غیب میں قابل قدر اور درجۂ قبولیت کو پہنچ جاتا ہے۔ ہمارے اس زمانہ میں اگر کوئی صاحب علم خلوص نیت سے امراء کی صحبت اختیار کرتے ہوئے شریعت کی ترویج اور لوگوں کی حاجت روائی کا کام انجام دے تو اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں ہو سکتی ع این کار دولت است کنوں تا کرا رسد ۔

سفر ناگوار سے واپسی کے بعد نواب عظیم جاہ بہادر کو مختار النساء سے دختر تولد ہوئی۔ انہی ایام میں بہو بیگم صاحبہ نے مریم بی کو دعائے اولاد صالح کی استدعا کے ساتھ میرے پاس روانہ کی تھیں تو میں نے اسم مصور کے اسی نقوش اور صفوف کی تیرہ پڑیاں جو بانجھ پن اور تقویت رحم و جنین کے لئے مجرب ہے، روانہ کیا جسکے پچپن دن بعد مریم بی کے معرفت سے نواب صاحب کے حمل کی بشارت دی گئی۔ منجملہ اور باتوں کے فقیر نواب صاحب کو اپنی دعا اور دوا کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ تاہم غیب کی باتوں کا

ظہور انسان کو ترقیات ظاہری و باطنی کے لئے دعا سے بے پروا نہیں کرتا ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم ۔

سعادت آثار دنیا کی فلاح اور لوگوں کا نقصان امیروں کے ساتھ مربوط ہے۔ ان کی خوبی و خرابی کا اثر دوسروں کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو آغاز شباب میں باوجود دولت و کامرانی کے حق کی جانب مائل ہیں۔ دولت مندی صحیح معنی میں دولت کے عطا کرنے والے کی اطاعت میں ہے اور دولتمند رعایا کی دولت ہے۔

الموت حق والبعث حق والحساب حق وعلم اللہ بسر و علانیۃ حق والجنۃ حق والنار حق۔

یہ اہل سنت والجماعت کے عقائد میں سے ہیں، اچھی طرح نواب صاحب کے ذہن نشین کرا دیں۔ اور ایک رسالہ میں نے اثبات توحید و نبوت انبیاء اور آخرت پر لکھا ہے جو روانہ کیا جا چکا ہے اگر پسند آئے تو مطالعہ میں رکھو۔ مناسب سمجھو تو نواب صاحب کے گوشگذار کر دو کہ تفسیر قرآن مجید، اور احادیث کی شرحیں اور آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سیر صحابہ خصوصاً خلفائے راشدین کی سیرت اپنی مطالعہ میں رکھیں اور روضۃ الاحباب جو جمال الدین مدک کی تصنیف ہے، اور حجۃ الاسلام امام غزالی کی تصانیف و ملفوظات جدی غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی اور مکتوب شیخ شرف الدین یحیٰی منیری اور امام ربانی شیخ محدث دہلوی کی آداب الصالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ کی کتابوں کو اپنے مطالعہ میں رکھیں کیونکہ الاشیاء تعرف باضدادھا اشیائ کی پہچان اضداد سے ہوتی ہے۔ علم حق کے نور سے فسق جہالت کی تاریکی اور کفر کی قباحت ظاہر ہوتی ہے۔ اور خوف خدا سے دل معمور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء "علماء دین ہی اللہ تعالیٰ سے خوف کھاتے ہیں"۔ مزیدار غذائیں اور لباس فاخرہ، جاہ و حشمت اور ظاہری شان و شوکت، اغنیاء کی قربت کا لحاظ، اور نکتہ چینی کا خوف، یہ چند ایسی چیزیں ہیں جن سے آخرت خراب ہوتی ہے اور قبر و آخرۃ میں کام آنے والی نہیں ہیں۔ اور یہ تمام چیزیں مؤمن کی جان کے لئے قید خانہ ہیں، جو اسکو دلیر ہونے سے باز رکھتی ہیں ؎

اے سرا و باغ تو زندان تو
خان و مان تو بلائے جان تو

ترجمہ: "اے انسان تیرا باغ اور مکان تیرے لئے قید ہے اور مال و اسباب تیرے جان کیلئے مصیبت ہیں"۔ نجانا اللہ وایاکم عن حب الدنیا واہلہا بچائے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں دنیا و مافیہا کی محبت سے۔ آخر میں خدا سے دعا ہے کہ موت کے یاد کرنے اور آخرۃ کی پریشانیوں کو نظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں کو اپنی معرفت کے نور سے معمور کر دے۔ دنیا جسے ثبات نہیں ہے اور قبر میں ساتھ آنے والی ہے اسکی محبت سے بچائے اور ہمارے دلوں کو مضبوط بنائے ؎

تو مرا دل دہ دلیری ہیں
روبہ خویش خواں شیری ہیں

تم مجھے دل دو اور بہادری کا نظارہ کرو مجھے اپنی بلی کہدو اسکے بعد مجھ سے شیری دیکھو

الوقت سیف قاطع وقت کاٹنے والی تلوار ہے۔ اس پر قدرت کو غنیمت سمجھو زیادہ کیا لکھوں اللہ معکم اینما کنتم

جہاں بھی رہو اشغال کے ساتھ رہو۔ فقط والسلام

زمانۂ قدیم سے حکماء و فلاسفر روح کے عنکبوتی حصار میں گرفتار ہیں۔ روح کی حقیقت کے پیچ و خم کو شانہ کرنے میں اپنا سارا زور صرف کر رہے ہیں۔ انہیں اس بات کی تلاش و جستجو ہے کہ روح انسانی کیا ہے؟ اسکی ماہیت و حقیقت کیا ہے؟ مگر انہیں تحیر و تاسف کے راستہ کے کوئی اور راستہ نہ ملا۔ اور یہ تو ایک روشن حقیقت بھی ہے کہ جو لوگ آجتک مادّہ کی حقیقت ہی سے ناآشنا ہیں، جن کا وجود مادّہ کی تیرہ و تار گھاٹیوں میں بھٹک رہا ہو، تو روح جو کہ مادہ سے کہیں زیادہ لطیف و خفی ہے اسکی ماہیت و حقیقت تک پہنچنے کی کیسے امید کی جاسکتی ہے۔

قرآن میں جو "یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" آیا ہے۔ یہ سوال صحیحین کی روایت کی روشنی میں یہود مدینہ کی موشگافیاں ہیں جو حدود نبوت کی تعین کے لئے بارگاہ نبوت میں ظاہر ہوئیں۔ سیرت کی کتابوں کی چھان بین سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قریش مکہ نے یہود کے مشورے سے جس کے پیچھے شر و فساد کے جذبات پنہاں تھے سوال کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ تطبیق کی ایک شکل ہے کہ اس کا نزول مکرر مان لیا جائے ——

بہر کیف اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سائلین روح کو متنبہ کیا کہ جو چیزیں تمہارے لئے ضروری ہیں اس سے راہ فرار اختیار کرتے ہو اور غیر ضروری قسم کے سوالات کے ساتھ کشمکش کر کے ذلت و ندامت کو راہ دیتے ہو۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ وحی قرآنی کی روح سے باطنی زندگی کی تشنگی کو دُور کرتے۔ اس کے نور سے اندھی حیات کو بصیرت بخشتے۔ غلیظ اور میلے قلوب کو آیاتِ الٰہی کے مصفی آب سے صاف کرتے۔ قرآن کے آبدار موتیوں سے اُجاڑ دلوں کو آباد کرتے۔ مگر تم اپنا دامن ظلوم و جہول کی خباثتوں سے داغدار کرتے ہو۔ سچ ہے تمہیں دور دراز کی بحثوں سے فرصت کہاں؟ تم تو اپنے ذہن کے افق پر ہدایت کے چاند ٹانکنے کے بجائے مکاریوں کی دھول اُڑاتے ہو۔ تمہارے ذہن و فکر کی ساری توانائی تو اس بات کو ڈھونڈھتی ہے کہ رُوح کیا ہے؟ عرض یا جوہر؟ مادی ہے یا مجرد؟ مرکب ہے یا بسیط؟ حالانکہ اس قسم کے لغو اور بے جا مسائل سے زبانوں کو زخمی کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ نہ تو نجات کی دولت ملتی ہے اور نہ ہی یہ بحثیں انبیاء کے فرائض و تبلیغ کا کوئی حصہ ہیں۔

جو لوگ بھی مشرکین مکہ کے پتھریلے خیالات و احساسات اور یہود مدینہ کی فساد زا ابدہ گذرگاہوں سے واقف ہیں انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ جو قوم ٹھوس اور واضح عقائق کے لئے دل کا دروازہ بند رکھے وہ روح کی باریکیوں سے کیا واقف ہو سکیگی۔ ابن آدم کے لئے صرف اتنی بات کا شعور کافی ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آئی جس سے وہ حیات و حرکت پا گیا"

رُوح کے متعلق عہد قدیم سے جو تحقیق و جستجو کی مہم جاری ہے وہ ہمیشہ پیچ کھاتی رہی۔ آج تک اُسے اختتام کی منزل نہ مل سکی اور شاید کبھی بھی نہ مل سکے۔ رُوح کی اصلی کنہ و حقیقت کے شعور کا دعویٰ تو بہت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ کتنے محسوسات ایسے ہیں جن کی کنہ و حقیقت پر دبیز پردہ پڑا ہوا ہے۔ ہم مساعی کی تمام طاقتیں صرف کر چکے مگر ابھی تک رُوح کے متعلق کوئی حقیقت شناس نظریہ نہیں ملا۔ ہمیں روح کی بہ نسبت کوئی ایسا رشتہ نہیں ملا جو ہماری فکر کو حقیقت سے منسلک کر دے۔ تاہم قرآن کریم کے مطالعہ سے رُوح کے متعلق چند ایسے نظریات ضرور ملتے ہیں جن کی روشنی میں پریشان ذہن کو طمانیت و سکون میسر ہو جاتا ہے بشرطیکہ ذہن پر تعصب و عناد کا قبضہ نہ ہو۔

پہلا نظریہ: انسان میں اس مادی جسم کے علاوہ کسی اور چیز کا وجود ہے جسے روح کہتے ہیں۔ وہ "عالمِ امر" کی چیز ہے اور خدا کے حکم و ارادہ سے فائض ہوتی ہے "قل الروح من امر ربی" خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ"۔

دوسرا نظریہ: روح کی صفات "علم و آگہی، شعور و وجدان وغیرہ بتدریج کمال کی منزلوں کو طے کرتی ہیں۔ روح کے درمیان کمال کے حصول کے لحاظ سے بہت بڑا تفاوت ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی تربیت سے ایک روح ایسے بلند و بالا مقام پر فائض ہو جاتی ہے، جہاں تک دوسری روح کا گذر نہیں جیسے کہ روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پہنچی۔

تیسرا نظریہ: روح کے کمالات، یہ اسکی ذاتی پیداوار نہیں، بلکہ صاحب جلال و جبروت خدا کی عطا و نوازش ہے۔ بیکران و لازوال قوت والے معبود کا فیضانِ نظر ہے۔ اسی لئے یہ تمام کمالات محیط و محدود ہیں جیسا کہ قرآن خود کہتا ہے "وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا" جو تم کو علم و آگہی کی دولت ملی وہ تھوڑی ہے"۔

چوتھا نظریہ: روح چاہے کمالیت کے دست و بازو سے کتنی ہی توانائیاں کیوں نہ سمیٹ لے لیکن مشیت الٰہی کے تھپیڑے سہنے سے قاصر ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کو یہ قوت حاصل ہے کہ جس لمحہ جس آن چاہے اس کے سارے کمالات دم توڑ دیں، اگرچہ اس کے فضل و رحمت کے طفیل ایسا کرنے کی کبھی نوبت نہ آئے۔ جیسے ارشاد الٰہی ہے "لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ" اگر ہم چاہیں تو اس چیز کو لے جائیں جس کی وحی بھیجی۔

یہ چند اصول جو بیان کئے گئے اگر دانشور طبقہ ان پر غور کرے تو بآسانی روح کو سمجھ سکتا ہے۔ صرف ایک لفظ "امر" کا استعمال ہوا ہے اور اس کے معنی کی تعبیر میں علماء کے درمیان اختلاف بھی ہے لیکن اسوقت ہمارے پیش نظر سورۂ اعراف کی یہ آیت "اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ" ہے اور اسی کی طرف آپ کے ذہن و فکر کو موڑنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی لفظ امر کو خلق کے مقابل رکھا ہے اس سے ہم نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ خدا کے نزدیک ان دونوں کی حیثیت علیحدہ ہے جیسا کہ اس کی وضاحت آیات ماضیہ میں موجود ہے۔

پہلے فرمایا اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ (سورۂ اعراف رکوع ۷)۔ ترجمہ: بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان و زمین چھ دن میں پیدا کئے۔ اس آیت سے "خلق" ثابت ہوا۔ درمیان میں "استواء علی العرش" کا ذکر حکمرانی کے جاہ و حشم کا اظہار ہے۔ پھر فرماتا ہے "یُغْشِی اللَّیْلَ النَّھَارَ یَطْلُبُہٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِہٖ" (اعراف رکوع ۷) یعنی ان مخلوقات کو ایک معین و محکم نظام پر چلاتے رہنا جسے تدبیر و تصرف کہہ سکتے ہیں۔ یہ "امر" ہوا۔ اسی طرح کا مطلب سورۂ طلاق کی اس آیت سے بھی ہوتا ہے اللہ الذی خلق سبع سماوات ومن الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن (ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اور اتنی ہی زمین بھی بنائی۔ اس خدا کا حکم ان کے اندر اترتا ہے ——— گویا اس کائنات کی مثال ایک بڑے کارخانہ کی ہے۔ جس میں مختلف النوع مشینیں متحرک ہیں۔ کوئی کپڑا تیار کرتی ہے۔ کوئی کتاب چھاپتی ہے کوئی شہر میں روشنیوں کا رقص پیش کرتی ہے۔ کوئی پنکھوں کی حرکت سے ہواؤں کے جھونکے چلاتی ہے۔ وغیر ذالک ——— اور ہر ایک مشین میں بہت سے کل پرزے ہیں جو مشین کی غرض و غایت کا لحاظ کرکے ایک معین اندازے سے ڈھالے جاتے ہیں اور لگائے جاتے ہیں۔ پھر سب پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جاتا ہے۔ جب مشین مکمل ہو کر کھڑی ہو جاتی ہے تب الیکٹرک کے خزانے سے ہر مشین کو جدا جدا راستہ سے کرنٹ سپلائی کیا جاتا ہے۔ آن واحد میں ساکن و جامد مشینیں اپنی اپنی ساخت کے مطابق کام کرنے لگتی ہیں۔ بجلی ہر کل پرزہ کو اسکی مخصوص ساخت اور غرض کے مطابق حرکت دیتی ہے۔ حتیٰ کہ جو قلیل و کثیر کہربائیہ روشنی کے لیمپوں اور قمقموں میں پہنچتی ہے۔ وہاں پہنچکر انہیں قمقموں کی ہئیت اور رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ اس مثال سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا، اس کے اجزاء کو ٹھیک اندازہ پر رکھنا، پھر فٹ کرنا یہ سب ایک سلسلہ کے کام ہیں جس کی تکمیل کے بعد مشین کو چلانے کے لئے ایک دوسری چیز (بجلی یا اسٹیم) اس کے خزانے سے لانے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تمام مشینیں بنائیں جسکو "خلق" کہتے ہیں۔ ہر چھوٹا بڑا پرزہ ٹھیک اندازہ کے موافق تیار کیا جسے "تقدیر" کہتے ہیں قَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا ——— کل پرزوں کو جوڑ کر مشین تیار کیا جسکو تصویر کہتے ہیں "خلقناکم ثم صورناکم" یہ سب افعال خلق کے زمرہ میں ہیں۔ اب ضرورت تھی کہ مشین کو جس کام میں لگانا ہے لگا دیا جائے۔ بالآخر مشین کو چالو کرنے کے لئے "امرِ الٰہی" کا کرنٹ چھوڑ دیا گیا۔ شاید اس کا تعلق اسم باری سے ہے۔ "الخالق الباری المصور" (حشر رکوع ۳) اور حدیث پاک میں خلق الجنۃ و برء النسمۃ "سورۂ حدید میں من قبل ان نبرأھا (ای النفوس) یہی ابن عباس، قتادہ، حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ غرضیکہ ادھر سے حکم ہوا "چل" فوراً چلنے

لگی۔ اسی امرِ الٰہی کو اس انداز میں فرمایا اِنَّمَآ اَرَادَ شَیْئًا
اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (یٰسین رکوع ۵)۔ دوسری جگہ
اسکی بہ نسبت اس امرِ کُن کو اور زیادہ وضاحت سے خلقِ جسد
پر مرتب فرمایا ہے۔ "خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ
فَيَكُوْنَ" بلکہ آیاتِ الٰہی کی چھان بین سے ہم اس نتیجہ پر
پہنچے ہیں کہ قرآن میں جہاں کہیں بھی "کن فیکون" کا مضمون
آیا ہے عموماً خلق وابداع کے ذکر کے بعد ہی آیا ہے۔ اسی لئے
ہم خیال کرتے ہیں کہ کلمۂ کن کا خطاب، خلق کے بعد تدبیر و
تصریف کے لئے ہوتا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حاصلِ کلام: یہاں یہی ہے کہ امر کے معنی حکم کے ہیں
اور وہ حکم ہی ہے جسے لفظ کن سے تعبیر کیا گیا اور کن جنسِ کلام
سے ہے جو حق تعالیٰ کی صفتِ قدیمہ ہے۔ جس طرح ہم اسکی
تمام صفات مثلاً حیات سمع، بصر وغیرہ کو بلا کیف وکم تسلیم
کرتے ہیں، کلام اللہ اور کلمۃ اللہ کے متعلق بھی یہی مسلک رکھنا
چاہئے۔ قرآن میں روح کے ساتھ اکثر جگہ "امر" کا لفظ استعمال
ہوا۔ مثلاً قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ" وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ
اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا" يلقي الروح من امره
على من يشاء من عباده" ينزل الملائكة
بالروح من امره من يشاء من عباده" اور پہلے
یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ لفظ امر سے مراد کلمہ کُن ہے۔
لیکن وہ کلام انشائی جس سے مخلوقات کی تدبیر و تصریف
اُس طریقہ پر کی جائے جس پر غرض و ایجاد کی تکوین مرتب ہو۔
لہٰذا ثابت ہوا کہ روح کا مبدء حق تعالیٰ کی صفت کلام ہے

جو صفتِ علم کے ماتحت ہے۔ شاید اسی لئے نفخت فیہ
من روحی میں اسے اپنی طرف منسوب کیا۔ کلام اور امر کی
نسبت متکلم اور آمر سے صادر اور مصدور کی ہوتی ہے۔
خالق ومخلوق کی نہیں ـــ اسی لئے الا لہ الخلق والامر
میں امر کو بالمقابل رکھا ممکن ہے کہ یہ امر کُن باریتعالیٰ سے
صادر ہو کر جوہر مجردہ کے لباس میں یا ایک "ملک اکبر" اور
"روح اعظم" کی صورت میں ظاہر ہو۔ جیسا کہ اس نظریہ کا ذکر
بعض آثار میں ہوا ہے اور جسے ہم "کہربائیہ روحیہ" کا خزانہ
کہہ سکتے ہیں۔ گویا یہیں سے روح حیات کی لہر دنیا کی ذوی
الارواح پر بٹ جاتی ہے اور الارواح جنود مجندۃ" الخ
کے بیشمار تاروں کا کنکشن یہیں ہوتا ہے۔ اب کرنٹ کی دوڑ
جو چھوٹی اور بڑی مشینوں کی طرف ہوتی ہے وہ مشین سے
اسکی بناوٹ اور استعداد کے موافق کام لیتی اور اسکی
ساخت کے مناسب حرکت دیتی ہے۔ بلکہ جن لیمپوں اور
قمقموں میں یہ کرنٹ پہنچتا ہے ان کے مناسب رنگ وہیئت
اختیار کر لیتا ہے۔ رہی یہ بات کہ "کن" کا حکم جو قسم کلام
ہے جوہر مجرد یا جسم نورانی لطیف کی شکل کیونکر اختیار
کر سکتا ہے؟ اس مسئلے کی گتھی اس انداز سے سلجھائی جا سکتی
ہے کہ تمام عقلاء اس بات پر متفق ہیں کہ ہم خواب میں جو
اشکال وصور دیکھتے ہیں بعض اوقات وہ محض ہمارے
خیالات ہوتے ہیں۔ جو دریا، پہاڑ، شیر بھیڑئیے وغیرہ کی
شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس متفقہ رائے پر ذرا رک کر سوچیے
کہ خیالات جو اعراض ہیں اور ان کا تعلق صرف دماغ کے

ساتھ ہوتا ہے۔ انہوں نے جواہر واجسام کا روپ کیسے دھار لیا؟ کس طرح ان میں اجسام کے لوازمات وخواص کا وجود ہو گیا؟ یہاں تک کہ بعض دفعہ خواب دیکھنے والے سے اس کے آثار بیدار ہونے کے بعد بھی جدا نہیں ہوتے۔ فی الحقیقت خدائے تعالیٰ نے ہر انسان کے لئے خوابوں کے ذریعہ رشد و ہدایت کا ایک عظیم سرمایہ مہیا فرمایا ہے ——— غور کیجئے کہ جب ایک آدمی کی قوت مصورہ میں اس نے اس قدر طاقت جمع فرمائی ہے کہ وہ اپنی بساط کے موافق غیر مجسم خیالات کو جسمی ڈھانچے میں ڈھال لے اور ان میں وہی خواص و آثار باذن اللہ پیدا کرے جو عالم بیداری میں اجسام سے وابستہ تھے اور پھر تماشہ یہ بھی کہ وہ خیالات دیکھنے والے کے دماغ سے پل بھر کے لئے جدا نہیں ہوئے۔ اس کا ذہنی وجود بدستور برقرار رہا۔ تو کیا اس حقیر سے نمونہ کو دیکھ کر ہم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ ممکن ہے کہ قادر مطلق معبود برحق جل وعلا کا "امر بے کیف "کن" باوجود صفت قائمہ بذاتہٖ تعالیٰ ہونے کے کسی ایک یا متعدد صورتوں میں جلوہ گر ہو جائے اور ان صورتوں کو ہم "ارواح" یا "فرشتے" یا کسی اور نام سے پکاریں۔ اور وہ ارواح و ملائکہ وغیرہ سب حادث ہوں۔ اور امر الٰہی بحالہٖ قائم رہے۔ امکان و حدوث کے احکام ارواح وغیرہ ہی تک محدود رہیں، اور امر الٰہی ان سے پاک و برتر ہو۔ جیسے کہ صورتِ خیالیہ بحالت خواب آگ کی صورت میں نظر آتی ہے۔ اس صورت ناریہ میں احراق، سوزش، گرمی وغیرہ سب آثار ہم محسوس کرتے ہیں حالانکہ اسی آگ کا تصور سالہا سال بھی دماغوں میں رہے تو ہمیں ایک سکنڈ کے لئے یہ آثار محسوس نہیں ہوتے۔ اس لئے اس میں کیا شبہ کہ روح انسانی (خواہ مجرد ہو یا جسم نورانی لطیف) امر الٰہی کا مظہر ہے۔ یہ کوئی ضروری تو نہیں کہ مظہر کے تمام احکام و آثار ظاہر پر جاری ہیں۔

قارئین کرام اپنے ذہنوں میں یہ بات ضرور محفوظ رکھیں کہ جو کچھ لکھا گیا اور مثالیں پیش کی گئیں ان سے مقصود صرف یہ ہے کہ اس باریک نکتہ کو آسانی سے سمجھ لیں۔ اس باریک مفہوم کے ادراک میں یہ مثالیں اور قریب کردیں۔ ورنہ ایسی کوئی مثال دستیاب نہیں ہو سکتی جو ان حقائق غیبیہ پر پوری طرح منطبق ہو سکے ؎

اے بروں از وہم قیل و قال من
خاک بر فرق من و تمثیل من

اب رہا یہ مسئلہ کہ روح کو ہم جوہر مجرد مانیں جیسا کہ اکثر حکماء قدیم اور صوفیاء کا مذہب ہے یا جسم نورانی لطیف تسلیم کریں جس کی طرف جمہور اہل حدیث کا رجحان ہے۔ مرا خیال ہے کہ اس باب میں عارف جامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بہت مناسب ہے جو اس تنازعہ کا بہترین حل ہے۔ انہوں نے تین چیزیں بیان کیں ہیں۔

(۱) وہ جواہر جن میں مادہ و کمیت دونوں کی آمیزش ہو جیسے ہمارے ابدان مادیہ۔

(۲) وہ جواہر جن میں مادہ نہیں، صرف کمیت ہے جنہیں صوفیہ اجسام مثالیہ سے موسوم کرتے ہیں۔

(۳) وہ جواہر جو مادہ و کمیت سے عاری ہوں جن کو

صوفیاء ارواح یا حکماء جواہر مجردہ کے نام سے پکارتے ہیں۔
جمہور اہل شرع جس کو روح کہتے ہیں، وہ صوفیہ کے نزدیک بدنِ مثالی ہے، جو بدن مادی میں حلول کرتا ہے اور بدن مادی کی طرح آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ رکھتا ہے۔ یہ روح کبھی بدن مادی سے الگ ہوتی ہے لیکن اس جدائی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکیف علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھتی ہے۔ جس کی وجہ سے بدن پر حالت موت طاری نہیں ہو پاتی۔ گویا حضرت علی کے قول کے مطابق جو نووی نے اللہ یتوفی الانفس حین موتھا کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اس وقت روح خود علیحدہ رہتی ہے مگر اس کی شعاع جسم میں پہنچکر بقائے حیات کا سبب بنتی ہے۔ جیسے آفتاب زمین سے لاکھوں میل کی مسافت پر رہنے کے باوجود اپنی آتشی شعاعوں سے زمین کو گرم رکھتا ہے یا جیسے یہ خبر اخبار میں بہت پہلے شائع ہو چکی ہے کہ فرانس کا محکمہ پرواز ہوا بازوں کے بغیر طیارے اڑا کر خفیہ تجربے کر رہا ہے اور تعجب خیز نتائج بھی اس سے ظاہر ہوئے۔ یہ خبر بھی لوگوں کے نگاہوں سے گذری ہوگی کہ "یورپ میں ایک خاص بم پھینکنے والا طیارہ بھیجا گیا جس میں کوئی فرد بشر موجود نہیں تھا لیکن لاسلکی کے ذریعہ منزلِ مقصود پر پہنچایا گیا اور اس میں بم رکھ کر گرایا گیا۔ اور پھر وہ طیارہ اپنے مرکز میں واپس بھی آگیا۔ دعویٰ کیا گیا ہے، لاسلکی کے ذریعہ ہوائی جہاز نے وہ کردار ادا کیا جیسے ایک ہوا باز اس عمل کو انجام دیتا ہے مغرب میں سوسائیٹیاں روح کی تحقیقات میں لگی ہیں۔ انہوں نے بعض ایسے مشاہدات کا اعلان کیا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ "ایک روح جسم سے علیحدہ تھی اور روح کی ٹانگ پر حملہ کرنے کا اثر جسم مادی کی ٹانگ پر ظاہر ہوا"۔

بہر کیف اہل شرع جو روح ثابت کر رہے ہیں، صوفیہ اس کا انکار نہیں کرتے بلکہ اس کے آگے ایک اور روح مجرد کا وجود تسلیم کرتے ہیں، اس میں کوئی استحالہ نہیں بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر اس روح مجرد کی بھی کوئی اور روح ہو، اور آخر میں کثرت کی ساری زنجیریں امر ربی سے منسلک ہو جائیں تو انکار کی ضرورت نہیں۔ شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے منطق الطیر میں کیا ہی خوب فرمایا:۔

ہم ز جملہ بیش و ہم بیش از ہمہ
جملہ از خود دیدۂ و خویش از ہمہ
جاں نہاں در جسم او در جاں نہاں
اے نہاں اندر نہاں اے جانِ جاں

حقیقت یہی ہے کہ ہر ایک نوع کو اسکی استعداد کے موافق قوی یا ضعیف زندگی ملتی ہے، یعنی جس کام کے لئے جو چیز پیدا کی گئی اسی حد تک زندہ سمجھی جائے گی اور جس قدر اس سے بعید ہو کر معطل ہوتی جائے گی اسی قدر موت سے نزدیک اور مردہ کہلائیگی۔

اب رہ گیا سوال روح کے استقرار کا۔ مرنے کے بعد روح کے مستقر کے بارے میں علماء کے درمیان بڑا اختلاف ہے لیکن ان میں سے سب سے راجح نظریہ جس پر علامہ حافظ ابن قیم تمام مسلمانوں کو جمع ہونے کی دعوت دیتے

ہیں، وہ یہ ہے کہ روح کا مستقر خود اس کے مرتبہ کے اعتبار
سے ہے۔ بعض روحوں کا مستقر ملاءِ اعلیٰ میں، اعلیٰ علیین
میں ہے۔ جیسے ارواحِ انبیاء کا مستقر، پھر انبیاء کے مستقر
میں بھی حسبِ مراتب فرق ہے، جیسا کہ رحمتِ عالم صلی اللہ
علیہ وسلم نے شبِ معراج ملاحظہ فرمایا۔ بعض روحوں کا مستقر
پرندوں کے پوٹوں میں ہے، جو جنت میں ہر جگہ چلتے پھرتے
ہیں۔ یہ بعض شہیدوں کی روحیں ہیں، سب کی نہیں ہیں۔
کیونکہ بعض کے دخولِ جنت کے لئے قرض مانع ہوتا ہے۔
جیسا کہ مسند میں ہے کہ "کسی نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ
وسلم سے سوال کیا کہ اگر میری جان راہِ خدا میں چلی جائے
تو مجھے کیا ثواب ملیگا؟ فرمایا "جنت کی لازوال نعمت"
پھر وہ سائل واپسی کے لئے مڑا تو فرمایا، سوائے اس بندۂ
مؤمن کے جس کے بارے میں ابھی جبرئیلؑ نے مجھے بتایا' بعض
روحیں بابِ جنت پہ روک لی جاتی ہیں جیسا کہ ایک حدیث
میں ہے کہ "میں نے تمہارے ایک ساتھی کو دیکھا کہ جنت کے
دروازے پہ روک لیا گیا۔ بعض روحیں قبر میں محبوس رہتی
ہیں جیسا کہ چادر والے کی روح۔ حدیث میں ہے کہ کسی نے چادر
چُرالی تھی، پھر شہید ہو گیا۔ لوگوں نے اسے جنت والا سمجھا،
مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اللہ کی قسم اس نے چادر
چرائی تھی، وہ آگ بن کر قبر میں بھڑک رہی ہے۔ بعض
روحوں کا مستقر بابِ جنت ہوتا ہے جیسا کہ ابن عباس
والی حدیث میں ہے کہ شہداء جنت کے دروازے والی نہر کے
کنارے پہ سبز گنبد میں ہیں۔ جنت سے ان کی روزی صبح
وشام ان کے پاس آتی ہے (احمد) اس کے برعکس جعفر ابن طالب
ہیں کہ حق تعالیٰ نے انہیں ہاتھوں کے بدلے دو پر دے دئے
وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں اڑ کر پہنچ جاتے ہیں۔ بعض کی
روحیں زمین ہی میں محبوس رہتی ہیں۔ ان کی ملاءِ اعلیٰ تک
رسائی نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ سفلی اور ارضی روحیں ہیں۔ آسمانی
روحوں کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، جیسے کہ دنیا میں ان دونوں
قسموں کی روحوں کا اجتماع نہ تھا۔ جسے دنیا میں رب تعالیٰ کی
معرفت ومحبت نہ ملی خداوند عالم کے ذکر وتقرب سے اُنس نہ لے
سکا بلکہ یہ شخص گناہوں اور دنیاوی خواہشوں میں ڈوبا رہا۔
اس کی روح بدن سے جدا ہو کر بھی اسی قسم کی روحوں کے ساتھ
رہیگی۔ اسی طرح بلند حوصلہ شخص کی روح جو دنیا میں اللہ کی محبت
وتقرب اور اُنسیت کی کیفیت میں ڈوبی رہی بدن سے جُدا ہو کر
اپنے مناسب ارواح علویہ کے ساتھ رہتی ہے۔ غرضیکہ قیامت کے
دن بھی اور عالم برزخ میں انسان اسی کے ساتھ رہتا ہے جس سے
اس کی محبت کا تعلق ہے۔ حق تعالیٰ عالم برزخ میں اور قیامت کے
دن مناسب روحوں کو ملا دیتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے، کہ
پاکیزہ روحیں پاکیزہ روحوں کے ساتھ رہتی ہیں اور گندی روحیں
گندی روحوں کے ساتھ' بعض زناکار مرد وعورت کی روحیں تنور
میں رہتی ہیں بعض روحیں خون والی نہر میں تیرتی رہتی ہیں۔
اور ان کے دہنوں میں پتھر ٹھونسے جاتے ہیں۔ بہرحال روحوں
کا ایک ٹھکانہ نہیں۔ علوی روحیں اعلیٰ علیین میں ہیں اور سفلی
روحیں زمین سے آگے نہیں بڑھتیں۔

ارواح کو اجسام پہ قیاس کرنا درست نہیں۔ کسی کو

یہ دھوکہ نہ ہو کہ روح کا اعلیٰ علیین اور قبر دونوں مکانوں میں پایا جانا ناممکن ہے۔ روح آسمانوں پر اعلیٰ علیین میں ہونے کے باوجود قبر میں آکر سلام کا جواب دیتی ہیں اور سلام کرنے والے کو جانتی بھی ہے۔ غور کیجئے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ہمیشہ رفیق اعلیٰ میں رہتی ہے' لیکن قبر میں سلام کرنے والوں کے سلام سن کر جواب دیتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور پھر انہیں چھٹیں آسمان میں بھی جا دیکھا۔ اس صورت میں روح یا تو انتہائی سریع الحرکت ہے کہ پلک جھپکنے میں ہزاروں سال کی مسافت طے کر لیتی ہے' یا اس کا قبر سے اور اس کے ماحول سے تعلق قائم رہتا ہے۔ جیسے سورج آسمان میں ہے' مگر کرنوں کے ذریعہ زمین سے بھی اس کا تعلق قائم ہے۔ ابن عباس کی حدیث میں بھی اس کی صراحت آئی ہے کہ تجہیز و تکفین کی تھوڑی سی مدت میں فرشتے روح کو آسمان پر لے بھی جاتے ہیں اور اُتار بھی لاتے ہیں اور اس کے جسم کے ساتھ کفن میں داخل بھی کر دیتے ہیں۔ ان واقعات کو پڑھ کر لوگوں کو اچنبھا ہوتا ہے' حالانکہ عالم برزخ کے واقعات کے مقابلے میں زیادہ تعجب خیز واقعات تو دنیا میں پائے جاتے ہیں ـــــ

ـــــ مثلاً رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبریل انسانی روپ میں آکر آپ سے گفتگو کر لیا کرتے تھے اور آپ کی باتوں کو سن بھی لیا کرتے تھے۔ حالانکہ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے حضرات نہ انہیں دیکھتے نہ ان کی باتیں سنتے تھے۔ یہی حال تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا تھا کبھی آپ کے پاس گھنٹی کی جھنکار کی طرح وحی آتی تھی جسے آپ کے سوا کوئی بھی نہیں سُنتا تھا۔ اسی طرح جنات ہمارے درمیان بلند آواز سے باتیں کرتے ہیں اور ہم ان کی آوازیں نہیں سنتے۔ کبھی فرشتے کافروں پر کوڑے برساتے تھے اور اُن پر چیختے تھے، حالانکہ مسلمان ان کے ساتھ ہوتے تھے' جو انہیں نہیں دیکھتے تھے اور نہ ان کی گفتگو سنتے تھے۔ حق تعالےٰ نے انسان سے بہت سے دنیاوی حوادث چھپا رکھے ہیں۔

حضرت جبرئیل رسولؐ کو قرآن پڑھاتے تھے حالانکہ حاضرین اسے نہیں سنتے تھے۔ بہرحال! جسے اللہ کی معرفت حاصل ہے اور خدا کی ہمہ گیر قدرت پر یقین ہے' وہ ایسے حوادث کا انکار کیسے کر سکتا ہے۔ ایسے حوادثات جن کو حق تبارک وتعالیٰ نے اپنی حکمت ورحمت کی بنا پر اپنی بعض مخلوق کی آنکھوں سے چھپا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ انسان کی بصارت وسماعت عذاب وثواب قبر کے مشاہدے کی طاقت نہیں رکھتی۔ بہت سے لوگ جن کو اللہ تعالیٰ ان واقعات کا مشاہدہ کرا دیتا ہے' چیخ مار کر بیہوش ہو جاتے اور مر جاتے ہیں۔ اگر زندہ بھی رہتے ہیں تو زیادہ دنوں تک زندگی ان کا ساتھ نہیں دیتی۔ بعض تو دل کے پردے پھٹتے ہی مر جاتے ہیں۔ لہٰذا عقل کا یہ تقاضا نہیں کہ اگر ان واقعات پر حکمت خداوندی نے پردے حائل فرمائے ہیں تو ان کا انکار کیا جائے۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ پردے اٹھا دئے جائیں گے اور تمام باتیں آنکھوں سے دیکھ لی جائیں گی' برزخ کے واقعات کو مشاہدات پر قیاس کرنا محض جہالت وگمراہی ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب' اور

اللہ کی ہمہ گیر طاقت وقوت کا انکار انتہائی ظلم ہے۔

جب انسان اس پر قادر ہے کہ قبر فراخ یا تنگ بنا کر اسے لوگوں سے چھپا دے اور جس پر چاہے ظاہر کرے تو اللہ کی قدرت کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں۔ بالکل ایسا ممکن ہے کہ ایک قبر بظاہر دو ڈھائی ہاتھ دکھائی دیتی ہو حالانکہ انتہائی خوشبودار وسیع اور روشن ہو، یا انتہائی بدبودار اور تاریک ہو۔ اور یہ وسعت و تنگی، نور و ظلمت، آباد و اُجاڑ اور باغ و بہار دنیا کے اعتبار سے نہیں ہے۔ حق تعالے انسان کو اسی چیز کا مشاہدہ کراتا ہے جو دنیا میں ہے اور اسی سے ہے اور آخرت کے واقعات پر پردہ ڈال رکھا ہے تاکہ ایمان واقرار انسان کے لئے سبب سعادت بن جائے پھر جب پردہ اٹھا دیا جائے گا تو انسان خود بخود تمام باتوں کا مشاہدہ کرلے گا۔

احادیث کا مطالعہ ہم پر یہ واضح کرتا ہے، کہ مردے کا تعلق زندوں سے قائم رہتا ہے۔ مردے زیارت کرنے والے کو پہچانتے اور سلام کا جواب بھی دیتے ہیں — ابن عبداللہ جو اس حدیث کے راوی ہیں، انہوں نے کہا کہ میں نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا! آپ نے فرمایا کہ جس مسلمان کا گذر کسی ایسی قبر کے پاس ہو جس سے وہ زندگی میں آشنائی رکھتا تھا اور اس پر سلام کرتا ہے تو اس کی روح کو اللہ تعالے واپس کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ مُردہ سلام کا جواب دیتا ہے —

— خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ تعلیم فرمائی کہ جب مُردوں کو سلام کرو تو خطاب کے ساتھ کرو یعنی السلام علیکم دار قوم مؤمنین تم پر سلامتی ہو اے مؤمنین" اور ظاہر سی بات ہے کہ اس طرز کا کلام اسی سے جائز و درست ہوگا جو مخاطب کے کلام کو سنتا ہو۔ ورنہ یہ خطاب لغو ہوگا جو جائز نہیں۔ اور رسول جائز و درست چیزوں کی رہنمائی کرنے کے لئے مبعوث ہوئے نہ کہ لغو و مہمل چیزوں کی تعلیم کے لئے ——— اور اسلاف کرام بھی اس پر متفق ہیں کہ مردے زیارت کرنے والوں کو پہچانتے اور ان سے مسرور ہوتے ہیں

حضور کی عملی زندگی بھی اس پر گواہ ہے کہ مردے ہماری باتیں سنتے ہیں نہیں بلکہ ہم سے زیادہ سننے کی ان میں طاقت قدرت نے جمع فرمادی ہے۔ مختلف اسناد سے حدیث کی مشہور و مایۂ ناز کتاب بخاری و مسلم دونوں میں ہے کہ سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ایک گڑھے میں بدر کے مقتولین ڈال دیئے گئے۔ اس کے بعد آپ اس گڑھے کے پاس آئے اور مقتولین میں سے ہر ایک کا نام لے لے کر پکارا "کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا۔ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد گرامی پر کامل ایمان ہے لیکن بھید جاننے کے لئے عرض کرتے ہیں، یا رسول اللہ! آپ کا خطاب ان سے ہو رہا ہے جن کی لاشیں سڑ چکی ہیں"۔ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے رسول برحق بنا کر بھیجا۔ مری بات تم ان مردوں سے زیادہ نہیں سنتے، مگر انہیں جواب کی طاقت نہیں ———

ایک دوسری جگہ رحمت دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اپنے بھائی کی قبر پر جاتا ہے اور وہاں بیٹھتا ہے

تو صاحب قبر کو اسکی آمد سے اُنس ہوتا ہے۔ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ جب تک وہ وہاں سے اُٹھ کر نہ آجائے ــــ اس حدیث کو حضرۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا ہے۔ ایک جگہ حضور اکرم نے ارشاد فرمایا کہ "جب دفن کے بعد لوگ لوٹتے ہیں تو مُردہ اُن کے جوتوں کی آواز سُنتا ہے۔

اسلاف کرام کی تاریخ کے مطالعہ کے بعد بھی ہم اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان برحق ہیں ــــ

ابن عیینہ کے ماموں کے لڑکے فضل کا بیان ہے کہ جب میرے والد کا وصال ہوگیا تو مجھے بڑا رنج ہُوا۔ میں روزانہ بلا ناغہ ان کی قبر پہ حاضر ہوتا رہا۔ پھر کچھ دنوں تک نہ جاسکا۔ ایک دن پھر ان کی قبر پہ میرا جانا ہوا۔ جاکر قبر کے پاس بیٹھا۔ اتفاق سے نیند آگئی۔ میں نے دیکھا جیسے والد صاحب کی قبر شق ہوگئی۔ وہ قبر میں کفن سے لپٹے بیٹھے ہیں، اور مردوں کی جیسی حالت ہے۔ یہ منظر مجھ سے دیکھا نہ گیا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ والد نے پوچھا بیٹے! ادھر آنے کا خیال تمہیں اتنے دنوں کے بعد ہوا؟ میں نے کہا کیا آپ کو میرا آنا جانا معلوم ہے۔ فرمایا تم جب بھی آئے تمہاری آمد سے میں باخبر ہوگیا۔ تمہارے آنے سے اور تمہاری دعاؤں سے نہ صرف مجھے ہی بلکہ مرے آس پاس کے لوگ بھی مانوس ہوتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ اس خواب کے بعد پھر میں نے ان کی زیارت کیلئے کوتاہی نہیں کی، برابر حاضر ہوتا رہا ــــ

ایک دفعہ سلیم بن عُمیر کا گذر ایک قبرستان سے ہوا پیشاب کی انہیں حاجت تھی لیکن وہ روکے رہے۔ کسی دوست نے مشورہ دیا کہ قبر کے گڑھے میں پیشاب کر لیجیئے۔ رو کر بولے سبحان اللہ خدا کی قسم میں زندوں کی طرح مردوں سے بھی شرم رکھتا ہوں۔ غور کیجیئے کہ اگر مردوں کو شعور نہ ہوتا تو وہ کیوں شرماتے

احادیث کریمہ سے تو بات بالوضاحت سب کو معلوم ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین کرنے کا حکم فرمایا، اس سے ثابت ہوا کہ مردہ سنتا ہے اور تلقین سے فائدہ اٹھاتا ہے ورنہ تلقین بیکار اور غیر مفید ہو جائیگی۔ صرف یہی نہیں کہ روحیں آنے جانے والوں کا شعور رکھتی بلکہ وہ تو آپس میں ملاقات و مذاکرہ کرتی ہیں۔ جس پر بے شمار واقعات کتابوں میں ملتے ہیں۔ ثبوتاً دو جلیل القدر بزرگوں کا واقعہ پیش ہے۔ نیز آپ کو اس سے یہ بھی اندازہ مل جائے گا کہ اولیائے کرام کو خدا نے کتنا عظیم مرتبہ عنایت فرمایا ہے ــــ

صالح بن بشر کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سلمی کو خواب میں دیکھا اور ان سے کہا خدا تم پر اپنا فضل و کرم نچھاور کرے، تم دنیا میں بہت غمزدہ و رنجیدہ رہتے تھے۔ انہوں نے جواب میں فرمایا خدا کی قسم اس طویل غم کے پیچھے مجھے ابدی مسرت ملی، دائمی سکون ملا۔ خدا نے ہمیشگی کے سرور و انبساط سے نوازا۔ میں نے پوچھا آپکا درجہ کونسا ہے۔ فرمایا میرا تعلق انبیاء، صدیق شہداء اور نیک حضرات کے گروہ کے ساتھ ہے ــــ

عبداللہ ابن مبارک نے حضرت سفیان ثوری کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ فرمایا میں نے محمد رسول اللہ اور ان کی جماعت سے ملاقات کرلی۔

صخر بن راشد نے ابن مبارک کو خواب میں دیکھا اور ان سے دریافت کیا۔ کیا آپ کو موت نہیں آئی۔ فرمایا کیوں نہیں۔

بقیہ بر صفحہ ۵۸

بقلم: السید محمد جمال الدین العنطری الجزری الهند
متعلم دار العلوم لطیفیہ فی الصف السادس

کم من رجال یعیشون فی دار الفناء وینتقلون الی دار البقاء وینسیٰ اهل الدنیا ذکرهم وآثارهم وکم من رجال هم احیاء وان ماتوا ع فالعالمون وان ماتوا فاحیاء
فمنهم الامام الغزالی، فانه ولد بطوس سنة خمس واربعمائة من الهجرة النبویة علیها ازکی التحیة، اسمه محمد بن محمد بن محمد بن احمد الجلیل ابوحامد الطوسی الغزالی۔ کان ابوه عارفا عابدا مطیعا وقد حکی فی ترجمته۔ انه کان لا یأکل من کسب غیره وکان یغزل الصوف ویبیعه فی دکانه بطوس۔ وکان الامام الغزالی حریصا علی طلب العلم فی صغره وقرأ فی صباه طرفا من الفقه ببلدة علی احمد بن محمد الرازکانی۔ وبعده ذهب لتحصیل العلوم الی الامام الهمام ابی النصر اسماعیل وعلق من ذلک الشیخ المشهور تعلیقات کثیرة فی مختلف الابواب ثم رجع الی وطنه طوس۔ قال الامام اسعد المهینی فسمعت الغزالی یقول قطعت علینا الطریق واخذ العیارون جمیع ما معی ومضوا فتبعتهم فالتفت الی مقدمهم فقال ارجع ویحک والا هلکت فقلت له۔ اسئلک بالله الذی ترجو السلامة منه ان ترد علی تعلیقتی فقط فما هی شیئ تنتفعون به فقال لی وما هی تعلیقتک ؟ فقلت کتب فی تلک المخلاة ما هاجرت لسماعها وکتابتها ومعرفة علمها فضحک وقال کیف تدعی انک عرفت علمها وقد اخذناها منک فتجردت من معرفتها وبقیت بلا علم ثم امر لبعض اصحابه فسلم الی المخلاة قال الغزالی فقلت هذا مستنطق انطقه الله یرشدنی به فی امری فلما وافیت طوس اقبلت علی الاشتغال ثلاث سنین حتی حفظت جمیع ما علقته وصرت بحیث لو قطع علی الطریق لما تجرد من علمی کما یعلم من ترجمة الغزالی رح۔

خرج السلطان نظام الملک الطوسی لیلة لیجسل لطلاب ولیعرف احوالهم والطلاب مشغولون فی المطالعة وسأل الملک فردا فردا۔ لماذا تقرأ هذا العلم۔ فقال بعضهم لاکون خطیبا فتقدم الملک الی متعلم یجتهد ویقرأ فی ضوء السراج وقد لبس لباسا خلقا وسأله الملک

لما ذا تحصل العلم وما ذا تريد فاجاب اقرأ لله ففرح الملك فرحا شديدا وشكر الله شكرا جزيلا على ان كان واحد من الطلبة مخلصا لله وهو يحصل ، فبدل الملك خياله ورجع عن فكره ومراده ووضع المدرسة لهذا الولد فقط - فهذا هو الغزالى فلازم علينا ايها الطلاب ان نسلك بمسلكه ونحصل العلم لله كما حصل الامام الغزالى رحمة الله عليه -

كان الشيخ الغزالى ماهرا فى الفنون كلها حتىّ قال اهل كل فن إنه منهم وبعد وفاة استاذه خرج من نيسابور الى العسكرى ولقى الوزير نظام الملك فاكرمه وعظمه وبالغ فى الاقبال عليه واشتهر اسمه بينهم ثم فوّض اليه التدريس بالنظامية ببغداد - فجاءها وباشر القاء الدروس بها فى جمادى الاولى سنة اربع وثمانين واربعمائة واعجب به اهل العراق وارتفعت عندهم منزلته ثم ترك ما كان عليه فى ذى القعدة سنة ثمان وثمانين واربع مائة وسلك طريق الزهد والانقطاع - وقصد الحج فلما رجع توجّه الى الشام فاقام بمدينة دمشق مدة يذكر الدرس فى زاوية الجامع فى الجانب الغربىّ منه - وانتقل منها الى بيت المقدس فاجتهد فى العبادة وزيارة المشاهد والمواضع المعظمة ثم قصد مصر واقام بالاسكندرية ثم عاد الى وطنه واشتغل بنفسه وصنف الكتب المفيدة فى عدة فنون منها ما هو اشهرها الوسيط والبسيط والوجيز والخلاصة فى الفقة - واحياء علوم الدين من انفس كتبه وله فى اصول الفقة المسطصفى فرغ من تصنيفه فى سادس المحرم سنة ثلاث وخمسمائة - وله المنخول والمنتحل فى علم الجدل وله تهافت الفلاسفة ومحكّ النظر ومعيار العلم والمقاصد والمضنون به على غير اهله والمقصد الاسنى فى شرح اسماء الحسنىٰ ومشكات الانوار والمنقذ من الضلال وحقيقة القولين وكلها نافعة جدا - ثم الزم بالعود الى نيسابور والتدريس بالمدرسة النظامية فاجاب الى ذلك بعد تكرار المعاودات ثم ترك ذالك وعاد الى بيته ووزع اوقاته على وظائف الخير من ختم القرآن ومجالسة اهل القلوب والقعود لتدريس الى ان انتقل الى ربه القدير واختلف العلماء فى ضبط اسمه ونسبته -

(ثم رجع الى وطنه واتخذ خانقاه للصوفية ومدرسة للمشتغلين بالعلم)

فقال بعضهم نسبة لغزالة قرية من قرى طوس فعلى هذا هو بالتخفيف واخطأ الناس بتشديدها وقال بعضهم بالتشديد لان والده كان غزالا يغزل الصوف ويبيعه بطوس فقيل صوابه الغزّال لانه نسبة الى الحرفة وقيل هذا على لغة خوارزم لانهم يزيدون ياء النسب فى تلك الصيغة قال الامام النووى فى دقائق الروضة التشديد فى الغزالى هو المعروف

الذی ذکرہ ابن الاثیر وقال فی التبیان بالتخفیف
ثم قال فی آخر کلامہ والمعتمد الآن عند
المتأخرین من ائمۃ التاریخ والانساب ان
القول قول ابن الاثیر وکان امام الحرمین
یصیف تلامذتہ فیقول الغزالی بحر مغرق
والکیا اسد مخرق والخوافی نار تحرق وتوفی الشیخ
الھمام تاج الملۃ امام الاتقیاء حجۃ الاسلام

الغزالی رحمۃ اللہ علیہ یوم الاثنین رابع عشر جمادی
الآخر سنۃ خمس وخمسمائۃ بالطبران رحمہ
اللہ ورثاہ الادیب المظفر محمد الابیوردی
الشاعر المشھور ودفن بظاھر الطابران وھی قصبۃ
طوس والطابران بفتح الطاء احد بلدتی طوس
والناس یجیؤن للزیارۃ کل یوم ولیلۃ الی الآن۔ فنسئل
اللہ ان یوفقنا للاقتداء باسلافنا الکرام۔

بقیہ صفحہ ۵۵

پھر سوال کیا، تو اللہ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ جواب میں فرمایا، ایسا عفو عطا فرمایا کہ جس سے سارے
گناہ ختم ہوگئے۔ پھر پوچھا سفیان ثوری کا کیا حال ہے؟ فرمایا واہ واہ! وہ تو انبیاء، صدیق، شہداء اور
نیک حضرات کے ساتھ ہیں۔

مندرجہ بالا نظریات قرآن، حدیث اور اسلاف کرام کے واقعات کی روشنی میں پیش کئے گئے ہیں۔ خدا
ذوالجلال ہمیں روح کے متعلق انہیں نظریات کا حامل بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

(۱) من کتم سرہ کان الخیار فی یدہ

جو شخص اپنا راز چھپاتا ہے، وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔

(۲) اتقوا من تبغضہ قلوبکم

جس سے تم کو نفرت ہو اس سے ڈرتے رہو۔

(۳) ما ادبر شیئ فما اقبل

جو چیز پیچھے ہٹے پھر آگے نہیں بڑھتی

(۴) ما سألنی رجل الا تبین لی عقلہ

کوئی آدمی جب مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجھے اسکی عقل کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

(۵) اعقل الناس اعذرھم للناس

سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے، جو اپنے افعال کی اچھی تاویل کرتا ہو۔

(۶) ترک الخطیئۃ اسھل من معالجۃ التوبۃ۔

توبہ کی تکلیف سے گناہ کا چھوڑ دینا زیادہ آسان ہے۔

(۷) لا تؤخر عمل یومک الی غد

آج کا کام کل پر نہ ٹال

(۸) رحم اللہ امرأ اھدیٰ الی عیوبی۔

خدا اس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیوب مجھ پر ظاہر کر دے۔

(۹) اقلل من الدنیا تعش حرا

دنیا تھوڑی سی لو تو بھی آزادانہ زندگی بسر کرو۔

صدقہ اور زکوٰۃ کی فضیلت اور ترک پر سخت وعید

از شیخ رفیع احمد (انتّ) مدنپلی ضلع چتور (آندھرا)
متعلم دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطبؒ ویلور

آجکل اکثر افراد دین سے غفلت برتنے کی وجہ سے مسائل ضروریہ اور فرض عین کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ زکوٰۃ جیسے اہم رکن کی بھی صحیح خبر نہیں رکھتے۔ وہ زکوٰۃ جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا ستون بتایا ہے، جیساکہ حدیث میں وارد ہے حضور صلعم نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس کی وحدانیت کی گواہی دینا۔ رسولؐ کی رسالت کا اقرار کرنا۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا، اس شخص کو بیت اللہ کا حج کرنا جسے اس راستہ کی طاقت ہو۔ معلوم ہوا کہ ان تمام فرضوں میں زکوٰۃ بھی ایک فریضہ ہے۔ زکوٰۃ جو صاحب نصاب سے وصول کیا جاتا ہے اور غرباء و مساکین پر صرف کیا جاتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوتے ہی عرب کے بعض حصوں میں ارتداد کی طوفانی ہوائیں چلنے لگیں اور ضعیف الایمان لوگوں کے دلوں میں ایمان کی روشنی بجھنے لگی۔ اسلام سے پہلے عرب مختلف ٹکڑوں میں بٹے ہوئے تھے، اسلام نے ان ٹکڑوں کو ملاکر ایک ملت بنا دیا، مگر چونکہ برسہا برس سے وہ اس کے عادی نہ تھے اس لئے انہوں نے اس نظام ملی کو اپنی آزادی کے لئے ایک زنجیر سمجھا اور اسے توڑ کر نکل بھاگنے کی فکر کرنے لگے۔ قرآن کریم نے حکومتِ اسلام کے شعبۂ مالیات کے لئے زکوٰۃ کو بنیاد ٹھہرایا تھا۔ زکوٰۃ اسلام کے اصول کے مطابق امیروں سے لی جاتی ہے اور غریبوں پر خرچ کی جاتی ہے اور اس کا مقصد قوم میں دولت کے توازن کو برقرار رکھنا۔ مگر افسوس اسے بھی ایک بار سمجھا گیا اور اس بوجھ کو اتار پھینکنے کی کوشش کی جانے لگی۔ بعض صحابہ نے عرض کیا، وقت بہت نازک ہے۔ جو لوگ صرف زکوٰۃ ادا کرنے سے ہی انکار کرتے ہیں ان کے ساتھ نرمی کی جائے۔ مگر ابو بکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم اگر کوئی ایک بکری کے بچّہ کے دینے سے بھی جو رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو دیا جاتا تھا انکار کرے گا تو میں اس کے خلاف بھی جہاد کروں گا۔ دیکھو اس نازک حالت میں بھی جس وقت اسلام کی وحدت کے پارہ پارہ ہونے کا اندیشہ تھا، زکوٰۃ جیسا اہم فریضہ برقرار رکھا گیا۔ غور فرمائیں کتنے نازک موڑ پر اس کی حفاظت کی گئی۔ غم اس کا ہے کہ اس دور میں ایمان کا دعویٰ کرنے والے اللہ کے اسی فریضہ کو اللہ کے رسول کے اس فرمان کو ٹیکس سے تعبیر کرتے ہیں۔ تاوان اور جرمانہ تصور کرتے ہیں۔ اس مختصر سے مضمون میں چند زکوٰۃ کے متعلق حکمت و دانائی سے

لبریز اقوال کو پیش کرتا ہوں، خدائے کریم تمام مسلمانوں
کو اس پر عمل کی توفیق رفیق بخشے۔

(۱) متقی وہ ہیں جو ہمارے دئے کو ہماری راہ میں
خرچ کرتے ہیں۔ (قرآن شریف)

(۲) زکوٰۃ ادا کرنے والے فلاح پاتے ہیں (قرآن مجید پ۱۸)

(۳) اور جو کچھ تم خرچ کروگے اللہ تعالیٰ اسکی جگہ اور دیگا۔
اور وہی روزی دینے والا ہے۔ (قرآن مجید پ۲۲)

(۴) اور جو لوگ راہِ خدا میں اللہ کے فضل سے ملی ہوئی
چیز کو دینے سے بخیلی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ اچھا کر رہے
ہیں، حالانکہ یہ برا ہے، قیامت میں بخیلی کی وجہ سے گردن میں
طوق ڈال دیا جائے گا۔ (قرآن مجید پ۴)

(۵) جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ
میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دو کہ آتش
جہنم میں وہ چیزیں (مال) تپائی جائیں گی اور انہیں سے راہِ
خدا میں خرچ نہ کرنے والوں کی پیشانیاں کروٹیں پیٹھیں داغی
جائیں گی اور ان سے کہا جائے گا یہ وہ ہے جو تم نے اپنے لئے
جمع کیا تھا تو اب اس کا مزہ چکھو۔ (قرآن مجید پ۱۰ توبہ)

(۶) صدقہ فطرہ نہ دینے سے روزہ آسمان و زمین
کے درمیان میں لٹکا رہتا ہے۔

(۷) ہر شخص قیامت کے دن اپنے صدقہ کے سایہ میں
ہوگا۔ (ابن حبان)

(۸) صدقہ قبر کی حرارت کو دفع کرتا ہے (طبرانی)

(۹) صدقہ بری موت سے بچاتا ہے اور عمر دراز کرتا ہے (")

(۱۰) صدقہ ستر برائیوں کے دروازے کو بند کرتا ہے۔
(طبرانی کبیر)

(۱۱) صدقہ خطا کو ایسا مٹاتا ہے جیسا کہ
پانی آگ کو۔ (ترمذی)

(۱۲) صدقہ اللہ کے غضب کو بجھاتا ہے۔

(۱۳) سخی کی سخاوت اسے جنت میں پہنچا دیتی ہے۔ (بیہقی)

(۱۴) صدقہ دینے والا سخی کہلاتا ہے، سخی اللہ اور
جنت سے قریب ہے۔ (ترمذی)

(۱۵) اللہ صدقہ دینے والوں کو فرماتا ہے، اے ابن آدم
خرچ کرو۔ میں دوں گا۔ (صحیحین)

(۱۶) خرچ کرنا یعنی صدقہ کرنا بہتر ہے، رکنا برا ہے (مسلم)

(۱۷) زکوٰۃ دینے سے مال پاک ہو جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

(۱۸) زکوٰۃ دینے والوں کو قیامت کے دن اللہ اپنے
پاس بٹھاتا ہے۔ (طبرانی)

(۱۹) خشکی و تری میں جو مال تلف ہو جاتا ہے
وہ زکوٰۃ نہ دینے سے ہوتا ہے۔ (طبرانی)

(۲۰) جو قوم زکوٰۃ نہ دینے گی اللہ اس کو قحط میں
مبتلا فرما دے گا۔ (طبرانی)

(۲۱) زکوٰۃ دے کر اپنے مالوں کو مضبوط قلعہ
میں محفوظ کرلو۔ (طبرانی بیہقی)

(۲۲) صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا۔ اللہ
اس کی عزت بڑھاتا ہے۔ (صحیحین۔ترمذی)

(۲۳) صدقہ دینے والے کے صدقہ کو اللہ تعالیٰ
پالیتا ہے، وہ بڑھ کر پہاڑ برابر ہو جاتا ہے (بخاری نسائی)

(۲۴) صدقہ دے کر اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کر لو، وہ روزی دے گا مدد کریگا، اور شکستہ حالی دور کرے گا۔

(ابن ماجہ)

(۲۵) جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے گی وہ روزِ قیامت گنجا سانپ بنے گا اور دوڑائے گا اور کہیگا میں تیرا مال ہوں۔ (امام احمد)

(۲۶) رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ابن آدم اپنے مال سے کچھ میرے پاس جمع کر دے، نہ جلے گا، نہ ڈوبے گا، نہ چوری جائے گا۔ تجھے میں اس وقت پورا دوں گا جب کہ تو اس کا زیادہ محتاج ہوگا۔ یعنے قیامت کے دن۔ (طبرانی کبیر)

(۲۷) جو اہل نصاب ہوکر زکوٰۃ نہیں دے گا اسکی نماز قبول نہ ہوگی۔ (طبرانی کبیر)

(۲۸) جس مال سے زکوٰۃ نہ نکالی جائے گی اور وہ اسی میں ملی جلی رہے گی تو وہ مال کو تباہ کرکے چھوڑتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۹) اپنا صدقہ ان لوگوں سے شروع کرو، جن کی تم اعانت وکفالت کرتے ہو۔ (ترمذی)

نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

پیشکش: محمد سراج الدین
مدنیلی
معلم دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت
قطب ویلور
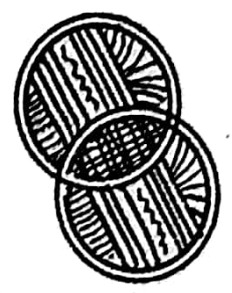
تیرے مراتب کا کیا ٹھکانہ کہ تیرا ہمسر کوئی نہیں ہے
نبی بہت سے ہوئے ہیں لیکن، کوئی بھی تجھ سا نبی نہیں ہے

تری محبّت مدارِ ایماں، ترا تصوّر فروغِ ایماں
تری محبّت ملی ہے جسکو کوئی پھر اسکو کمی نہیں ہے

یہ صرف تیرا ہی مرتبہ ہے کہ تیری مرضی خدا کا منشا،
خدا بھی ناراض ہے اسی سے، کہ جسمیں تیری خوشی نہیں ہے

وہ ذات ہے تیری ذاتِ عالی کہ تیری اُلفت ہے جزءِ ایماں
تری محبّت نہیں ہے دل میں تو بندگی بندگی نہیں ہے

تری اطاعت رضائے حق کا حسین عنوان بن گئی ہے
عطا ہو تیری رضا کسی کو، تو پھر کوئی بات ہی نہیں ہے

تری ہدایت کو جو نہ سمجھا، وہ مقصدِ زندگی نہ پایا
تری تجلّی جہاں نہیں ہے، وہاں کوئی روشنی نہیں ہے

تری حقیقی بلندیوں کو قمرؔ کوئی کیا سمجھ سکے گا
جہاں تو پہنچا وہاں سے آگے کوئی بھی منزل رہی نہیں ہے

ارحم الراحمیں بمن بخشد
بے رضائے تو یا رسول اللہ

شکر و احسان ہے اللہ رب العزت کا جس نے انسان میں محبت و شفقت کا جذبہ عطا فرمایا۔ دوستی کے لئے محبت کرنا، دوست کا حکم ماننا اور اسکی ناراضگی سے بچنا لازمی ہے۔ اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھنے سے جب انسان ان کی خاص خوبیوں پر غور و فکر کرتا ہے تو قدرتی طور پر ان سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ اگر جذبۂ صادق ہو تو یہ محبت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ نہ صرف اس ولی سے بلکہ ولی کے ولی سے حتی کہ یہ سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے۔ اولیاء اللہ سے محبت اور دوستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالی سے محبت قائم کرنے کا ایک زینہ ہے جس کے بغیر انسان منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور منزلِ مقصود پانے کے لئے انسان ان اولیاء و انبیاء کے وسیلہ اور ان کی دعاؤں کا محتاج ہوتا ہے۔

حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ محبت کی صداقت تین خصلتوں سے ظاہر ہوتی ہے ——
اول یہ کہ اپنے محبوب کی باتوں کو دوسروں کے اقوال پر ترجیح دے۔ دوم یہ کہ اوروں کی ہم نشینی پر اپنے محبوب کی صحبت کو فوقیت دے۔ سوم یہ کہ محبوب کی خوشنودی کو غیروں کی خوشنودی سے بہتر جانے۔

حضور کا ارشاد مبارک جس میں تین خصلتوں کو واضح کر دیا گیا ہے اس میں سے اول جس خصلت کا ذکر ہے اسی کے تحت یہ مضمون لکھا جا رہا ہے۔

حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ۔ یہ ایک جلیل القدر صحابی اور اشراف انصار سے ہیں آپ روایت فرماتے ہیں کہ ایک اندھا آدمی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی ذات اقدس سے یہ امید لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ محبوب خدا ہیں۔ میرے لئے دعا فرمائیں کہ میں اس اندھے پن سے شفا پاؤں۔ تو حضور فرماتے ہیں کہ اے شخص تو اگر چاہتا ہے تو میں تیرے لئے دعا کرتا

ہوں، مگر بہتر ہے کہ تو صبر کرلے، اس صبر کا بدلہ جنت ہوگا۔
کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ ہم جب کسی بندے کو اندھا بنا کر آزمائش
کرتے ہیں اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو اس کا ہم بدلہ جنت
دیں گے۔ باوجود اس کے وہ آدمی مصر رہا کہ میں عافیت چاہتا
ہوں آپ خدا سے دعا فرمائیں۔ اس کی اس اضطرابی کیفیت
اور بے صبری کو دیکھ کر حضورؐ نے دعا نہیں فرمائی۔ بے چین
ہو کر پھر اس نے آپ سے دعا کرنے کی استدعا کی تو حضورؐ نے
اس سے خود دعا کرنے کے لئے کہا اور حکم دیا کہ جاؤ اچھی
طرح وضو کرو اور یہ دعا مانگو:۔

" اللھم انی اسئلك واتوجه اليك بنبيك
محمد رحمة " تو اس نے اس دعا کے ساتھ مزید یہ
دعا کی کہ " انی توجهت بك الى ربي يا محمد انى
توجهت بك ربي ليقضى لى فى حاجتى هذا "
(ترجمہ) اے پروردگار بے شک میں محمدؐ سے سوال کرتا ہوں اور
تیری ہی طرف متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ
وسلم کے جو رحمۃ للعالمین ہیں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہوجائے۔

راوی لکھتے ہیں کہ جوں ہی وہ شخص دعا کیا اس
کا اندھا پن اس سے دور ہوگیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی
ذات کو اپنے کاموں کے لئے شفیع بناتے تھے۔ جب انبیاء
خود اپنی ذات کو اپنے مقاصد کی برآری کے لئے شفیع
بناتے ہیں تو لوگ بدرجۂ اولیٰ اسباب کے مستحق ہیں کہ وہ انبیاء
کی ذوات مبارکہ کو اپنے مقاصد کے لئے شفیع بنائیں۔

حضورؐ کی ذات اقدس سے توسل اور استمداد
حاصل کرنا کشادگی رزق اور حصول اولاد وغیرہ کے بہت
سے واقعات آئے ہیں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

تجھ میں وہ قدرت ہے اے فخر امم اعلیٰ صفات
جس سے آساں ہوگئی ہیں زندگی کی مشکلات
تیرا دامن تھام کر چلتی ہے لیلائے حیات
تو جہاں چاہے وہیں رک جائے نبض کائنات

اس سلسلہ میں طبرانی معجم کبیر میں حضرت عثمان
بن عنیف رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کو نقل فرماتے
ہیں:۔ خلیفہ سوم امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان
رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص اپنی ایک حاجت
برآری کے لئے حاضر ہوا۔ آپ اس شخص کی طرف متوجہ
نہیں ہوئے۔ وہ شخص مایوس ہو کر حضرت عثمان ابن حنیف
رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کوائف واقعی
سے مطلع کیا تو آپ نے فرمایا وضو کرا اور دو رکعت
نماز گذار لے اس کے بعد یہ دعا پڑھ " اللھم انی اسئلك
واتوجه اليك بنبيك محمد الرحمة "
پھر عثمان غنیؓ سے اپنی حاجت برآری کرلے۔

حسب ارشاد وہ شخص عمل کیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ
عنہ کی بارگاہ میں پہنچا۔ دربان کلائی تھامے ہوئے
حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں حاضر کیا تو حضرت عثمانؓ
غنی دیکھتے ہی بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آئے اور
قیمتی فرش پر بٹھایا اور پوچھا کہ تمہاری کیا حاجت ہے؟

اس شخص نے اپنی حاجت کا اظہار کیا تو آپ نے فوراً اس کی حاجت برآری کی اور کہا کہ اگر تمہیں کوئی حاجت درپیش ہو تو میرے پاس آجانا میں تمہاری حاجت پوری کرونگا ۔ وہ شاداں وخراماں حضرت عثمان بن حنیف کے پاس آئے، اور کہنے لگے کہ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے ۔ کیا آپ نے حضرت عثمان غنی رضؓ سے میری قضائے حاجت کیلئے تائید کی تھی جو انہوں نے مجھ سے اس طرح کا سلوک کیا ؟ انہوں نے فرمایا کہ بخدا اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور نہ ہی میں نے کوئی تائید کی ! ہاں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اندھے سے ایسے کہتے ہوئے سنا ہے ۔ پورے واقعے کو سناتے ہوئے عثمان بن حنیفؓ نے مزید کہا کہ اسی پہ قیاس کرتے ہوئے تمہیں میں نے مشورہ دیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لینا قضائے حاجات اور سبب نجات کے لئے ضروری ہے ۔

مصنف کتاب نقل فرماتے ہیں کہ سلسلۂ قادریہ کے عرفاء وعلماء صلوٰۃ الحاجت کے دو رکعت گذارنے کے بعد " یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ " اس نداء سے توسل فرماتے ہیں ۔ اس نماز کو دوگانۂ قادریہ کہتے ہیں ۔ نیز مولانا شاہ محدث دہلوی رقمطراز ہیں، کہ بعض اصحاب طریقۂ قادریہ مہمات کے حصول کے لئے، شیئاً للہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی ' کا ورد ایکسو گیارہ مرتبہ کرتے ہیں ذات باری تعالےٰ کے سوا کسی اور ذات سے بالراست قضائے حاجت اور امداد کا چاہنا درست نہیں، مگر ذات باری تعالیٰ سے کچھ چاہنے اور مانگنے کے لئے کسی اور ذات خواہ انبیاء علیہم السلام ہوں یا اولیاء عظام ' ان کے توسل سے مانگا جائے، تو درست اور صحیح ہے ۔

از محمد جمشید پاشا

ویلور

خواہی کہ دریں زمانہ مردے گردی | اندر رہِ دیں صاحبِ دردی گردی
روزان و شبان بگردِ مردان میگرد | مردے گردی چوں گردِ مردی گردی

شمیم گلستانِ معرفت قدوۃ العارفین اعلیحضرت رکن الدین سید شاہ محمد ابوالحسن قادری قربی قدس سرہ کے پوتے تاج محسنان زبدۃ العارفین اعلیحضرت علاء محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقی قدس سرہ کے فرزندِ ارجمند اور سرورِ عارفان حضرت قطبِ ویلور قدس سرہ کے والدِ بزرگوار صاحبِ کشف و عرفان قطبِ زمانہ فردِ یگانہ اعلیحضرت سید شاہ ابوالحسن ثانی محوی قدس سرہ العزیز ۲۷ شعبان المعظم سنہ ۱۱۸۶ھ روز دوشنبہ بوقتِ عصر حضرت مکان میں منصۂ شہود پر رونق افروز ہوئے۔ آپ ایک زبردست صاحبِ کمال بزرگ تھے۔ صوفیائے کرام میں آپ کا مرتبہ بہت ہی بلند تھا۔ صاحب مطلع النور مولانا شاہ عبدالحی واعظ بنگلوری مذکورہ مثنوی میں ایک مقام پہ حضرت سید شاہ عنایت اللہ فخری علیہ الرحمہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اعلیحضرت محوی قدس سرہ العزیز پر آپ کے والدِ بزرگوار اعلیحضرت ذوقی رح کی توجہ خاص تھی۔ ایک مرتبہ شاہ عنایت اللہ فخری رح نے خواب میں دیکھا کہ حضرت ذوقی رح تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دیکھو میں اپنے رب کے فضل سے میرے فرزند پہ توجہ کرتا ہوں۔ شاہ صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت حضرت سے استدعا کی کہ حضرت! مجھ پر بھی نظرِ کرم ہو۔ چنانچہ حضرت نے ہم دونو پر کامل توجہ ڈالی۔ انہیں ایام میں اعلیحضرت محوی قدس سرہ نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ حوضِ کوثر کے کنارے کھڑے ہیں، اتنے میں سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ کو اس میں غوطہ دیا۔ جب حضرت محوی قدس سرہ خواب سے بیدار ہوئے تو سارے کپڑے تر تھے۔ اور سردی کے اثر سے جسم لرزاں تھا۔

چنانچہ حضرت قطبِ ویلور قدس سرہ مکتوباتِ لطیفی میں لکھتے ہیں کہ "ابی و شیخی حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی قادری نیز اویسی بودند از روح پر فتوح حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اخذ کردہ اند و پس از بیداری آثار آں دیدن خود را اثر غسل خواب تربیت یافتہ اند" (مکتوباتِ لطیفی)

اس عجیب و غریب خواب سے بھی آپ کے علوِ مرتبت کا اظہار ہوتا ہے ؎ زہے مراتب خوابے کہ بہ ز بیداری است

آپ ظاہر و باطن کے جامع عابد یگانہ، زاہدِ زمانہ اور افضل الوقت تھے۔ آپ کے فضائلِ حمیدہ، خصائلِ پسندیدہ اور مناقب بے حساب ہیں۔ آپ کی محویت، محبت خدا، تواضع، رضا، توکل اور فقر و اخلاص کا مکمل طور پر جائزہ لینا ممکن نہیں ؎

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد
و آں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

یہی وجہ ہے کہ پیشِ نظر مضمون میں آپ کی بلند پایہ شخصیت کا مختصر سا جائزہ لیا گیا ہے اور آپ کی پاکیزہ زندگی کے بعض گوشوں پر معمولی سی روشنی ڈالی گئی ہے۔

محویت کا معنی گم ہو جانا ہے یعنی فنا و اضمحلال ایک چیز کی طرف متوجہ ہونے سے دوسری چیزوں کی مطلق خبر نہ رہے۔ ایسی حالت کو محویت کہتے ہیں۔ ارشاد الطالبین میں لکھا ہے کہ عقاید اور اعمال کے سوا اور بھی ایک کمال ہے جس کو "احسان" کہتے ہیں۔ اسی کو درویشوں کی اصطلاح میں تصوف و سلوک اور ولایت کہتے ہیں۔ جب صوفی پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہوتی ہے جس کو اصطلاح میں فنائے قلب کہتے ہیں، اس کا دل محبوبِ حقیقی کے مشاہدے میں ڈوب جاتا ہے، اسے دنیا و ما فیہا کی کچھ خبر نہیں رہتی اور اس پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جسکو محویت کہتے ہیں۔ ہر ایک ولی پر محویت کی کیفیت طاری ہوتی ہے اسی لئے حضرت ابو علی جرجانی نے ولی کی تعریف اس طرح کی ہے الولیؒ هو الفانی فی حاله والباقی فی مشاهدة الحق لم یمکن له عن نفسه اخبارٌ ولا مع غیر الله قرارٌ یعنی ولی وہ ہے جو اپنے حال سے فانی ہو اور خدا کے مشاہدے میں باقی ہو۔ اس کے لئے ممکن نہیں کہ اپنے حال سے خبر رکھے اور ماسوی اللہ سے آرام پائے۔ چونکہ اعلیحضرت محوی قدس سرہٗ اللہ تعالیٰ کے ولی اور عارف کامل تھے، آپ پر بھی اکثر محویت کا عالم طاری رہتا تھا۔ کتبِ تراجم، احوال میں اس قسم کے واقعات کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

صاحبِ ضمیمۂ جواہر السلوک حضرت سید شاہ محمد قادری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ "در شہور ہزار و دو صد و شش او را جذب شدید و حالاتِ عجیبہ از وی ہویدا گردید"۔ یعنی حضرت محوی قدس سرہٗ کو صرف چند مہینوں میں ایک ہزار دو سو چھ مرتبہ جذبے طاری ہوئے تھے۔ کبھی کبھی آپ کی محویت و استغراق کا یہ عالم ہوتا کہ آپ دنیا و ما فیہا سے بالکل بے خبر ہو جاتے اور قطعی ہوش نہ رہتا تھا۔ ؎

اے ز درت خستگاں را بوئے درماں آمدہ
یادِ تو مر عاشقاں را مونسِ جاں آمدہ

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں عبادت کا ذوق و شوق اس قدر تھا کہ آپ علیہ السلام صحابۂ کرام کی محفلوں میں ہوتے یا امہات المؤمنین کے حجروں میں اذاں کی آواز سن کر فوراً کھڑے ہو جاتے۔ تہجد کی نماز میں اکثر سورۂ بقر آل عمران اور سورہ نساء تلاوت فرماتے۔ خوف کی آیتوں پر خدائے تعالیٰ سے دعا کرتے اور کبھی کسی آیت کی بار بار تکرار فرماتے اور اس میں محو ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے

کہ آپ علیہ السلام نماز میں یہ آیت تلاوت کر رہے تھے اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ یعنی اگر تو سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں، اگر تو معاف کر دے تو غالب اور حکمت والا ہے۔ اس آیت کی آپ نے اسقدر تکرار فرمائی کہ صبح تک یہی آیت پڑھتے رہے۔

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور انور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز عصر میں دوسری ہی رکعت میں سلام پھیر دیا۔ حضرت ذوالیدین رض کھڑے ہوے اور سوال کیا کہ یا رسول اللہ نماز میں کمی کر دی گئی ہے، یا آپ سے بھول ہو گئی؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ یعنی بھول ہوئی نہ کمی ہوی۔ ذوالیدین رض نے کہا دونوں میں سے ایک ضرور ہوا ہے۔ یہ سنکر آپ علیہ السلام لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے اور دریافت کیا کہ کیا ذوالیدین ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ لوگوں نے اثبات میں جواب دیا۔ حضور صلعم نے بقیہ دو رکعت پھر سے جماعت کے ساتھ ادا کیا۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَمْ تُقْصَرْ وَلَمْ اَنْسَ یعنی نماز میں کمی ہوی اور نہ مجھے نسیان ہوا۔ معلوم ہوا کہ اتنی دیر تک آپ پر حالت محویت طاری تھی، جس کی وجہ سے ایسا ہوا۔

رسالہ "تذکرۃ السلوک" میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تلاوت قرآن مجید کے دوران بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے بتایا کہ "عالم ذوق میں ایک آیت کو بار بار اتنا پڑھا کہ اس کے متکلم سے اس کو سن لیا" یہی وجہ تھی کہ آپ پر محویت طاری ہو گئی۔

حضرت محوی قدس سرہ العزیز پر بھی اکثر ایسا ہی محویت کا عالم طاری رہتا تھا۔ ایکمرتبہ آپ مسجد تشریف لے گئے عشا کی اذاں ہو کر بہت دیر ہو گئی تھی۔ کسی کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ آپ سے نماز پڑھانے کیلئے کہیں۔ آخر کسی نے ہمت کر کے آپ سے نماز پڑھانے کی درخواست کی۔ پھر یکے بعد دیگرے تمام نے کہنا شروع کیا۔ پہلے تو آپ انکار فرماتے رہے، لیکن لوگوں کے بیحد اصرار پر نماز شروع کی۔ جب اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر پہنچے تو آپ پر محویت طاری ہو گئی اور آپ برابر اس آیت کی تکرار کرتے رہے۔ مقتدیوں میں سے کچھ لوگوں نے بولنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔

بہ جوں کوئے دوست ہست بصحرا چہ حاجت است

آخر کار تمام نے نیت کو توڑ دیا اور الگ الگ نماز ادا کر کے چلے گئے۔ آپ اسی طرح مذکورہ آیت کی تکرار کرتے رہے یہاں تک موذن نے جب الصلوٰۃ خیر من النوم کہا تو آپ کو ہوش آیا۔ یہ مقام نسیان نہیں بلکہ عالم محویت تھی جیسا کہ اوپر کی حدیث سے ابھی ابھی معلوم ہوا۔

حضرت محوی قدس سرہ العزیز توکل و رضا اور فقر و غنا میں سلف صالحین کے کامل متبع اور پیرو تھے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ اپنے ایک رسالہ "عمدہ" میں لکھتے ہیں کہ راہ سلوک کی

اصل دل کی صلاحیت پر ہے۔ اس کا حصول اس بات پر منحصر ہے کہ آدمی اپنے باطن کو تمام مذموماتِ دنیاوی سے پاک رکھے۔ کیونکہ فقر دنیا سے اعراض کرنے کا نام ہے۔ نیز آپ اسی رسالہ میں لکھتے ہیں کہ اہلِ فقر کے نزدیک درویش کا دنیا والوں سے میل ملاپ یا بادشاہوں کے پاس آمدورفت رکھنا حرام ہے۔

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے "حدائق" میں دیکھا ہے کہ عراق کا بادشاہ تین سال سے سخت بیمار تھا۔ استعانت و دعا کے لئے حضرت خواجہ شہاب الدین ششتری علیہ الرحمہ کو طلب کیا گیا۔ ادھر آپ نے دعا کر کے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا ادھر خداوندکریم نے آپ کی دعا کی برکت سے بادشاہ کو صحت و تندرستی عطا کر دیا۔ حضرت وہاں سے رخصت ہوئے اور ایک ساعت کے کفارہ میں جو بادشاہ کے پاس آنے اور جانے میں گذری تھی سات برس تک خلقت سے عزلت گزیں رہے۔

آپ فرماتے تھے کہ مشائخ طریقت کا ارشاد ہے' صحبت الاغنیاء للفقراء سمٌّ قاتل یعنی فقیروں کے لئے مالداروں کی صحبت سمِ قاتل ہے۔

ایک مرتبہ حضرت محوی قدس سرہٗ کی خدمت میں والیِ میسور ٹیپو سلطان شہید نے چودہ ہزار روپیوں کا گراں قدر نذرانہ روانہ کیا اور میسور آنے کی درخواست کی۔ آپ نے شکریہ کے ساتھ رقم واپس کرتے ہوئے قاصد سے کہا سلطان سے کہہ دینا کہ سلطنتِ خداداد کو چھ ماہ کے بعد زوال آنے والا ہے۔ لہٰذا فقیر میسور آنے سے معذور ہے کہ کہیں خلقِ خدا یہ نہ کہے، کہ میرے آنے کی وجہ سے اس سلطنت کو زوال آیا۔ قاصد واپس چلا گیا۔ اس کے چھ ماہ بعد ہی حضرت ٹیپو سلطان شہید ہوئے اور وہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ہو گیا۔

مذکورہ واقعہ سے آپ کی صفت رضا و توکل عیاں ہوتی ہے کہ آپ نے ٹیپو سلطان کی کثیر رقم منظور نہیں فرمائی، اس لئے کہ آپ کی پاکیزہ زندگی آیت ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ یعنی جس نے خدا پر بھروسہ کیا' اس کے لئے وہ کافی ہے کی مصداق تھی۔ آپ نے خدائے تعالیٰ کی رضامندی میں سکون پایا۔

اس واقعہ سے دوسری بات جو ہم پر عیاں ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جس متقی سے خداوند کریم راضی ہوتا ہے اس کو زمانے کے حالات سے واقف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت محویؒ کے دل کو نورِ باطن سے منور کر دیا تھا جس کی وجہ سے آپ پر آنے والے حالات منکشف ہو جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے وقت سے پہلے زوالِ سلطنت کی خبر دی تھی۔ یہ فراستِ مؤمن ہے جو حدیث سے ثابت ہے۔ جامع صغیر تاریخ بخاری اور ترمذی میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ یعنی مؤمن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

جو اللہ تعالےٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں' ان کے لئے زمین لپیٹ دی جاتی ہے' ہوا اور پانی پر ان کی حکمرانی

ہوتی ہے، وہ پلک جھپکنے میں ہزاروں میل کا سفر طے کر جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کے زمانہ میں ایک شخص دجلہ کے کنارے پریشان حال کھڑا تھا اس کو دوسرے کنارے پر جانا تھا لیکن کوئی بھی ذریعہ نہیں تھا۔ اتنے میں حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ وہاں پہنچ گئے۔ اس آدمی کو پریشان حال دیکھ کر آپ کو رحم آ گیا۔ اس سے آپ نے فرمایا کہ تم یا جنید، یا جنید کہتے ہوئے میرے پیچھے آؤ، اس کو پار کر جاؤ گے۔ آپ کے اس ارشاد کے مطابق وہ آدمی یا جنید یا جنید کہتا ہوا آپ کے پیچھے ہو لیا۔ اور آپ یا اللہ یا اللہ کہتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ اسی دوران اس آدمی کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ جو پانی پر چل رہا ہے، انہی کا تصرف ہے کیوں نہ وہ بھی یا اللہ یا اللہ کہے۔ یہ سوچنا تھا کہ وہ غوطے کھانے لگا۔ حضرت نے مڑ کر پیچھے اس کی حالت کو دیکھا اور کہا کہ خودی کو دل سے نکال تو خدائے تعالیٰ کی مدد اور میرے تصرف سے پانی پر چل رہا ہے، اس میں تیرے تصرف کی کوئی حقیقت نہیں۔

اسی طرح اعلیٰحضرت محوی قدس سرہ العزیز اللہ تعالیٰ کی مدد اور اپنے تصرف سے ایک مرتبہ اپنے ساتھ ایک مرید صادق کو مسجد حرم لے گئے تھے۔ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے ایک مرید صادق نے آپکی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ لوگ حضور کے مسجد تشریف نہ لانے پر عجیب عجیب خیالات رکھتے ہیں۔ آپ خاموشی سے سنتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ آنکھ بند کر لو۔ مرید نے آنکھ بند کر لی۔ پھر فرمایا کہ آنکھ کھولو۔ جب آنکھ کھولی تو دیکھا کہ دونوں مسجد حرم کے صحن میں بیٹھے ہیں اور موذن عصر کی اذان دے رہا ہے۔ دونوں حضرات نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد حضرت نے فرمایا کہ آنکھیں بند کر لو۔ مرید نے حسب حکم ایسا ہی کیا اور جب آپ کے حکم پر آنکھیں کھولا تو کیا دیکھتا ہے کہ جہاں سے چلے تھے وہیں دونوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس واقعہ سے مرید کو بڑی حیرت ہوئی، حضرت نے تاکید کر دی کہ میری زندگی میں کسی سے اس واقعے کا تذکرہ نہ کرنا۔ یہ حضرت محوی قدس سرہٗ کا عین تصرف تھا کہ آپ نے اپنے مرید کے ساتھ لمحہ بھر میں سینکڑوں میل کا سفر کیا اور واپس چلے آئے۔ یہ تو اس واقعہ کا پہلا رمز ہے۔ دوسرا رمز یہ ہے کہ چونکہ آپ خلوت نشین بزرگ تھے، اپنی ذات کے اظہار کو ناپسند کرتے تھے۔ اسی لئے مرید کو اس واقعہ کے افشا سے منع کیا۔ کیونکہ آپ اس قول کے بھی مصداق تھے الولیّ قد یکون مستورًا ولا یکون مشہورًا یعنی ولی پوشیدہ رہتا ہے ظاہر نہیں ہوتا۔

آپ انتہائی منکسر المزاج تھے، لیکن اس کے باوجود کسی کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ آپ سے بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کرے۔ آپ کے روئے انور سے متانت، رعب و دبدبہ کا اظہار ہوتا تھا جس سے امیر و فقیر تمام سہم جاتے تھے۔ اس رعب و دبدبہ کے باوجود آپ کی بلند پایہ شخصیت میں ایسی کشش تھی کہ لوگ دور دور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف باب ہوتے تھے۔

آپ کو فقر انتہائی عزیز تھا الفقر فخری، اس سنت مقدسہ کو آپ پوری طرح اپنائے ہوئے تھے، اپنے پاس جو بھی موجود ہوتا وہ خدا کی راہ میں خیرات کر دیتے

تھے۔ آپ کا دسترخوان ہمیشہ وسیع رہا۔ کوئی بھی آپ کی
بارگاہِ عالی سے محروم نہیں گیا۔ جو بھی آپ کے پاس جو نیت
لے کر آیا اس کو پایا۔ آپ نے کبھی کسی مخلوق خدا کو کسی
قسم کی تکلیف نہیں دی۔ اغنیا سے بے نیازی انتہا کو
پہنچی ہوئی تھی، آپ کی جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ ایک لاکھ
سے زائد روپئے نقد سائلین کو عطا فرمایا۔ چنانچہ حضرت
شاہ عبدالحی واعظ بنگلوری اپنی مثنوی مطلع النور
میں فرماتے ہیں:۔

راہِ مولا میں جو دیا زر و مال
اور مواشی دیا وہ بحرِ نوال
اس کے بعدِ وفات اس کا حساب
دیکھے دفتر سے جب ان نیک صفات
جبکہ گھوڑوں کا ہے حساب ہوا،
سات سو تھے جو راہِ حق میں دیا،
کوئی گھوڑے کی قیمت اے اکرم،
نہیں پنچاہ روپیہ سے تھی کم،
اور نہیں تھے ہزار سے بھی زیاد
تھے ز پنجاہ ہزار تک رکھ یاد

جو دیا نقد سائلوں کے تئیں
ہیں روپے لاکھ سے زیادہ یقیں

حاصل کلام واقف اسرارِ ربانی اعلیٰحضرت سید
شاہ ابوالحسن قادری محویؔ قدس سرہٗ کی پاکیزہ زندگی
اتباع سنت سے معمور تھی۔ آپ نے زہد و تقویٰ کو دولت
و ثروت پر ترجیح دیا اور عیش و آرام کے بجائے اپنے
لئے مجاہدات و ریاضات کو پسند فرمایا۔ توکل، رضا، حلم، فقر
و اخلاص آپ کے نمایاں اوصاف تھے۔

۲۶ رجمادی الاخریٰ سنہ ۱۲۴۳ھ بروز دوشنبہ صبح
صادق کے وقت آپ عالم فنا سے عالم بقا کی طرف منتقل ہو گئے۔
آپ کا مزار مبارک خاندانی گنبد میں زیارت گاہِ خاص و عام
ہے۔ گنبد مبارک کی دیوار پر مندرجۂ ذیل قطعۂ تاریخ کندہ ہے۔
جس میں غاب قطب الزمان سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

شد از طاق رخصت روان بوالحسن
پئے سیر در روضۂ جاودان
در آمد بمغرب سر آفتاب
چہ گویم سنش غاب قطب الزمان
۱۲ ھ ۴۳

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

از شیخ عبد السبحان
گھانی پٹیوی (آندھرا)
متعلم دار العلوم لطیفیہ حضرت ویلور

(۱) جو لوگوں سے مہربانی کے ساتھ پیش نہیں آتا اللہ تعالیٰ اس پر مہربانی نہیں کرتا۔

(۲) جو شخص نرمی سے محروم کیا گیا وہ ہر نیکی سے محروم کر دیا گیا۔

(۳) قیامت میں سب سے زیادہ مجھ سے وہ شخص قریب ہوگا جو مجھ پر کثرت سے درود شریف بھیجتا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا ہے بلکہ تمہارے دلوں کو اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔

(۵) تم اپنے لئے وہی پسند کرو، جو دوسروں کے لئے پسند کرتے ہو۔

(۶) لوگ تمہارے تابع (پیرو) ہیں۔ بہت سے لوگ مختلف سمتوں سے تمہارے پاس علم سیکھنے آئیں گے پس جب وہ آئیں تو ان کو بھلائی کی نصیحت کرنا۔

(۷) حسنِ سلوک کے استحقاق میں لڑکے اور لڑکیاں برابر ہیں محض لڑکی ہونے کی وجہ سے لڑکی اور لڑکے کے ساتھ طرزِ عمل میں کوئی فرق نہ کرنا چاہئے۔

(۸) لوگوں کو اذاں اور پہلی صف کا ثواب معلوم نہیں، اگر معلوم ہو جائے تو اس کو حاصل کرنے کے لئے لوگ آپس میں قرعہ اندازی کرنے لگینگے اور لوگوں کو نماز کا ثواب معلوم ہو جائے تو لوگ سینے کے بل چل کر آیا کریں گے۔

(۹) تین آدمی قیامت کے دن مشک کے ٹیلوں پر بیٹھے ہوں گے۔ میدانِ حشر کے لوگ ان لوگوں کے مرتبے پر رشک کریں گے:۔

(۱) وہ غلام جس نے اپنے آقا کی خدمت کے ساتھ ساتھ مولائے حقیقی کا حق بھی ادا کیا ہو۔

(۲) وہ شخص جس نے امامت کی اور اس کے مقتدی اس سے خوش ہیں۔

(۳) وہ موذن جو اللہ کے واسطے پانچوں وقت اذاں کہتا ہو۔

(۱۰) جب تک کسی شخص میں تین خصلتیں نہ ہوں اس سے کسی قسم کی توقع کرنا فضول ہے ۱۔ حیا ۲۔ امانتداری ۳۔ سچائی۔

(۱۱۔) جس کو یہ چار چیزیں ملیں اس کو گویا دونوں جہان کی نعمتیں مل گئیں۔ ذکر[۱] کرنے والی زبان۔ شکر[۲] کرنے والا دل۔ بلاؤں[۳] پر صابر جسم اور مال[۴] و عصمت میں خیانت نہ کرنے والی بیوی۔

(۱۲) چار چیزیں تم میں ہوں تو پھر کسی چیز کے نہ ہونے پر غمگین نہ ہونا چاہئے۔ سچائی، امانت، حسنِ خلق، طعام حلال۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اسلام کی حقانیت سائنس کی روشنی میں

از: چیگری سید عشاق محمد قادری تارِیٹنری
زمرۂ سادسہ
دارالعلوم لطیفیہ
مکان حضرت
قطب ویلور قدس سرہٗ

سائنس کا دائرہ پھیلتے پھیلتے اس قدر وسیع ہو چکا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اس کی زد میں آ گئی ہے۔ سائنس انسانی زندگی میں اس طرح رچ بس گئی ہے کہ لوگوں کے طرز و فکر پر آج اسکی حکمرانی ہے۔ اسی غلبہ و اثر کا نتیجہ ہے کہ لوگ عموماً ہر چیز کو سائنس کے زاویے سے دیکھنے لگے ہیں۔ چنانچہ آج مسلمان بھی اپنے مذہبی مسائل و احکامات کو سائنس کی روشنی میں جانچنے لگے ہیں۔

زیر نظر مضمون میں چند اسلامی احکامات کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن کی حقانیت پر آج سائنس خود شہادت دے رہی ہے۔

قرآن پاک میں کئی مقامات پر مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ آسمان و زمین کی تخلیق محض کھیل و تماشہ نہیں بلکہ اس میں مقصد خاص اور منشاء عظیم پوشیدہ ہے۔ قرآن نے یہ بھی بتا دیا کہ اس کا منشا صرف انسانوں کو فائدہ پہنچانا ہے، جیسا کہ قرآن ناطق ہے:۔

الم تر ان اللہ سخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض (لقمٰن)۔	کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے

دورِ جدید کی سائنسی تحقیقات و تجربات آج ان چیزوں کا انکشاف کر رہی ہیں جسے اسلام چودہ سو سال قبل ایک ایسے دور میں پیش کر چکا ہے جس میں آلات و مشینری طاقتوں کا وجود تک نہ تھا۔ وہ قرآن مقدس جو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اس کو قوم مسلم نے منقش لحافوں میں ملحف کر کے زینتِ طاق بنا دیا ہے۔ اگرچہ بعض کو پڑھنے کی توفیق ہوتی ہے۔ مگر صرف روایتی انداز سے پڑھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے حق ادا کر دیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے:۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من قرأ القرآن فأعربہ کان لہ بکل حرف عشرون حسنۃ ومن قرأ بغیر اعراب کان لہ بکل حرف عشر حسنات	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن پڑھا اعراب کے ساتھ (سمجھکر) اس کو ہر حرف پر بیس نیکیاں ملینگی اور جو کوئی بغیر اعراب کے پڑھیگا اسکو ہر حرف پہ دس نیکیاں ملینگی۔

علامہ سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اعراب سے مراد علم نحو کے اعراب زبر، زیر، پیش نہیں بلکہ اس سے مراد سمجھکر پڑھنا ہی کیونکہ جو شخص زبر، زیر، پیش کی غلطیوں سے تلاوت کرتا ہے اس کو دس نیکیاں تو در کنار ایک بھی نہیں ملتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہوں پر سوچ سمجھ کر پڑھنے اور تدبر و تفکر کرنے کی تاکید فرمائی ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔

افلا یتدبرون القرآن	کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے (سورہ نساء)

پارۂ حٰمٓ۔ سورۂ محمد کے دوسرے رکوع کی ۲۳ آیت میں غضبناک لہجہ میں فرماتا ہے:

افلا یتدبرون القرآن ام علیٰ قلوب اقفالھا۔

کیا یہ لوگ قرآن پاک میں غور و فکر نہیں کرتے؟ کیا ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں۔

پارہ وما لی سورہ ص کے تیرہ رکوع کی ۲۸ آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

کتاب انزلنا الیک مبارک لیتدبروا آیاتہ ولیتذکروا اولوا الالباب۔

یہ وہ (قرآن) بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ (اے محمد) پر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اسکی آیتوں میں غور و فکر کریں۔ اس سے اہل عقل نصیحت حاصل کریں۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:۔

لا توسدوا القرآن واتلوہ حق تلاوتہ آناء اللیل والنھار وانشرہ وتدبروا ما فیہ لعلکم تفلحون۔

قرآن پاک سے غفلت برتو اور شب و روز اس کی اسطرح تلاوت کرو جیسا کہ اسکا حق ہے اور اسکو عام کرو اور اسکے مضامین کے اندر غور کرو، فکر کرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اسلام کی اس مقدس تعلیم پر آج، سائنس لبیک کہہ رہی ہے۔ اگر سائنسدان تعصب و عناد کا لبادہ اتار کر تحقیقات و تجربات کے میدان میں اتر آئیں تو یقیناً ان کی کاوشیں حقیقت حال کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دینگی اور انہیں لامحالہ اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہوگا جس کو اسلام پیش کر چکا ہے۔

تاریخ نے بعض حق پسند اشخاص کے کارناموں کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیا جنہوں نے حقیقت کا اقرار کیا۔ سرڈ بوڈ بروسٹر Sard Bod Broster نامی ایک بڑا سائنس دان اپنی تجربہ گاہ میں پانی کے ایک قطرے کا مطالعہ کر رہا تھا اُسے معلوم ہوا کہ پانی کے ہر ذرہ (Atom) کی ترکیب ایک گھڑی کی مشین سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے۔ اس کے ملاحظہ سے اس پہ وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ فرطِ حیرت سے پکار اٹھا "Oh God how marvellous are thy works" اے رب تیرے کام بھی کس قدر حیرت انگیز ہیں ——!

یہ رہا صحیح غور و فکر کرنے کا نتیجہ کہ اپنی فکر صحیحہ سے کام لے کر نگاہوں سے اوجھل ایک ذات کے وجود کو ماننے پر مجبور ہو گیا جس کا وہ اب تک منکر تھا۔

صرف اسلام ہی ایک ایسا ہمہ گیر مذہب ہے کہ اس نے جو بھی تصور پیش کیا اُس کو سائنس مشاہدات کے روپ میں دیکھنے کی جد و جہد کی اور جب انہیں کامیابی ہوئی تو اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پایا کہ ہم آج جس کو آلات کے ذریعے دیکھ رہے ہیں اسکو نبی آخر زماں صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل ہی اپنی چشم بصیرت سے

دیکھ چکے تھے۔ آج سائنسدانوں نے کہا کہ آواز کو فنا
نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ کے لئے فضا میں باقی رہتی ہے،
چنانچہ (Radio) اسی تحقیق کا ثمرہ ہے۔ مزید
ان کا بیان ہے کہ پُرانی آوازوں کا سننا جو صدیوں سے
فضا میں گردش کر رہی ہیں بعید از قیاس نہیں ہے۔
ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خطبہ، جو
حجۃ الوداع کے موقع پر دیا تھا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا وہ خطبہ جو انہوں نے حواریوں کے سامنے
فرمایا تھا، حضرت آدم علیہ السلام و حوا علیہا السلام
کی باتیں، ہابیل و قابیل کے جھگڑے، حضرت نوح
علیہ السلام اور ان کے فرزند کا مکالمہ، فرعون کا دعویٰ
خدائی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ پیاری دُعا جو مکہ
کی لق و دق وادی میں کی تھی، ان تمام کا سُننا ممکن ہے
معلوم ہُوا ہے کہ آوازوں کو پکڑا گیا ہے اور ابھی صاف
طور پر پتہ نہیں چل رہا ہے کہ کون آواز کس کی ہے بہرکیف
انسان آج وائرلس کے ذریعہ گھر بیٹھے دنیا بھر کی خبروں
سے مستفید ہو رہا ہے لیکن ہمارے اسلاف نے آج سے
کئی سال پیشتر بغیر کسی آلہ اور تعلق کے خبریں سننے کا
محکمہ قائم کیا تھا جس کی بہترین مثال حضرت سیدنا عمر
ابن خطاب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جس سے بات صاف
ظاہر ہوتی ہے ملاحظہ ہو:۔

خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ،
مع صحاب ایک مجمع میں جلوہ افروز تھے۔ مختلف مسائل پر
بحث ہو رہی تھی۔ دورانِ کلام آپ کی آواز میں تغیر
پیدا ہو گیا اور زبانِ اقدس سے (یاالبیکاہ) کی آواز محفل
میں گونج اٹھی۔ حاضرین آپ کا چہرہ تکتے رہے۔ واقعہ یہ تھا
کہ اسلامی لشکر ایک دُور دراز مقام پر برسرِ پیکار تھا۔ امیرِ لشکر
دشمنوں کا تعاقب کرتے ہوئے ایسے خطرناک مقام پر پہنچ چکے تھے
جہاں پانی کی ایک بڑی جھیل حائل تھی جس کی گہرائی کا کسی کو
علم نہ تھا۔ سردارِ جماعت اپنے ایک سپاہی کو حکم کرتے ہیں کہ وہ برہنہ
ہو کر جھیل کی گہرائی کا پتہ لگائے۔ چنانچہ مجاہد نے حکم کی تعمیل
کی۔ باوجودیکہ سرد ہوائیں جسم میں سوئیاں چبھو رہی تھیں،
پانی کی ٹھنڈک بھی ناقابلِ برداشت تھی۔ لیکن امیر کا حکم ہر
حال میں مقدم تھا وہ مردِ مومن جیسے ہی جھیل کی سرد لہروں
میں غوطہ زن ہوا اضطراری طور پر اس کی زبان سے واعمراہ!
واعمراہ!! کی ایک دلدوز صدا فضا میں گونج اٹھی۔ خدا جانے
وہ کونسا ربط و تعلق تھا کہ اُس دور دراز مقام سے ایک مجاہد
کی فریاد خلیفۂ دوم مدینۂ منورہ ہی میں رہ کر سُن رہے ہیں اور
جواب میں "لبیک لبیک" فرما رہے ہیں۔

مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت سیدنا عمر ابن
خطاب رضی اللہ عنہ، خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ وطن سے
کوسوں دُور نہاوند میں مجاہدانِ اسلام حضرت ساریہ رضی اللہ
عنہ، کی سرکردگی میں مصروفِ جنگ تھے غنیم کی فوج کا ایک
دستہ لشکرِ اسلام سے مشغولِ پیکار تھا مسلمان دشمنوں کا خاتمہ
کر رہے تھے۔ حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ، کی نظریں مدِ مقابل
فوج پر لگی ہوئی تھیں، اور دشمنوں کا ایک دستہ پہاڑ کی پشت
سے مجاہدینِ اسلام پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بڑی سُرعت
کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا، لیکن خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی باطن بین نگاہیں سینکڑوں میل دُور رونما ہونے والے معرکہ کو دیکھ رہی تھیں اور دشمنوں کی چالاکی کو بغور ملاحظہ کر رہی تھیں، آپ کو فوری احساس ہُوا کہ اگر دشمنان اسلام اپنے اس پلان میں کامیاب ہو جائیں تو لشکرِ اسلام ایک عظیم حادثہ سے دوچار ہوگا، اس خیال سے آپ خطبہ کے درمیان آواز دیتے ہیں "یا ساریۃ الجبل، یا ساریۃ الجبل" حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ، چوکنا ہو جاتے ہیں، صورتِ حال بھانپ جاتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، مدینہ ہی سے مجھے عظیم خطرے سے آگاہ کر رہے ہیں۔ فی الفور حضرت ساریہؓ لشکر کے ایک دستہ کو لے کر پہاڑ کی جانب مائل ہو کر دشمن کے پلان کو نیست و نابود کر کے کامیاب و کامران ہو جاتے ہیں۔

ایسے واقعات جو عقل و فہم سے بعید ہیں، جب عقل پرستوں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں تو وہ کئی اعتراضات کر بیٹھتے ہیں کہ اتنی دوری اور درمیان میں کوئی تعلق بھی نہ ہو، وہ کیونکر دیکھ سکتے ہیں؟ ان معترضین کے لئے دَورِ جدید کی ترقیات سے ایک عمدہ و بہترین جواب دیا جا سکتا ہے۔ وائرلس کو لیجئے اس کے ذریعہ کتنی بھی دُوری کیوں نہ ہو بآسانی اس طرح گفتگو کر سکتے ہیں گویا ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ ان نادر آلات کو دیکھتے ہوئے بھی ان کا اعتراض ان درست واقعات پر کہاں تک ٹھیک ہو سکتا ہے اپنی سمجھ بوجھ سے ایک وائرلس جیسی شئے سے ہزار ہا میل کی خبریں سنتا اور سناتا ہے تو کیا قادرِ مطلق اپنے مقرب و محبوب بندوں سے ایسے کام نہیں لے سکتا؟ اس میں کونسی حیرت و تعجب کی بات ہے؟ ——

عقل پرستوں کے لئے قرآن پاک کا یہ ارشاد

یوم تشهد علیهم السنتهم وایدیهم وارجلهم بما کانوا یعملون (سورۂ نور)	جس دن کہ ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں جو کچھ وہ کر رہے ہیں اسکی گواہی دیں گے۔

کا سمجھنا ایک مصیبت بنا ہوا ہے کہ یہ بے زبان ہاتھ اور پاؤں ہماری ان دنیوی حرکات کا جو اچھائیوں اور برائیوں سے ہے اس کو کیونکر بیان کریں گے۔

سائنس دانوں نے اپنی خداداد صلاحیت سے کام لیکر رکارڈ سسٹم کو وجود بخشا اور ایک بیّن دلیل قائم کر دی کہ ایک ریکارڈ جس کا موجد انسان ہے جس کا چلنا پھرنا اور زندہ رہنا اس کی ہر ایک حرکت خدا کے ارادہ پر موقوف ہے اگر وہ ایک بے زبان چیز کو قوت گویائی بخش سکتا ہے تو کیا اللہ رب العزۃ ایک جاندار کے ہاتھ پیر سے یہ کام لے نہیں سکتا؟

رب کریم سورۂ قمر کے پہلے رکوع کی ۱۶ آیت میں ارشاد فرماتا ہے:—

ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر۔	ہم نے قرآن کو سمجھنے والوں کے لئے آسان کر دیا ہے کوئی جو اسے سمجھے اور اس سے نصیحت لے۔

قرآن پاک کی اس آواز پر آج سائنس لبیک کہہ رہی ہے اور اس کے رموز و اسرار کا انکشاف کر رہی ہے۔ سائنس کا یہ دعویٰ ہے کہ ہر چیز سردی و گرمی کے اثرات کو قبول کرتی ہے۔ لہٰذا سردی سے

سکڑنا اور گرمی سے پھیلنا لازمی ہے۔ اسی لئے ریل کی پٹڑیوں میں جہاں جوڑ ہوتا ہے درمیان میں کچھ خلا ہوتا ہے تاکہ حرارت کی وجہ سے لوہے کے پھیلنے میں آسانی ہو۔ یہی خاصیت زمین میں بھی موجود ہے۔ جب رات ہوتی ہے تو سرد ہوائیں چلنے لگتی ہیں جس کی وجہ سے زمین سکڑ جاتی ہے اور جب آفتاب طلوع ہوتا ہے اس کی تپش سے اس میں پھیلاؤ آجاتا ہے۔ گویا سائنس کے اس تصور کے پیش نظر رات میں سفر کی مسافت بہ نسبت صبح کی مسافت کے بہت کم ہوتی ہے۔

اسی بات کو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال قبل اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

علیکم بالدلجۃ فان الارض تطوی باللیل	رات میں سفر کیا کرو، کیونکہ رات میں زمین سکڑ جاتی ہے۔

(ابو داؤد)

آج ہم خود دیکھ رہے ہیں، اکثریت ان لوگوں کی ہے جو رات میں ہزارہا میل سفر طے کر جاتے ہیں اور خود مسافر اس بات کے معترف ہیں کہ جسقدر راستہ رات میں طے ہوتا ہے دن میں ہو نہیں پاتا۔ غور کیجیئے جس بات کو آج قیمتی آلات کے ذریعہ رات دن کی جدوجہد کے بعد پیش کرتے ہیں جس کو اسلام پہلے ہی بیان کر چکا ہے۔ سورۂ نمل کے دوسرے رکوع کی ۱۵ آیت پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وقال یاایھا الناس علمنا منطق الطیر واُتینا من کل شیٔ	اور کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں اور ہمیں ہر چیز سے نوازا گیا ہے،
ان ھٰذا لھو الفضل المبین۔	بیشک یہی کھلا فضل و احسان ہے۔

یہی وہ خدائی طاقت تھی جسکے ذریعہ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی زبانوں پہ حاوی تھے اور ان کی بولیوں کو خوب سمجھتے اور ان سے کلام کیا کرتے تھے۔ جیساکہ ہُدہُد کا واقعہ قرآن پاک میں مذکور ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام دربار میں تشریف فرما تھے۔ سارا لشکر اور کل پرندے حاضر دربار تھے مگر ہدہد حاضر نہ تھا تو آپ نے فرمایا:۔

ومالی لا اری الھدھد ام کان من الغائبین۔	کیا بات ہے کہ ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ کیا وہ غائب ہے؟

بات دراصل یہ تھی کہ ہدہد اُڑتا ہوا صنعاء ملک یمن گیا تھا جہاں کی حکمراں بلقیس تھی جس کے متعلق قرآن میں وارد ہے:

ولھا عرش عظیم	اس کے لئے عظیم عرش ہے۔

مفسرین کرام لکھتے ہیں بلقیس کا ایک تخت تھا، جو ۴۰ گز چوڑا ۸۰ گز لمبا ۳۰ گز اونچا سونا چاندی قیمتی ہیرے جواہرات سے مرصع تھا۔ ہدہد یہ ساری کیفیت ہوبہو سُناتا ہوا وجہ تاخیر بیان کرتا ہے۔ یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام اسی کے ذریعہ اس خاتون کو دعوتِ اسلام پیش کرتے ہیں۔ بلقیس اراکین وعمائدین سلطنت سے مشورہ لینے کے بعد حاضری کے لئے عازم سفر ہو جاتی ہیں۔ اور ادھر حضرت سلیمان علیہ السلام حاضرین دربار سے فرماتے ہیں جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ نمل کے تیسرے رکوع کی ۳۷ آیت میں یوں بیان کیا ہے:

یاایھا الملؤا ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین۔

اے درباریو تم میں کون ، ایسا ہے جو اس کا (بلقیس) تخت اس کے آنے تک میرے سامنے لاسکے۔

بلقیس ملاقات کا عزم کرکے اپنے دربار سے نکل چکی تھیں حضرت سلیمان علیہ السلام درباری عالموں سے سوال کرتے ہیں کہ اس کے آنے تک اس تخت کو کون لاسکتا ہے؟ قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دربار اور بلقیس کے تخت کا درمیانی فاصلہ دو ماہ کی مسافت کا تھا اور تخت کی اونچائی چوڑائی اور لمبائی کا یہ عالم اور اتنا عظیم وزنی تخت اتنی دوری سے اتنا جلدی لے آنا کیا قرین قیاس ہے۔ مگر قرآن عظیم کا فرمان ہے کون انکار کرسکتا ہے۔

قال عفریت من الجن انا اتیك به قبل ان تقوم من مقامك و انی علیه لقوی امین

ایک جن کہنے لگا کہ میں وہ تخت آپ تک لے آؤں گا اس سے قبل کہ آپکا اجلاس برخواست ہو۔

اتنی سی تاخیر حضرت سلیمان علیہ السلام کو گوارا نہ تھی۔ دوبارہ آپ نے سوال کیا اس سے بھی جلد حاضری درکار ہے تم میں سے کون لاسکتا ہے؟ یہ سن کر آصف ابن برخیا نامی درباری عالم اٹھ کر کہتے ہیں:۔

قال الذی عنده علم من الکتاب انا اتیك به قبل ان یرتد الیك طرفك فلما راٰه مستقراً عنده۔ (سورہ نمل رکوع تیرا ۲۹ ر آیت)

ایک صاحب علم اٹھے اور کہنے لگے۔ آپ پلک جھپکنے سے پہلے تخت حاضر کردوں گا۔

اتنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت کو اپنے سامنے موجود پایا۔ یہ کتابی عالم اس قدر قلیل عرصہ میں گئے بھی اور تخت کو لے بھی آئے گویا بیک وقت یہاں بھی وہاں بھی اور پھر یہاں بھی۔ ان واقعات صحیحہ کو سننے کے بعد بھی بعض لوگ انکار کرتے ہیں لیکن انہی کی آنکھوں کے سامنے شب و روز اس طرح کے حیرت انگیز واقعات درپیش ہو رہے ہیں مگر ان کو تعجب نہیں ہوتا جیسا کہ اس دور جدید میں اسکی نظیر حضرت انسان کے پاس تار اور ٹیلیگرام کی ٹک ٹک ہے جو ایک عام ذہن کے لئے بے معنی و مہمل آواز ہے لیکن فہم و ادراک کا مالک اسی ٹک ٹک کے ذریعے دنیا بھر کی خبروں سے روشناس ہو رہا ہے۔ خالق کائنات اپنے رسولوں و مقرب بندوں سے اس قسم کے کام لیتا ہے۔ تو اس کے لئے یہ کونسا مشکل امر ہے۔ اگر وہ چاہے تو آن کی آن میں دنیا کو نیست و نابود کرسکتا ہے اور آن واحد میں ایک نئی دنیا بسا سکتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے درباری عالم اس مختصر سے عرصے میں دو ماہ کی دوری سے ایک وزنی تخت لے آئیں تو یہ کوئی مقام تعجب نہیں ہے جبکہ انسان اپنے ایجاد کردہ راکٹوں اور ہوائی جہازوں سے فی گھنٹہ ہزارہا میل کا فاصلہ طے کرتا جا رہا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سفر سے متعلق قرآن مجید میں سورۂ سبا کے دوسرے رکوع کی بارہویں آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ولسلیمان الریح غدوھا شھر و رواحھا شھر

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہوا کا سفر ایک صبح میں ایک ماہ کا اور ایک شام میں ایک ماہ کی مسافت کا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہوائی تخت جس پر آپ اعیانِ دولت اور ضروری سامان کے ساتھ ہوا میں پرواز کرتے تھے شام سے یمن اور یمن سے شام ایک ماہ کی مسافت صرف ایک صبح شام میں طے کرتے تھے جس کو ایک شہسوار مسلسل شب و روز چل کر ایک ماہ میں طے کرتا تھا اس واقعہ کو سن کر دورِ جاہلیت میں اگر کوئی اعتراض کرتا تو کوئی بات نہ تھی لیکن اس تیز رَو دَور میں جبکہ انسان برق رفتار سواریوں میں چیل کوّے کی طرح سفر کر رہا ہے اور جسکی رفتار کا یہ عالم ہے کہ منٹوں میں کئی دن کا سفر ——— طے کرتا جارہا ہے اور یورپ و امریکہ کے ماہرین جو کام ایٹم اور الکٹرانک کے ذریعہ انجام دیتے ہیں تو کیا یہ کام قدرتِ الٰہیہ کے لئے محال ہوسکتا ہے کہ وہ بندوں سے نہ لے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

المومن اذا اشتھی الولد فی الجنۃ کان حملہ ووضعہ وسنہ فی ساعۃ کما یشتھی۔	جب بندۂ مومن جنت میں اولاد کی خواہش کرے گا تو فوراً حمل قرار پائے گا اور دوسرے تمام مراحل سے گذر کر فوراً بچے کی شکل میں حاضر ہو جائیگا۔

آج سائنس اس بات کی تصدیق کر رہی ہے۔ اس کی نظیر ان کے پاس مرغی کے انڈوں کی ہے کہ وہ انہیں ایک معینہ مقدار تک مشین میں رکھ کر گرمی پہنچاتے ہیں، یہاں تک کہ ۱۲ گھنٹے کی قلیل مدت میں انڈوں سے چوزے نکل آتے ہیں۔ حالانکہ اسی کام میں مرغی ۲۱ دن کا ایک دراز عرصہ لگا دیتی ہے۔

دلائل النبوۃ میں مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے نماز خسوف ادا کرتے وقت جنت کے انگوروں کے خوشوں کو بالکل سامنے دیکھا" اور قرآن میں بھی آیا ہے کہ جنتی جنت میں رہ کر جہنم والوں سے ایسے رفیقانہ ماحول میں گفتگو کرینگے کہ گویا وہ ایک ہی جگہ بیٹھے ہیں، حالانکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جنت و دوزخ کا درمیانی فاصلہ زمین سے افق میں چمکنے والے کسی ستارے کا ہے۔ قرآن و حدیث میں ایسے کئی مضامین ہیں جن کے سننے کے بعد مادہ پرست فی الفور کہہ اٹھتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ لیکن آج سائنس گواہی دے رہی ہے کہ ایسا ہونا ممکن ہے۔ اس کی مثال بھی ان کے نزدیک ہے۔

ٹیلی ویژن جس کے ذریعہ ہندوستان میں اپنے گھر میں بیٹھ کر برطانیہ میں تقریر کرنے والے کو اس طرح دیکھ لیتا ہے جیسے کہ وہ اپنے گھر والوں کو دیکھتا ہے۔ حالانکہ برطانیہ اور ہندوستان کا درمیانی فاصلہ کئی ہزار میل کا ہے۔ جب ان ظاہری آنکھوں میں اتنی قدرت و طاقت موجود ہے کہ وہ ایک آلہ کے ذریعے ایک دُور افتادہ شئے کو بعینہٖ دیکھ رہی ہیں تو کیا رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ مبارک آنکھیں بغیر کسی آلہ کی مدد کے جنت کے انگوروں کے خوشے دیکھ رہی ہیں تو یہ کونسی عجیب بات ہے۔

مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اذا عطس احدکم ——— جب کوئی تم میں سے چھینکے

فالیقل الحمدللہ — پس الحمدللہ کہے اور اس کا بھائی
ولیقل لہ اخوہ — اور صاحب جو سُنے تو جواب میں
اوصاحبہ یرحمک اللہ — یرحمک اللہ کہے۔

مفکرین اس معاملہ میں غور وخوض کرنا شروع کیا کہ اہل اسلام کا یہ عقیدہ کہ چھینکنے کے بعد کیوں الحمدللہ کہنے اور جب دوسرا مومن بندہ سنتا ہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہنا، ایسا کیوں؟ یہ سوال ان کے ذہنوں میں کھٹکنے لگا۔ آخر کار وہ تجربہ کرکے اس نتیجہ پر پہنچے کہ آدمی جب چھینکتا ہے، تو اس کے قلب کی حرکت رُک جاتی ہے۔ حرکت کا رُکنا گویا موت کا واقع ہونا ہے۔ اسی لئے اسلام کہتا ہے کہ جب ایک مومن بندہ چھینک سے نجات پاتا ہے تو اس وحدہٗ لاشریک کا شکر بجالاتا ہے جس نے اس کو دوبارہ ایک نئی زندگی عطا کی۔ آج مادیات کے جاننے والے آلات کے ذریعہ دیکھ کر کہہ رہے ہیں جبکہ بانی اسلام سینکڑوں سال پہلے اسکی وجہ اور تاکید شکر کو بیان فرما دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور سرورکونین صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دیہاتی شخص بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک جنتی خدائے واحد سے کھیتی کرنے کی اجازت طلب کرے گا خدا اس سے کہے گا جس حال میں تو ہے کیا یہ کافی نہیں ہے؟ وہ شخص کہے گا ہاں کافی ہے لیکن میں زراعت کرنا چاہتا ہوں۔ وہ زمین میں بیج ڈالیگا، پلک جھپکانے تک سبزہ اُگ آئے گا اور بڑھ بھی جائے گا۔ کھیت تیار ہوگا پھر کٹ کٹا کر آنِ واحد میں مثل پہاڑوں کے انبار لگ جائیں گے، خدا اس سے فرمائے گا اے آدم کے بیٹے، کیا تیری خواہش پوری ہوگئی۔ تیرا پیٹ حرص کا ہے کسی چیز سے نہیں بھرتا۔ حضور کا یہ ارشاد سن کر دیہاتی نے کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم وہ شخص قریشی ہوگا، یا انصاری؟ کیونکہ یہی دو فرقے زراعت کے خواہشمند ہیں، ہمارا پیشہ زراعت نہیں ہے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بندۂ مومن کا جنت میں تخم ریزی کرنا، فوری اس کا اُگنا بڑا ہوکر کٹ کر لمحہ بھر میں ڈھیر لگ جانا ممکن ہے اور مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے مگر اب غیر مسلم بھی اس کا اقرار کر رہے ہیں اور ان کا تجربہ ہے کہ وہ نایاب قسم کے ادویات کو استعمال کرکے ہر اناج میں کثرت پیدا کر لئے ہیں جس سے زیادتی اناج ہی نہیں بلکہ اس کے اُگنے میں کمی مدت کی کمی واقع ہوی ہے اور ہو رہی ہے۔ جب اس زمین میں یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ وہ ان چند انسانی ادویات کے ذریعہ ایک کثیر مدت کو قلیل مدت میں تبدیل کر دی ہے تو قادر قیوم کیوں نہیں ایک سکنڈ میں اس کام کو انجام دے سکتا ہے۔

چند سال قبل پل صراط پر چلنے والوں کی برق رفتاری عقل انسانی کے لئے تعجب بنی ہوی تھی لیکن آج وہی انسان فی گھنٹہ ۲۵ ہزار میل کی مسافت طے کرنے والی خلائی سواریوں (راکٹوں) میں سفر کرلیتا ہے اور روشنی کی رفتار جو فی سکنڈ ایک لاکھ

چھپا ابلیس ہزار میل ہے دیکھ لیتا ہے تو اس کو پل صراط
کی برق رفتاری پر کوئی تعجب نہ ہونا چاہیئے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کلام پاک میں سورۃ القارعۃ
کی پانچویں آیت میں ارشاد فرماتا ہے:

فاما من ثقلت موازینه	پس جس کے اعمال وزنی
فهو فی عیشة راضیه	ہو جائیں تو وہ پسندیدہ
واما من خفت موازینه	زندگی میں ہے اور جس کے
فامه هاویة وما	نامۂ اعمال ہلکے ہوں،
ادراك ماهیه نار	تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے
حامیه۔	کیا آپ جانتے ہیں وہ کیا ہے وہ ایک بھڑکتی ہوئی آگ ہے

وزن ہونے اور نہ ہونے کا مفہوم جوں ہی ذہن میں آتا ہے تو فوراً پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اعمال تُلے جائیں گے اور اسی کے موافق اجر دیا جائے گا مگر اس مقام پر حیوانِ ناطق کی عقل حیران ہے کہ اعمال جو غیر مرئی ہیں اسکو کیونکر تولا جائے گا مگر ہم دیکھ رہے ہیں آلات کے ذریعے ہوا کا وزن و حرارت کی مقدار بآسانی معلوم کرلی جارہی ہے کہ کس مقدار میں بارش ہوئی ہے۔ آواز کی شدت وضعف کا اندازہ کرنے کے آلات اس کے پاس موجود ہیں اور دن بھر دوڑنے پھرنے والی سواریوں میں رفتار کا میٹر لگا ہوا ہے جس سے اس کی تیزی کا بخوبی پتہ چل جاتا ہے اور یہاں تک سننے میں آیا ہے کہ اہل جرمن ایسے آلات کے موجد ہیں، کہ وہ اخلاق انسانی کی بھی ناپ تول کر لیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر مرئی چیزوں کا وزن بھی ہوسکتا ہے۔ ان واقعات کے پیش نظر اسلام کا وہ نظریہ کیوں کر غلط ہوسکتا ہے۔

حضور سردارِ انبیاء، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارے پر درخت آپکی بارگاہ میں حاضر ہو کر رسالت کی گواہی دیتے تھے۔ اسی مفہوم کو علامہ امام بوصری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہی خوب بیان فرمایا ہے۔

جاءت لدعوته الاشجار ساجدةً
تمشی الیه علی ساقٍ بلا قدم

اس پر کئی واقعات شاہد ہیں اور یہ ارضی چیزیں ہیں، لیکن خلائی چیزیں بھی آپ کے ادنیٰ اشارے پر آپ کی اطاعت و پیروی کیا کرتی تھیں جیسا کہ شق القمر اور رابعہ کا واقعہ ہے، دورِ حاضرہ کے ماہرین نباتات نے اپنی خداداد عقل سے کام لیکر آلات کے ذریعہ ثابت کردیا کہ درختوں میں بھی جان ہے اور وہ بھی سنتے دیکھتے اور بات چیت کرتے ہیں۔ بعض حرکاتِ انسانی پہ نادم ہیں۔ انہوں نے یہ بھی پتہ لگایا کہ ان میں قوتِ شہویہ بھی موجود ہے۔ اس سے بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پہ درخت مع ساق کے حاضر دربار ہو جانا اور رسالت کی گواہی دینا کوئی مشکل فعل نہیں ہے۔

مؤرخین نے اپنی ذمہ داری کے ساتھ عقل وفہم میں نہ آنے والے صحیح واقعات کو بعینہٖ محفوظ کردیا ہے، جن کو ہم دورِ جدید کی تحقیقاتی روشنی میں اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور ثابت کرسکتے ہیں کہ یہ تمام واقعات اپنی جگہ بالکل درست صحیح اور عقل کے موافق ہیں۔

تذکرہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

از: محمد برہان الدین عسکری بھٹکلی
متعلم زمرۂ خامسہ دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ

نام ونسب

آپ کا نام محمد اور کنیت ابو عبد اللہ، والد کا نام ادریس ہے مگر آپ اپنے پردادا کے نام شافعی سے مشہور عالم ہوئے۔ آپ کی والدہ محترمہ قبیلہ ازد سے تھیں۔

پیدائش

آپ کی پیدائش مقام غزہ میں ۱۵ رجب المرجب ۱۵۰ھ میں ہوئی اور اُسی سال فقہ کے سب سے بڑے امام حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرما گئے۔ امام شافعی کے ماں باپ بڑے پکے دیندار مسلمان تھے۔ جب آپ میں قوت گویائی آئی تو ماں نے انہیں قرآن پڑھانا شروع کیا۔

قوتِ حافظہ

آپ کا ذہن اتنا چالاک تھا کہ سات سال کی عمر میں پورا قرآن مجید حفظ کر لیا۔ ایک روز مسلم بن خالد زنجی سے آپ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں شرافت نسب عطا فرمایا ہے تم فقہ کیوں نہیں سیکھتے۔ اس کے بعد آپ نے دس سال کی عمر میں موطا کو یاد کر لیا اور تیرہ سال کی عمر میں علمائے مکہ مکرمہ سے تکمیل کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور مسجد نبوی میں لوگوں سے دریافت فرمایا کہ اس شہر میں سب سے بڑے عالم کون ہیں۔ لوگوں نے جواب دیا یہاں سب بڑے عالم امام مالکؒ ہیں۔ الغرض آپ حضرت امام مالکؒ کے پاس پہنچے امام مالکؒ آپکے علم وفہم اور علوِ نسب کی وجہ سے خاص عزت کرتے تھے۔ حضرت امام مالکؒ سے تکمیل علم کے بعد آپ یمن تشریف لے گئے۔ وہاں سے عراق روانہ ہوئے۔ آپ ہر جگہ بڑے اور قابل علماء کرام سے فیض یاب ہوتے رہے اور لوگوں میں علم وحکمت کے موتی لٹاتے رہے۔ آپ نے عراق ہی میں کتاب الحجۃ تصنیف کی۔ عراق کے مشہور علماء وفضلاء امام المحدثین احمد بن حنبلؒ اور امام زعفرانی امام ابو ثور وغیرہ نے آپ ہی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

دولت سے بے نیازی

آپ دنیا کے مال ومتاع سے بہت ہی بے نیاز تھے۔ ہر وقت دعا فرماتے کہ الٰہی مجھے دنیا کی حرص سے محفوظ فرما۔ امام مزنیؒ آپ سے متعلق ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز امام شافعیؒ کے ساتھ مسجد سے گھر تک آیا۔ ہم دونوں میں ایک دینی مسئلہ پر گفتگو ہو رہی تھی۔ آپ علم وحکمت کے موتی سرِ راہ لٹاتے جا رہے تھے۔ جب ہم دونوں آپ کے دروازے پر پہنچے تو ایک شخص کو اپنا منتظر پایا۔ وہ شخص آپ کو دیکھ کر آگے بڑھا اور ادب کے ساتھ سلام کیا، اور ایک

تھیلی امامؒ کے ہاتھ پر رکھا اور کہا کہ یہ تھیلی میرے آقا نے خدمتِ عالی میں نذر کی ہے۔ امام صاحبؒ نے اُس تھیلی کو شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا۔ اتنے میں ایک آدمی امام صاحب کے قریب آیا اور اپنا دکھڑا سنانے لگا، کہ گھر میں بچے کی ولادت ہوی ہے مگر میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ ان الفاظ کو اس غریب کی زبان سے سُن کر امام صاحب بے قرار ہوگئے اور وہ تھیلی ویسے ہی اُس کے ہاتھ میں رکھ دی اور مسکراتے ہوے گھر تشریف لے گئے۔

ایسے ہی عید کی رات کا ایک واقعہ ہے کہ ہلالِ عید نظر آگیا۔ مگر گھر میں ایک پائی تک نہ تھی۔ آپ کی بیوی نے عرض کیا کہ کچھ رقم بطور قرض کہیں سے لے آئیے تاکہ کل کا دن خوشی سے گذرے۔ بیوی کی درخواست پر کہیں سے آپ ستر دینار بطور قرض اپنے ہاتھوں میں لئے گھر واپس ہو رہے تھے، آپ کا دل بے چین تھا کہ جس چہرے کو اُداس اور مغموم چھوڑ کر آئے ہیں اُس چہرے کو مسکراتا ہوا بھی دیکھ لیں۔ لیکن چاروں طرف سے فقراء و مساکین اپنا اپنا دُکھ درد سنانے کے لئے آپہنچے۔ راستہ ہی میں آپ نے پچاس دینار کو تقسیم کردیا اور گھر پہنچتے بقیہ بیس دینار ابھی بیوی کے ہاتھ رکھنے نہ پائے تھے، کہ کسی قریشی کی آواز دروازہ پر سنائی دی۔ جب اس کا حال سُنا تو بیوی کے بیس دینار اُس کے سامنے رکھتے ہوے کہا اے بھائی ان دیناروں میں سے ضرورت بھر تم بھی لے لو، وہ قریشی پورے بیس دینار اٹھا لیا اور آپ نے اُس سے کچھ نہیں کہا۔ خاموشی کے ساتھ گھر میں چلے آئے

اور صبر و ضبط کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ اُدھر رحمتِ خداوندی کو جوش آیا، ہارون الرشید کے وزیر جعفر بن برمکی نے ایکہزار دینار نذر لئے ہوے صبح سویرے آپ کے گھر آیا، اور عرض کیا وزیر مملکت کی عاجزانہ گذارش ہے کہ یہ حقیر نذر قبول فرمالیں۔

ایک مرتبہ کسی نے مال بھیجا کہ مکہ معظمہ کے آس پاس رہنے والوں متقیوں کو تقسیم کردیں۔ اس وقت امام شافعیؒ وہاں موجود تھے، کچھ مال آپ کے سامنے لے گئے اور آپ سے کہا کہ اس مال کو قبول فرمالیں۔ آپ نے فرمایا اس مال کے مالک نے کیا حکم دیا ہے۔ لوگوں نے کہا مالک نے وصیت فرمائی ہے کہ یہ تمام مال پرہیزگار درویشوں میں تقسیم کردیں۔ آپ نے فرمایا یہ مال مجھکو لینا جائز نہیں، کیونکہ میں پرہیزگار اور متقی نہیں ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے؛

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو خرید لیا ہے جس کے عوض ان کے لئے جنّت ہے۔

الغرض آپ کو چاروں طرف سے تحائف آتے تھے مگر آپ ان تمام کو فی سبیل اللہ خرچ کردیتے تھے۔ ان تمام واقعات پر نظر دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس دولت دنیا سے بالکل بے نیاز تھے۔

تصانیف

علماء کرام نے آپ کی تصانیف کل ایک سو تیرہ ۱۱۳ بتلائی ہیں۔ یہ کتابیں تفسیر، حدیث، فقہ، ادب اور تاریخی واقعات پر مشتمل

ہیں اس میں کتاب الام اور کتاب الرسالۃ طبع ہو کر آج امتِ مسلمہ کے ہاتھوں میں آگئی ہیں جو اکثر و بیشتر مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ اکثر علماء کرام نے ان کتابوں کی بے حد تعریف کی ہے اور ہر جگہ اس کتاب کے اصول کو مدِ نظر رکھ کر مسائل استنباط کرتے ہیں اور رسالۂ زعفران جس میں امام شافعیؒ نے نماز کے تمام اصولوں کو بیان فرمایا ہے اور آپ نے کتاب الرسالہ اصول فقہ میں تالیف کیا ہے آپ کے شاگرد امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب پچاس سال سے میرے زیرِ مطالعہ رہی اور میں جب کبھی اس کتاب کا مطالعہ کرتا تو مجھے نئی نئی معلومات حاصل ہوتیں۔ آپ ۱۹۹ھ کو مصر تشریف لے گئے اور وہاں کی قدیم جامع مسجد میں درس دیتے رہے۔ آپ نے مصر تشریف لے جانے سے پہلے جو کتابیں تصنیف کی ہیں وہ سب قولِ قدیم کہلاتی ہیں اور مصر جانے کے بعد جو کتابیں تالیف کی ہیں وہ سب قولِ جدید کہلاتی ہیں۔ آپ ایک زبردست عالم و فاضل مفسر و محدث اور ادیب و نحوی گذرے ہیں۔ ایک مشہور نحوی نفطویہ آپ کی شان میں لکھتے ہیں ؎

مثل الشافعی فی العلماء مثل البدر فی نجوم السماء
کان واللہ معدن العلوم سید الناس افقہ الفقہاء

(یعنی) امام شافعی کی مثال علماء کرام کے درمیان ستاروں میں چودھویں کے چاند کی طرح تھی۔ خدا کی قسم وہ علم کے معدن تھے اور لوگوں کے سردار فقہ کے جاننے میں سب سے بڑھ کر تھے۔

خواب

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے فرمایا اے لڑکے تم کس خاندان سے ہو، میں نے کہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہوں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لڑکے میرے قریب آؤ۔ جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو آپؐ نے اپنے متبرک لعابِ دہن کو میری زبان اور میرے ہونٹوں پر اور میرے منہ میں ڈالا اور فرمایا کہ جاؤ خدا تم پر برکت نازل فرمائے گا۔ پھر امام شافعی فرماتے ہیں میں نے اسی عمر میں سرورِ کائنات فخرِ موجودات محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خانۂ کعبہ میں نماز پڑھاتے ہوئے دیکھا۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں میں علم و حکمت کے موتی لٹانے لگے، میں بھی آپ کے قریب پہنچا اور آپؐ سے عرض کیا' یا رسول اللہ مجھ پر بھی کچھ موتی برسائیے۔ آپ نے آستین سے میزان کو نکال کر مجھے عطا فرمایا اور فرمایا تیرے لئے یہ میرا عطیہ ہے۔

تعبیر

اس کے بعد حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس خواب کی تعبیر جاننے کیلئے ایک معبّر کے پاس گئے اور تعبیر دریافت فرمائی۔ معبّر نے کہا آپ دنیا میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ مطہرہ کی نشر و اشاعت میں امام بنو گے۔

علم فراست

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو علم فراست بھی عطا فرمایا تھا۔ آپؒ علم فراست میں کامل تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استادِ محترم امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اور امام شافعیؒ مکہ مکرمہ کے باہر گئے۔ ایک جگہ ابطح نامی قریہ میں ایک شخص دکھائی دیا۔ ہم دونوں آپس میں اس کے

شعرائے بیجاپور

از
سید پاشاہ موسوی محبوب لطیفی
عبدالرؤس ادیب فاضل
شکیب مینگولی ضلع بیجاپور

دارالظفر بیجاپور کا نام تاریخ میں عادل شاہی حکومت کا پائے تخت رہنے کی وجہ سے مشہور و معروف نہیں بلکہ خود اسکی عدیم النظیر خصوصیات کا بھی اس کو شہرت دوام وانفرادی مقام بخشنے میں دخل رہا ہے۔ یہ شہر ابتدا ہی سے علم و ادب کا سرچشمہ رہا۔ اس سرزمین سے بے شمار علما، صلحاء اور صوفیا پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی خدمات سے بیجاپور کو ایک نرالی وانوکھی شان بخشی۔ شعر و سخن کے لحاظ سے بھی یہ خطہ تاریخی حیثیت کا حامل رہا ہے۔ یہاں کے شعراء کی سحر طراز سخن سنجیاں تاریخ ادب اردو کے لئے ایک جزو لاینفک کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جب کبھی بھی اُردو زبان کی تاریخ دہرائی جائیگی کوئی بھی مؤرخ بیجاپور کے شعراء اور اُن کی ادبی خدمات کو فراموش نہیں کر سکتا۔

بیجاپور میں اردو اس وقت بھی بولی اور سمجھی جاتی تھی جبکہ فارسی حکومت کی زبان تھی اور سرکاری حیثیت سے اس کا اثر و رسوخ چاروں طرف چھایا ہوا تھا اور تقریباً پچاس سال تک اس کا طوطی بولتا رہا۔ ابراہیم عادل شاہ اول کے دور میں فارسی کا تسلط اور اس کی حکمرانی ختم ہوئی۔ اور اس کی جگہ اردو نے لے لی۔ ابراہیم کا عہدِ حکومت اردو کے حق میں ایک نیک فال ثابت ہوا۔ چنانچہ اس نے بیجاپور پر قبضہ کرنے کے بعد اردو کو سرکاری زبان قرار دیتے ہوئے اس کو اونچا مقام عطا کیا جو تقریباً سلطنت عادل شاہیہ کی تباہی تک برقرار رہی۔ کم و بیش اس سلطنت کا فرماں روا علم و ادب نواز اور صلحاء کا دلدادہ رہا جس کی وجہ سے اُن کے زمانے میں دُور دُور سے صوفیائے عظام، علمائے دین، صلحائے امت شعرائے کرام اور ماہرین فن بیجاپور کی طرف کھنچے چلے آئے۔ شعرائے بیجاپور سے اکثر مصنفین نے یہی عذر پیش کیا ہے کہ فلاں فلاں شاعر کے متعلق صحیح واقعات کا علم نہ ہو سکا تاہم جو معلومات تذکرہ نویسوں نے فراہم کئے ہیں اس سے ان شعراء کی اچھی تصویر ہمارے سطح ذہن پر اُبھر سکتی ہے۔

نصرتی

یہ بیجاپور کے مشہور اور بلند پایہ شاعر ہیں۔ آپ کا نام محمد نصرت اور نصرتی تخلص ہے آپ کے والد شاہی سلحدار تھے۔ چنانچہ نصرتی کی تعلیم و تربیت شاہی محل میں ولیعہد سلطنت علی عادل شاہ (ثانی) کے ساتھ ہوئی۔ جب علی عادل شاہ تخت سلطنت پر فائز ہوا تو اس نے نصرتی کو ملک الشعراء کے خطاب سے نوازا۔

نصرتی کے کلام پر تنقید کرتے ہوئے نصیرالدین ہاشمی فرماتے ہیں، نصرتی کی مثنویاں اور قصائد کے دیکھنے سے اس کی قادر الکلامی کی بخوبی تصدیق ہوتی ہے گلشن عشق میں انسانی جذبات اور خیالات کی جس عمدگی

کے ساتھ ترجمانی کی گئی ہے اس کی کہیں اور نظیر نہیں ملتی۔ اس کے کلام کی رنگینی اور تشبیہ و استعارات کی ندرت واقعی قابل داد ہے۔ (تاریخ ادب اردو رام بابو سکسینہ)

ابتک نصرتی کی صرف تین کتابوں کا پتہ چلا ہے۔ "گلشن عشق" جس کی تصنیف ۱۰۶۸ھ میں ہوئی، جس میں شاعر نے کنوہر منوہر اور مدمالتی کا قصہ نظم کیا ہے، دوسری مثنوی "علی نامہ" ہے جس میں علی عادل شاہ کی سوانح حیات کے علاوہ چند قصائد بھی شامل ہیں اور یہ ۱۰۷۶ھ میں مرتب کی گئی، تیسری تاریخی اسکندری ہے۔ اسکی تصنیف ۱۰۸۳ھ میں عمل میں آئی۔ نمونۂ کلام:

شعر صفت اس کے قدرت کی اول سراؤں
دھریا جس نے "گلشن عشق" میں ناؤں

زہی نام در سید المرسلین،
کہ آخر ہے وہی شافع المذنبین

نمونۂ مثنوی:

شعر دولوں شہزادے دو نو ماہ او
خوشی سوں رضا لے چلے ملک سوں
مرتب کرن ہار مالا رتن
کیا ہے دلیوں نظم پری کو ہم
جو منوہر کنوہر عاشق بختور
چندر سین صاحب فا خوش سیر

نمونۂ قصیدہ:

سلطان عالم بخش او شاہنشاہ عادل علی

ہیں یوں جہاں پہ دراوک نردھار کو ادھار آج
جس مہرباں کے فیض تے تب نو بہار اس دور میں
جسکی عنایت نے اوک عالم دسے گلزار آج

امین امین الدین علی نام ہے اور بعضوں نے امین الدین اعلیٰ لکھا ہے۔ مگر تحقیق سے اول الذکر نام کی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ آپ کے مرید تراب علی اپنی مثنوی میں لکھتے ہیں:-

تراب اپنے مرشد کی صفت کر
حسینی پیر ہے ثانی حیدر
اوس کا نام امین الدین علی ہے
دیکھ برحق او خدا کا ولی ہے

آپ برہان الدین جانم کے فرزند ہیں۔ والد محترم آپ کی پیدائش سے قبل ہی واصل الی اللہ ہو گئے مرنے سے پیشتر انہوں نے اپنی ٹوپی زوجۂ محترمہ کو دیا، اور وصیت فرمائی کہ یہ ٹوپی آنے والے فرزند کو بطور خلافت کے دے دینا۔ چنانچہ امین الدین علی نے شاہ عطاء اللہ حسینی کے ہاتھوں خرقۂ خلافت پہنا اور مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپ اپنے وقت کے زبردست عالم و فاضل صاحب تصوف باکمال شاعر و بے مثال نثر نگار اور صاحب کشف بزرگ تھے۔ آپ کے مریدوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔

نثر و نظم میں آپ کی بہت ساری کتابوں کا پتہ چلا ہے۔ مثلاً رسالۂ قربیہ۔ ذکر نامہ۔ وجود نامہ۔ چکی نامہ۔ محبت نامہ۔ نور نامہ۔ نظم وجودیہ۔ رموز السالکین۔ وغیرہ

گنج مخفی۔ رموز العارفین۔ گفتار شاہ امین۔ ان میں سے بعض نظم میں اور بعض نثر میں ہیں۔ یہ تمام کی تمام تصوف پر مشتمل ہیں۔ جس میں آپ سلوک اور باطن کے بیشمار مسائل وا فرمائے ہیں۔ سن ولادت کی طرح آپ کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ عبدالحق صاحب نے آپ کی سن وفات ۱۰۸۶ھ بتائی ہے اور عبدالجبار خان صاحب نے اپنے تذکرہ اولیائے دکن میں ۱۱۱۶ھ بتلایا ہے۔

شاہ صاحب کا کلام بطور نمونہ ملاحظہ ہو:-

اللہ پاک منزّہ ذات — اس سوں صفتاں قائم سات
علم ارادت قدرت یار — سنتا دیکھتا بولن ہار
ہے صفت یہ جان حیات — اس کو ناہیں کرمات
ایساں صفتاں سوں ہے ذات — جو اُنکے چند ناجان سنگیات

نمونۂ نظم

کرتوں ھدایت کی نظر
مجھ پہ نہ رکھ ذرا بسر
دستا اچھے تو مجھے سر بسر
تن من میرا ہے تجھ پر فدا
ہر دم مل رہوں تجھ سوں سدا
نہ رکھ مجھ کوں تجھ سوں جدا
نہ دن علی کوں تیرا ہو آس
میں ہوں پیارے تیری داس
ہر دم مل رہوں میں شہ کے داس

~~~~

ابراہیم

ابراہیم عادل شاہ (ثانی) نے اپنا تخلص ابراہیم ہی اختیار کیا ہے۔ اس نے دکنی زبان کے علاوہ ہندی اور سنسکرت میں بھی خوب شعر کہا ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسے سرود ہندی میں زبردست کمال حاصل تھا اور اس نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ مگر اب یہ سب ناپید ہیں البتہ اس کی ایک مشہور و معروف تصنیف "نورس" موجود ہے۔ اس کتاب کے متعلق سید شمس اللہ صاحب قادری لکھتے ہیں۔ "ابراہیم عادل شاہ کو فن موسیقی میں بے حد مہارت حاصل تھی۔ خاص کر سرود ہندی میں ایسا کمال پیدا کیا تھا کہ اس عہد کے تمام گوئیے اسے جگت گرو کہا کرتے تھے۔ اس نے علم موسیقی میں (دھرپد) ایک کتاب لکھی جس میں سرود ہندی کے قواعد و ضوابط قلمبند کیا اور اس کا نام نورس نامہ رکھا یہ کتاب دکھنی میں ہے۔ ملا ظہوری نے اس پر دیباچہ لکھا ہے۔ جو اس وقت سہ نثر ظہوری کے نام سے مشہور ہے۔

نمونۂ کلام

"نورس" سور جگ جوتی انتر سر دکنی
پوست سرستی ماتا ابراہیم پرسا دبھئی ودنی
ابراہیم سب سندری دیکھا یو لچھن ہے کہاں
جات چاند سلطان ناتوں ملکے جہاں
پیارے چاند آکھوں کنتھ دیں دوئی دکھی
من چائے سونس بھئی ہم تم رہیں اور سکھی

سید محمد ہتی ہیرا — جیوں رتن میں تم ہیرا
محل محل صدر سنوارے — اس نمونے بہشت اپارے
لام کستوری جو اچندن لائے — بادل کال ہے ہر رنگ اوس برسائے
~~~~

شمالی عنبر نبیاں پھر آئے شربت گھول امرت پلائے
سہلا نورس کلیاں بدھائے ابھی نسیم گر کتنی گاوے

ھاشمی

سید میراں نام اور تخلص ہاشمی ہے آپ شاہ ہاشم علوی کے مرید تھے۔ اسی وجہ سے ہاشمی تخلص کیا کرتے تھے۔ ہاشمی کے اندر شعر اور شاعری کا مادہ فطری تھا۔ باوجود اس کے کہ موصوف آنکھوں سے معذور تھے لیکن شعر فنی حیثیت سے بھی قابل داد ہیں۔ آپ نے ایک مثنوی "یوسف زلیخا" اپنے مرشد کی فرمائش پر لکھی جو ۱۵۹۶ء میں تکمیل کو پہنچی۔

شمس اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ ہاشمی نے اپنا دیوان اپنی زندگی ہی میں مرتب کر لیا تھا جس میں قصائد و غزلیات کے علاوہ مرثئے اور قطعات و رباعیات بھی تھے۔ ان کے کلام کا بیشتر حصہ ریختہ کے بجائے ریختی میں ہے، شاید اسی وجہ سے انہیں ریختی کا موجد تسلیم کیا جاتا ہے کیونکہ اس سے پہلے کسی شاعر نے ریختی میں اظہار خیال نہیں کیا ہے' (دکن میں اردو از نصیر الدین ہاشمی)۔

ہاشمی ہندی شاعری کی متابعت میں عورت کا عشق مرد کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں۔ عالمگیر کی فتح بیجاپور کے بعد آپ آرکاٹ چلا گئے۔ جہاں انہوں نے مغلیہ صوبہ دار ذوالفقار خاں کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا آپ کے کلام کا نمونہ پیش خدمت ہے۔

کیے ذوالفقار خاں نے گھاٹی سدم کے اوتر ہے
ارکاٹ میں گھر گھر کل سوں ہوا پکارا
نواب آنے کر کہے مجھ لکھے گا سچ مچھ

جھانگر ڈھے جھا جھن ڈھول ڈھول بجے نقارہ
ایک گاؤں ہاشمی کو چن کر سرس سا دینا
مشغول ہو دعا میں دھر سر رہے کنارہ

مثنوی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:—

ثنا حمد اسکوں سنزا وار ہے سگل عشق کا جس سوں بستار ہے
اول عشق کا کر کے رن جگ قرار بزاں بیج پیدا کیا آشکار

جو کچھ اتے رات دن جس سنگات
تو درکار ہے اسکو پوچھنا یو بات
لگا دل جو عورت سنوں عورت ملی
سمجھتی ہے ادا ک کہ ایک بے دلی
تیرے لب کی کہاں تک بختی دکھاؤں
کہ جوں توں بھی لیتا ہو یوسف کا ناؤں

نمونہ ریختی

جاتا سوائے مسافر رہنے کی بھی خبر ہے
آیا تا کدھر سوں جاتا سو کہو کدھر ہے
اگر کوئی آکے دیکھے تو دل میں کیا کہیگا
مجھے بدنام کیا کرتے کہیں میں جاؤنگی چھوڑ د

غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:—

اے مدہ متی بھاتا تیرا کیفی ہو دلدل بولنا
نج لب کے مے کے جام کا ہور شیشے کا بولنا
ہلتا تیری نتھ کا مجھ لگتا ہے جھبکے کا جھبک
جھنکار بچن کا تیرے گھنگرو کا کھل کھل بولنا
ہیں گال گورے گلگلے مجھ گل گل صورت لگی
گورا کلہ تجھ گل گلا بیگی سو گل گل بولنا

رنج لب کے لب کی مے سوں مست ہو پھر پھر کئے ہاشمی
اے مدہ مِنی بھاتا تیرا کیفی ہو دلدل بولنا

شاہی نام علی عادل شاہ (ثانی) تخلص شاہی ہے اس نے ۱۰۶۷ھ سے ۱۰۸۳ھ تک حکومت کی۔ یہ بڑا علما نواز اور شعرا پرور بادشاہ گذرا ہے۔ اس نے کم و بیش جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی جہاں اس کے قصائد ادق اور مشکل بحروں میں نمایاں ہیں۔ وہاں اس کے بعض قصائد آسان و سہل بحروں میں بھی دکھائی دیتے ہیں، صفائی و سادگی ہر جگہ نمایاں ہے، مثنویاں واقعہ نگاری ومرقع نگاری کا اچھا نمونہ پیش کرتی ہیں، جن میں جابجا شاہانہ طمطراق اور رعب کا اظہار ہوتا ہے۔

آپ کا کلام ملاحظہ ہو :۔

عقل کا مکتب ہوا فہم کے پڑھنے بدل
عقل معلم اپن قصہ سکھایا کہیں
عقل خبردار ہے عقل ہمہ کار ہے
عقل جاسوس ہو مکھ پر اچھے یو کرن
عقل کا موتی مگر مغز کے طبلے بہتر
خوب وسا دسے جھلک در جگ درعدن
عقل کسوٹی ہوی طبع کے کسنے بدل
بوجھ رکھیا ہے صراف قلب گہرا جیو کنچن

مثنوی خیبر نامہ کے چند اشعار :۔

اول حق کی توحید سوں کرو سخن
بچھن خوش ادا سوں بیاں کر بچھن
تجھے ہے سزاوار حمد و ثنا
تو ے حکم سوں ہے ننھا ہور بڑا
یہودی جتنے تھے ہوے سرنگوں
غنیمت لگی بات حد سوں فزوں
فتح کر قلعہ کو شہنشاہ سور
پھرے لیکر لشکر پیمبر حضور

نمونۂ غزل :۔

بولیاں ہوں نت میں فکر تے بود و رتن کا فرق کر
گر پرکھ اچھے انصاف تو اس بول کوں خوشتر کہو
مرجان میں صافی نہیں یاقوت میں صافی اچھے
جس ذات میں صافی اچھے اس ذات کوں بہتر کہو
یاقوت ہور مرجان کی شاہی لکھیا ساری غزل
سن کر جگت کے شاعراں اس شعر کو افسر کہو

مذکورہ شعرائے کرام کے مختصر سے حالات اور ان کے نمونۂ کلام سے اس بات کا اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں کہ وہ اردو ادب کی تاریخ میں کتنا بڑا عظیم مقام رکھتے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
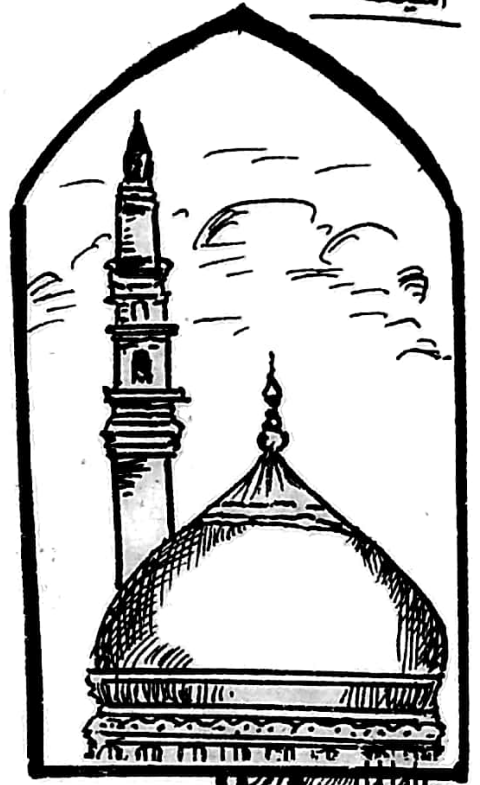
پیشکش
منشی محمد جنید اللہ عرف انضمام شاہ
زمرۂ ثانیہ
دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

جو حضور مسکراتے تو کچھ اور بات ہوتی

جو مدینہ ہم بھی جاتے تو کچھ اور بات ہوتی
وہیں راہ بھول جاتے تو کچھ اور بات ہوتی

مئے عشقِ مصطفیٰ ہم یہاں پی کے مست رہتے
سرِ حشر لڑکھڑاتے تو کچھ اور بات ہوتی

میری زیست کے عناصر درِ مصطفیٰ پہ چل کے
میرا ساتھ چھوڑ جاتے تو کچھ اور بات ہوتی

میرے آنسوؤں پہ ناحق نہ ستارو مسکراؤ
یہ جو طیبہ دیکھ پاتے تو کچھ اور بات ہوتی

یہ ستاروں کا تبسم ہے نظر نواز لیکن
جو حضور مسکراتے تو کچھ اور بات ہوتی

مجھے زہر دینے والے بڑے کم نظر ہیں آقا
ترے نام پر پلاتے تو کچھ اور بات ہوتی

یہ جو نعتِ پاک بیکلؔ سرِ بزم پڑھ رہے ہو
کہیں طیبہ میں جا سناتے تو کچھ اور بات ہوتی

بزرگوں کا بچپن

از سید عطاء اللہ عرف
الیاس پاشاہ سلیم
زمرۂ ثالثہ
دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

انسانی زندگی کے چار دور ہوتے ہیں۔ شیر خوارگی۔ بچپن۔ جوانی اور بڑھاپا۔ ان چاروں زمانوں میں بچپن کا زمانہ بہت ہی بے نیاز ہوتا ہے اس میں کسی قسم کی فکر یا غم نہیں ہوتا۔ اس عالم کی کیفیت کو قلم و زبان بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ ان زمانوں میں انسانی زندگی کی داغ بیل پروان چڑھتی ہے۔ عمارت کے لئے بنیاد کی جو حیثیت ہے وہی حیثیت انسانی زندگی میں بچپن کو حاصل ہے۔ بچپن جتنا پاک اور پوتر ہو گا، اس کی آنے والی زندگی بھی اتنی ہی پاک و پوتر ہو گی۔ اس عمر میں انسان کے دل اور اس کی فکر میں جیسے خیالات ہونگے اس پر وہ اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اس عمر میں اسکی صحیح رہنمائی نہ کیجائے تو نہ جانے کیا کیا کر بیٹھے گا اس کا اندازہ لگانا مشکل امر ہے۔ مگر بعض طبعیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ خود بخود ان عادات و اطوار کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھتی ہیں، جو اسکی زندگی میں بدمزگی پیدا کر دینی والی ہوتی ہیں۔ وہ ایسی چیزوں سے بہت دور رہتی ہیں۔

(۱) حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا بچپن:-

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چھوٹی ہی تھی کہ ایک بچہ نے کہا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ شہر میں لوگ لہو و لعب میں مشغول ہیں۔ کوئی ناچ رہا ہے کوئی گا رہا ہے۔ کوئی گانا سنا رہا ہے تو کوئی کہانیاں کہتا ہے کوئی کہانیاں سنتا ہے کوئی کسی اور کام میں مشغول ہے اس طرح مختلف تماشوں سے لوگ دل بہلاتے ہیں۔ آپ نے سنا تو ایک دن شوق ہوا کہ شہر میں جاکر لوگوں کی حالت دیکھیں، مگر اللہ کو یہ منظور نہ تھا۔

ایکدن جب آپ شہر کے تماشوں کو دیکھنے کے لئے چلے تو درمیان ہی میں کسی کام سے رک گئے پھر آپ کو نیند کا غلبہ ہوا، آپ نے وہیں آرام فرمایا یہاں تک کہ صبح ہو گئی — جب آپ دوسرے دن نکلے تو راستہ میں پھوپی جان کا مکان ملا اس میں داخل ہو گئے، وہاں بھی غنودگی معلوم ہوی۔ آپ نے آرام فرمایا۔ اسی طرح آپ کو خدا نے اس گندی محفل میں جہاں کوئی اچھائی نہیں ہوتی شرکت کرنے سے بچا لیا۔ آپ کی عمر چھوٹی ہی تھی کہ ایکمرتبہ کعبہ کی دیوار گر گئی تھی لوگ پہاڑ کے قریب سے پتھر لے آتے اور کعبہ کے قریب ڈال دیتے تھے اس میں آپ بھی شامل ہو گئے اور پہاڑ کے پاس جاکر پتھر لے آتے کعبہ کے قریب ڈال دیتے تھے اسی دوران میں آپ کے دونوں شانے زخمی ہو گئے۔

جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کو زخم خوردہ دیکھا تو آپ رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم کی تہمد کھول کر آپ کے کندھوں پر رکھ
دیا تاکہ آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ لیکن آپ صلے اللہ
علیہ وسلم کی شرم و حیا کا یہ عالم تھا کہ مارے شرم کے بیہوش
ہو گئے۔ لوگوں نے آپ کو ہوش میں لانے کی کوشش کی
جب ہوش آیا تو آپ کے زبان سے یہی الفاظ نکلتے تھے۔
میرا تہمد، میرا تہمد۔ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ آپ کے
بے ہوش ہونے کا سبب شرم و حیا تھا۔ آپ کو جب ہوش
آیا تو آپ خود تہمد لیکر باندھ لئے۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بچپن

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلے اللہ
علیہ وسلم کے یار غار تھے۔ آپ اکابر صحابہ میں شمار کئے جاتے
تھے۔ تمام صحابۂ کرام میں آپ کو اونچا و بلند مقام حاصل ہے۔ پیارے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گہری الفت
و محبت رکھتے تھے۔ ایمانی جذبات میں ڈوبا ہوا ایک واقعہ ہے
کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے یاد ہے کہ میرے والد
ایک دن ایک کوٹھڑی میں لے گئے جس میں ایک بت رکھا ہوا
تھا۔ بت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ تمہارا معبود ہے،
تم اس کی بندگی کرو۔ اس کے بعد آپ کے والد ابو قحافہ وہاں
سے چلے گئے۔ آپ نے فرمایا میں نے بت کو دیکھ کر کہا کہ میں ننگا
ہوں مجھے کپڑے پہناؤ۔ اس نے کچھ جواب نہیں دیا۔ میں نے
پھر دوبارہ سوال کیا کہ میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلاؤ۔ اس
نے کچھ جواب نہیں دیا بلکہ سکوت اختیار کیا۔ ظاہری بات
ہے کہ ایک بت اس میں ایسی سکت کہاں کہ وہ مذکورۂ بالا
سوالوں کا جواب دے اور اس کو پورا بھی کرے۔

آخر کار آپ ایک پتھر اٹھا کر کہا کہ میں تجھے
مارتا ہوں اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ اس نے
پھر بھی کچھ جواب نہ دیا میں نے اس پر ایک پتھر دے مارا
اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بچپن

آپ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نبی ہوئے۔ چھوٹوں میں ایمان لانے والوں
میں سے آپ کا نام سب سے پہلے آتا ہے۔ آپ کو یہ شرف
بھی حاصل ہے کہ آپ حضور کے داماد بھی تھے۔ جب حضور
صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا اور اسلام کی
طرف بلایا تو جو پانچ بزرگ سب سے پہلے تھے حضور صلے اللہ
علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ان میں سے حضرت علی رض بھی
تھے۔ حالانکہ اس وقت آپ کی عمر شریف بارہ برس کی
تھی، نبی ہونے کے چند ہی دنوں بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے حضرت علی رض سے کہا کہ دعوت کا انتظام کرو۔ جب
حضرت علی رض دعوت دے چکے تو آپ کے چچا ابوطالب
بھی شریک دعوت ہوئے اور ساتھ ساتھ حضرت حمزہ رض
اور عباس رض وغیرہ بھی۔ جب تمام مہمان کھانے سے فراغت
حاصل کر چکے تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے تقریر شروع کی،
بتایا کہ میں تمہارے لئے وہ چیز لے کر آیا ہوں، جس سے
تمہاری دنیا بھی سُدھر جائے گی اور دین بھی۔ آپ کی
تقریر حاضرین بڑے غور و خوض سے سُن رہے تھے۔
لیکن زبان سے کچھ نہ کہتے تھے۔ اس وقت علی رض صرف
بارہ برس کے تھے اور قد بھی کوئی بڑا نہ تھا۔ ہاتھ

پیر بھی طاقتور نہیں تھے۔ آپ موٹے بھی نہیں تھے مگر اسوقت
بھی آپ ہی بہادر و جوشیلے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی تقریر سن کر اپنا جوش ایمان اور جذبۂ ایمان کے قوت کو
دبا نہ سکے۔ اسوقت بڑے بڑے بزرگ بھی موجود تھے، اور
سب کے سامنے حضورؐ سے کہا یہ ٹھیک ہے کہ اس وقت میری آنکھیں
آئی ہوئی ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ میں ابھی بچہ ہی ہوں
پھر بھی یارسولؐ اللہ ہمیشہ میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ یہ
کہتے ہوئے اسی وقت مشرف با اسلام ہوگئے۔ آپ کے ان کلمات
پر لوگ آپ کا منہ تکتے رہ گئے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ حضرت
محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کو سمجھا بھی ہے کہ نہیں
بس یوں ہی جذبات کے رو میں بہہ جا رہے ہو۔ مگر آپ نے
جو کچھ فرمایا اسے کر دکھایا اور آپ نے اسلام کے لئے اپنی جان
قربان کر ڈالی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک
کو اونچا کیا اور اسلام کے پرچم کو بلند کیا۔

(۶) حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا بچپن

آپ حضرات کی عظمت اور آپ کے بچپن کی علامت
یہ ہے کہ آپ دونو بزرگوں نے کتنے اچھے انداز سے اپنے
سے بڑوں کو سبق سکھلایا، یہاں تک کہ آپ نے بزرگی تک کا
لحاظ کیا اور سبق بھی دیا۔ واقعی آپ کا اندازِ سبق دنیا
کے لئے مشعل راہ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ اس واقعہ سے
پتہ چلتا ہے کہ ایکمرتبہ آپ دونوں نے ایک بڑے میاں کو
غلط طریقے سے وضو کرتے دیکھا، دونوں بھائیوں نے
ایک ترکیب سوچی جس سے ان کو نصیحت ہو جائے۔ بڑے
میاں سے کہا ہم دونوں آپ کے سامنے وضو کرتے ہیں دیکھئے
کہ ہم میں کون اچھی طرح وضو کرتا ہے۔ اور پھر دونوں نے
وضو کیا جس سے وہ صاحب وضو کے صحیح طریقہ کو سمجھ گئے،
یہ ایک نصیحت اور حکمت عملی تھی کہ ایک چھوٹا لڑکا بڑے
بزرگ آدمی کو کسطرح سکھلائے۔ یہ دونوں بچے حضرت امام
حسن و حسین علیہما السلام تھے۔

(۵) حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن

حضرت قتادہ بن دعامہ رضی اللہ عنہ، نہایت بلند
پایہ کے عالم تھے۔ بالخصوص علم حدیث اور تفسیر میں اچھا خاصہ
عبور حاصل تھا۔ گویا آپ یکتائے روزگار جید عالم تھے۔
اس وقت آپ کے مثل کوئی عالم نہ تھا باعتبار علمی قابلیت کے
ہر طرف آپ کے علم کے عروج کا چرچا تھا۔ اُس وقت ایک
حیرت انگیز واقعہ جو آپ اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے
درمیان رُونما ہوا تھا اس بات کی نشان دہی کر رہا ہے کہ

؎ ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد
(سعدی)

حضرت ابو حنیفہ علیہ الرحمہ بچپن ہی سے فہم و تفہیم
اور علمی قابلیت کے بلند مقام پر فائز تھے۔ ایکمرتبہ حضرت قتادہ
کی تشریف آوری کی خبر اہل کوفہ کو پہنچی۔ تمام شہر آپ کے
دیدار و ملاقات کے لئے کثیر تعداد میں ایک جگہ اکٹھا ہو گیا اور
دیکھتے ہی دیکھتے اچھا خاصہ مجمع ہو گیا۔ آپ نے مجمع سے خطاب
کرتے ہوئے فرمایا اِسْئَلُوْا عَمَّا شِئْتُمْ یعنی تم مجھ
سے جو چاہتے ہو سوال کر سکتے ہو۔ حاضرین مجلس پر آپ کا

رعب تھا۔ تمام ساکت وخاموش دم بخود ہو کے رہ گئے۔ کسی نے زبان ہلانے کی جراءت نہ کی۔ آپ کو تکتے رہ گئے۔ اس وقت مجمع میں امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ موجود تھے۔ حضرت قتادہ اپنے سوال کو بار بار دہرا رہے تھے۔

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے ذہن میں ایک سوال ابھرا۔ آپ نے لوگوں سے کہا کہ حضرت قتادہ سے سوال کریں کہ "وادی نمل" میں جس چیونٹی کی تقریر سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام خوش ہو کر ہنس پڑے تھے، وہ چیونٹی مذکر تھی یا مؤنث۔ آپ کے اس قول کے مطابق لوگوں نے حضرت قتادہ سے یہ سوال کر بیٹھے۔ جوں ہی سوال کرنا تھا وہ حیرت میں پڑ گئے۔ اور لاجواب ہو گئے۔

حضرت امام حنیفہ علیہ الرحمہ نے آگے بڑھ کر کہا کہ وہ چیونٹی مادہ تھی۔ حضرت قتادہ نے سنا تو ثبوت دریافت فرمایا۔ امام صاحب نے قرآن مجید کی یہ آیت سنائی۔ قالت النملۃ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں صیغۂ مؤنث استعمال کر کے اس بات کو واضح کر دے رہا ہے کہ وہ چیونٹی مؤنث تھی ورنہ صیغۂ مذکر بیان فرماتا وقال نملۃ کہتا۔ یہ جواب سن کر حضرت قتادہ نے آپ کے قول کو تسلیم کیا اور اتنی کم عمری میں امام ابوحنیفہؒ کی قرآن فہمی کو دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے۔

ہم تمام کو چاہیئے کہ مذکورہ بالا بزرگوں کے پاکیزہ بچپن کے احوال اور ان کے مقدس طرزِ عمل کو اختیار کریں جس سے دین و دنیا میں کامیابی و فیروزمندی حاصل ہو گی

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بہ سلسلۂ صفحہ ۹۰ نے خنجر سے وار کیا اور دوڑنے لگا۔ قریب کے لوگ اسے گرفتار کرنے کے لئے دوڑے لیکن ظالم ان لوگوں کو بھی زخمی کرتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ جب اسے زندگی دوبھر نظر آنے لگی تو اسی خنجر سے خودکشی کر لیا۔
جب طبیب آپکے علاج سے عاجز آگئے اور وصال کا وقت قریب آپہنچا تو آپ نے اپنے فرزند عبد اللہؓ سے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آغوشِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم میں جگہ دینے کی اجازت لے لو۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بڑی خندہ پیشانی سے منظوری کا پیغام دیا۔ انتقال سے قبل آپ نے فرمایا مجھے ایکمرتبہ سجدہ کرا دو۔ لوگوں نے سجدہ کرایا اور سجدہ ہی کی حالت میں آپ کی روح مقدس قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی انا للہ وانا الیہ راجعون تاریخ وفات ۲۷ ذی الحجہ سنہ ۲۳ھ چہارشنبہ کی رات بتائی گئی ہے۔ دوسرے دن آپ کو آغوشِ رسول میں سپرد خاک کیا گیا۔ اسطرح یہ آفتابِ عالمتاب ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا۔

ص سرِ خاکِ شہید برگہائے لالہ می پاشم کہ خونش با نہالِ ملت ما ساز گار آمد

اسلام کی ایک مایۂ ناز شخصیت

از محمد حفیظ الدین
شولاپوری زمرۂ سادسہ
دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور
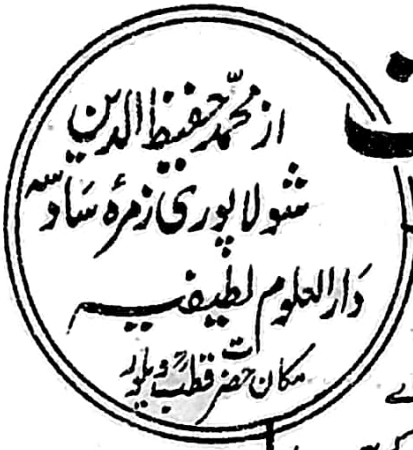
اسلامی نظریات سے جو لوگ نا آشنا ہیں وہ اسلام کو صرف چند خشک احکامات کا مجموعہ تصور کرتے ہیں۔ یہ ان کی کوتاہ نظری اور اسلامیات سے لاعلمی کا واضح اور بیّن ثبوت ہے، حالانکہ اسلام ہی ایک ایسا ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے جس کی مدد سے ساری دنیا کی انسانیت سنور سکتی ہے اور لوگ اس کے فطری وطبعی قوانین سے اپنی زندگیوں کے ہر شعبہ میں ترقی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی تاریخ کے ایک مایۂ ناز مفکر و دانشور کی زندگی کے چند رخ اس مضمون میں نمایاں کئے جارہے ہیں جسکی حکمت عملی اور سیاسی بصیرت اور دانشمند پالیسی آج کی متمدن اور ترقی یافتہ دنیا کیلئے ایک مشعل راہ ہے، یہ وہی شخصیت ہے جسکو تاریخ عالم میں فاروق اعظم حضرت عمرؓ کے نام سے یاد

حضرت فاروق اعظمؓ کی ذات گرامی مذہب اسلام کے لئے ایک نعمت عظمیٰ تھی۔ اسی لئے آپ کے عہد حکومت میں نہ صرف مذہب اسلام ہی کو عروج حاصل ہوا بلکہ حکومت اسلامیہ دنیا کی ایک عظیم ترین حکومت بن گئی جن کے کارناموں کو تاریخ نے اپنے اوراق پر محفوظ کرلیا۔ لوگ انگشت بدنداں رہ گئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بصیرت اور تدبیر نے اتنی تیزی کے ساتھ اسلام کو ترقی دی کہ جس کی نظیر اسلامی تاریخ میں مفقود ہے۔ آپ کو خدا نے نہایت سلجھی ہوئی عقل عطا فرمائی تھی۔ آپ کے مزاج میں تحمل اور بردباری تھی۔ امور سلطنت میں جلد فیصلہ نہیں فرماتے تھے اور عدل وانصاف میں اپنے اور غیر کی دیوار حائل ہونے نہیں دیتے تھے۔ آپ ہی کے بارے میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے لو کان بعدی نبیا لکان عمر اگر میرے بعد نبوت کا دروازہ بند نہ ہوتا تو یقیناً نبوت کے منصب کے حقدار عمرؓ ہوتے۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ دور اندیش معاملہ فہم اور ایک بہتر مدبّر تھے۔ آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو بڑی سرعت کے ساتھ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا۔ چونکہ آپ کو زمانۂ نبوت میں فوج کی کمان کا منصب مل چکا تھا۔ اس وجہ سے آپ اس شعبہ کے تمام حالات سے باخبر تھے۔ آپ کی نظر خصوصاً اسلامی حکومت کے افسروں سپہ سالاروں پر لگی رہتی تھی۔ جب کبھی آپ کو خبر ملتی کہ کسی سپہ سالار یا افسر نے سادگی کو چھوڑ کر امیرانہ اور عیاشانہ زندگی کی راہ پر اپنے وجود کو ڈال دیا ہے تو فوراً خواہ کتنا ہی بڑا افسر کیوں نہ ہو اس کو برطرف کر دیتے۔ وہ ہر ایک کی زندگی میں حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اسوۂ حسنہ کو تلاش کرتے اور خود بھی اپنی زندگی کو اسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھالنے کی انتھک کوشش کرتے۔ آپ کسی کے جسم پر ایسا نیا لباس دیکھتے جس سے کوئی تعیش کی جھلک نظر آتی ہو چاک کر دیتے تھے اور خود اس قدر سادہ اور معمولی لباس زیب تن کر دیتے تھے کہ غیر ملکی نمائندے اور فرماں روا آپ کی حالت کو

دیکھ کر تصویر حیرت بن جاتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت سخی رحم دل تھے، آپ نے غریبوں، یتیموں، اپاہجوں کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا۔ نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خاندان والوں کو بھی اس سے محروم نہیں رکھا۔ آپ اپنے لئے صرف اتنا لیتے تھے کہ ایکوقت کھانے کے بعد دوسرے وقت کے لئے کچھ نہ رہتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رعایا کی سہولت اور آسانی کے لئے ایسے کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں جن سے اسلامی تاریخ میں ایک نرالی شان رہ گئی ہے۔ وہ یہ کہ بیت المال قائم کیا۔ فوج کے لئے دفتر بنوائے، رضا کاروں کی تنخواہیں مقرر کیں، نہریں کھدوائیں، سڑکیں بنوائیں، مسافر خانے تعمیر کروائے، سڑکوں کے کنارے مسافروں کی سہولت کے لئے کنویں، کھدوائے اور درخت لگوائے، مقبوضہ علاقوں کو صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر صوبہ کے لئے ایک گورنر مقرر کیا۔ محرر اور مخبر کا شعبہ قائم کیا، جیل خانے اور پولیس کا تقرر کیا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کی فلاح کیلئے روزینہ مقرر کیا۔ اسلامی ممالک میں سکہ رائج کیا۔ آپ کے مفتوح علاقوں کا رقبہ بائیس لاکھ مربع میل تھا جس میں چھتیس ہزار قلعے اور شہر محفوظ تھے۔ تاریخ میں فتوحات اسلامی کا سب سے زیادہ حصہ آپ ہی کے حق میں رہا۔

آزادئ رائے

ایکمرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ممبر پر وعظ کے ارادے سے کھڑے ہوکر فرمایا۔ اے لوگو! سنو۔ یہ جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ فورًا ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ ہم آپ کی بات اسوقت تک نہیں سُنینگے جب تک کہ آپ یہ نہ بتائیں ——— کہ یہ جُبہّ کہاں سے آیا جس کو آپ زیب تن کئے ہیں۔ آپ ہی نے مالِ غنیمت سے ہر ایک کو ایک ایک چادر تقسیم کی تھی، اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ آپ کا پیرہن ایک چادر میں نہیں بن سکتا۔ غور کا مقام ہے، وقت کے امیر المومنین خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہیں۔ اور ایک عام انسان بلا جھجک تنقید کر رہا ہے۔ لیکن خلیفۂ رسولؐ ہیں کہ آپ کے لہجہ میں کی ذرا سی بھی ترشی نہیں آئی نہایت متانت وسنجیدگی سے اپنے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اس کا جواب دو۔ ابن عمرؓ کھڑے ہوکر کہتے ہیں کہ اے بدوی تمہارا اعتراض ٹھیک ہے کہ یہ جبہّ ایک چادر میں بن نہیں سکتا۔ لیکن اس جبہّ کی تیاری میں میں نے اپنی چادر کو بھی لگا دیا ہے۔ یہ آزادی رائے کا ایک ایسا نادر نمونہ ہے جس پر ہر جمہوریت پسند آدمی بجا طور پر ناز کرے گا۔

ایک بار دورانِ خطبہ میں آپ نے ارشاد فرمایا اگر میرا قدم راہِ حق سے بہک جائے تو تم کیا کروگے؟ فوراً ایک بدوی کھڑا ہوکر تلوار کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہتا ہے۔ ہم تمہیں اس سے سیدھا کردیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تیور بدل کر ارشاد فرمایا کیا تم مجھے سیدھا کروگے؟ بدوی جواب دیتا ہے، ہاں ہاں اگر آپ نے صراط مستقیم کو چھوڑ دیا تو ہم تلوار کے ذریعہ راہ راست پر لائینگے۔ اتنا سننے کے بعد حضرت عمرؓ بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے ہیں، اے بار الٰہی تیرا شکر ہے کہ تیرے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو عمرؓ کو راہِ حق سے بھٹکنے سے روک سکتے ہیں۔

سادگی

ایک دفعہ آپ بیمار ہوئے اور طبیب نے علاج کے لئے شہد تجویز کیا لیکن گھر میں شہد موجود نہ تھا۔ لوگوں نے بیت المال سے شہد منگوانے کے لئے کہا۔ آپ نے جواب دیا میں بیت المال کا امین ہوں، مالک نہیں۔ وہ قوم کی ملکیت ہے، بغیر اجازت کے اسے کیسے استعمال کرسکتا ہوں۔ پھر آپ مجمع عام میں تشریف لائے اور لوگوں سے علاج کے لئے شہد کا مطالبہ کیا اسطرح لوگوں سے اجازت حاصل کرنے کے بعد آپ نے شہد کو استعمال میں لایا۔

اسی طرح ایک مرتبہ سخت قحط پڑا جس کی وجہ سے امت مسلمہ کو نہایت دشواری کا سامنا ہوگیا۔ اس پریشانی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت سب سے دگرگوں تھی۔ چہرے کی زردی کو دیکھ کر لوگ یہ اندازہ لگانے لگے، کہ اگر آپ اپنے لئے قلتِ غذا کو اس طرح برقرار رکھیں گے تو ڈر ہے روح جسم کا ساتھ چھوڑ دے۔ اسی زمانہ میں، اپنے صاحبزادے کے ہاتھ سے پھل کا ایک خوشہ لیکر اس لئے پھینک دیا کہ عوام دانوں کیلئے ترسے اور ابن عمر پھل کھائے۔

سادگی کا یہ عالم تھا کہ ایک بار ایران سے چند اشخاص ملاقات کے لئے آئے۔ آپ کو باہر آنے میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی تو انہوں نے آپکے صاحبزادے عبداللہ سے اس کی وجہ پوچھی، جواب دیا کہ آپ کے جسم پر ایک ہی کپڑا تھا جو دھلوایا گیا ہے اور والد گرامی اس کے سوکھنے کا انتظار کر رہے ہیں اور جب باہر تشریف لائے تو لوگوں نے دیکھا کہ اس جبہ پر کپڑا نہ ملنے کی وجہ سے پر چمڑے کا پیوند لگا ہوا ہے۔

عدل وانصاف کی ایک جھلک

پچھلے اوراق میں بیان کیا جاچکا ہے کہ عدل وانصاف کے معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اپنے اور غیر کا امتیاز نہیں رکھتے تھے۔ آپ کا ہر ایک کے ساتھ مساویانہ سلوک ہوا کرتا تھا مثلاً ایک عیسائی بادشاہ جبلہ جو مسلمان ہوگیا تھا ایام حج میں خانۂ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ اتفاقاً اس کا احرام سر سے گر کر ایک بدوی کے پیر کے نیچے آگیا۔ جبلہ اپنے احرام کی بے حرمتی دیکھ کر غصہ سے آگ بگولہ ہوگیا اور اس بدوی کو ایسا مارا کہ اس کے تین دانت ٹوٹ گئے۔ بدوی اسی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انصاف کا طالب ہوا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بادشاہ سے کہا کہ تم نے بدوی کے دانت توڑے ہیں اس لئے وہ بھی تمہارے دانت توڑے گا۔ اس نے کہا میں بادشاہ ہوں، میری حیثیت ایک عام آدمی کے مقابلے میں اونچی ہونی چاہئے۔ اس پر آپ نے جواب دیا کہ خدا کے نزدیک امیر، غریب، آقا، غلام، بادشاہ و فقیر، چھوٹا بڑا سب برابر ہیں۔ حضرت عمرؓ فاروق کا فیصلہ سن کر جبلہ فرار ہوگیا اور اسلام کے بدترین دشمن ہرقل سے جاملا، جہاں ہرقل کے ہمراہ تین لاکھ کی کثیر فوج تھی۔ ہرقل مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کی لڑائی ہوی۔ آخرکار فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا۔ مسلمانوں کو فتح ونصرت حاصل ہوی سینکڑوں دشمنانِ اسلام کے ساتھ اس لڑائی میں جبلہ بھی مارا گیا۔

ایک دفعہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

رات میں گشت کرتے ہوئے نکلے دیکھا کہ ایک بدوی اپنے خیمہ سے باہر افسردہ بیٹھا ہے۔ آپ بھی اس کے پہلو میں بیٹھ گئے اور ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ گفتگو کے دوران خیمہ سے آواز آئی۔ آپ نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے۔ بدوی نے کہا میری بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے اور اکیلی ہے۔ اتنا سننا ہی تھا کہ آپ سیدھے اپنے گھر گئے اور اپنی بیوی ام کلثومؓ کو ساتھ لیکر اس خیمہ کے پاس آ گئے اور اس معموم بدوی سے اجازت لیکر ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو خیمہ کے اندر روانہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد جب بچہؓ تولد ہوا تو ام کلثومؓ دوڑی ہوئی آپ کے پاس آکر فرمایئں کہ امیر المومنین آپ کے دوست کو مبارکباد دیجئے کہ انہیں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ لفظ امیر المومنین سنتے ہی بدوی چونک پڑا اور مودب ہو بیٹھا۔ آپؓ نے اس سے فرمایا کہ صبح آکر اس بچے کا وظیفہ لے جانا۔

ایک مرتبہ مسلمان اور ایک یہودی میں اپنے اپنے کھیتوں کی سیرابی پر جھگڑا ہوا۔ یہودی کہنے لگا کہ پانی کا گذر میرے کھیت سے ہوتا ہے۔ لہٰذا پہلے مجھے اپنے کھیت کو پانی پہنچا لینے دو۔ اس کے بعد تم اپنے کھیتوں کو پانی دے لینا۔ مسلمان اس مصالحت سے ناراض ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقدمہ لے گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ یہ مسلمان جو منافق تھا آپ کے فیصلہ سے ناخوش ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور اپنا مقدمہ پیش کیا۔ یہودی بھی ساتھ تھا۔ اس نے حضرت عمرؓ سے کہا اے عمرؓ یہ آپ سے پہلے بارگاہ نبویؐ میں مقدمہ لے گیا تھا۔ آپ کے نبیؐ نے فیصلہ میرے حق میں دے دیا ہے۔ اتنی بات سننا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر تشریف لے گئے اور اپنے ہاتھ میں تلوار لے آئے اور منافق کو یہ کہتے ہوئے قتل فرمایا کہ جو آنحضرتؐ کے فیصلہ سے ناخوش ہو اس کے لئے یہی فیصلہ ہے۔

عشق نبویؐ

عشق رسولؐ کا یہ عالم تھا کہ آپ کے ادنیٰ سے اشارہ پر قربان ہو جانا زندگی کی معراج سمجھتے تھے۔ ایکبار آپ نے حضورؐ کی ایماء پر گھر کا نصف اثاثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا۔ عشق رسولؐ کا آپ کے دل میں اتنا غلبہ تھا کہ جب آفتاب نبوت اپنی روشنی کو سمیٹ کر دنیا کی ظاہری آنکھوں سے روپوش ہو گیا اور اس کی خبر آپ کو پہنچی تو بے چین ہو کر کہنے لگے اگر کسی نے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے چلے جانے کی خبر دی تو میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اضطراب دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابكم ومن ينقلب علی عقبيه فلن يضر الله شيئا وسيجزی الله الشاكرين جس نے حضرت عمرؓ کے اضطراب کو سکون سے بدل دیا۔

شہادت

ایک دن علی الصبح مسجد نبویؐ کے قریب ابولولو نامی ایک یہودی غلام ہاتھ میں خنجر لئے چھپ گیا۔ جب حضرت عمرؓ مسجد میں داخل ہوئے امامت کے منصب کو سنبھالتے ہوئے تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کی آواز بلند فرمائی تھی کہ اسی اثنا میں اس ظالم

بقیہ مضمون بر صفحہ ۹۳

سیف اللہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

از: محمد اقبال احمد منیار رامدرگ
زمرۂ خامس دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کو ہر دور میں مخالف طاقتوں سے متصادم ہونا پڑا ہے۔ ہر بار ان کی یہی خواہش رہی کہ شمع اسلام کسی نہ کسی طرح گل ہو جائے مگر شمع الٰہی کو کون بجھا سکتا ہے۔

نورِ حق شمع الٰہی کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اسکو مٹا سکتا ہے کون

جب بھی اور جہاں کہیں طاغوتی آندھیاں اس روشنی کو مٹانے کے لئے آگے بڑھی ہیں تو وہاں اس کے پروانوں نے دنداں شکن جواب دیکر اس کی تابناکیوں کو برقرار رکھا انہیں پروانوں میں سے ایک خالد بن ولید رض بے نظیر شجاعت کے مالک فنِ حرب کے ماہر ایک عظیم ترین سپہ سالار تھے۔ آپ کو بارگاہِ رسالت سے سیف اللہ کا خطاب عطا ہوا۔ آپ کے متعلق خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رض نے فرمایا اگر وہ زندہ ہوتے تو میں خلافت ان کے سپرد کر دیتا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ سوال کرتا کہ اے عمر رض تو نے امتِ محمدیہ ﷺ کو کس کے سپرد کیا تو میں عرض کرتا کہ اے ربِ ذوالجلال تیرے ایسے بندے کو میں نے خلیفہ بنایا ہے جو کفار کے حق میں مقامِ اجل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ خالد بن ولید رض اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے میں نے مشرکین پر مسلط کیا ہے۔

آپ کا تعلق قریش کے قبیلہ مخزوم سے ہے جو تجارتی پیشہ ہونے کی وجہ سے دولتمند تھا علاوہ ازیں منصب قیادت بھی اسی قبیلہ کے پاس رہا۔ زمانۂ جاہلیت میں جب قریش کو کسی کا سامنا ہوتا تو وہ ایک خیمہ نصب کر دیتے۔ جو لوگ جنگ میں حصہ لینا چاہتے اس خیمہ میں آجاتے۔ کوئی مالی امداد کرتا۔ کوئی سامانِ جنگ فراہم کرتا اور کوئی اپنے آپ کو پیش کر دیتا۔ ان عطیات کو موزوں طریقہ سے استعمال میں لانا بنی مخزوم کا ذمہ تھا۔ چنانچہ جب خالد بن ولید رض جوان ہو کر شہسواری، شمشیر زنی، نیزہ بازی، تیراندازی اور دوسرے فنونِ حرب میں ماہر بنے تو یہ منصب آپکے سپرد کر دیا گیا۔

فتح مکہ کے موقع پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ حرم مقدس میں کسی کا خون نہ بہایا جائے۔ جب بعض سردارانِ قریش نے مسلمانوں کو روکنے کی کوشش کی تو سیف اللہ کی تلوار کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملا۔ اس تلوار نے کفار کی ہمت افزائی کو توڑ دی اور مسلمان کسی تکلیف کے بغیر حرم مقدس میں داخل ہو گئے۔

مکہ فتح ہوئے ابھی پانچ دن ہی گذرے تھے کہ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ خالدؓ تم جا کر عزیٰ بت کو منہدم
کر دو۔ یہ واقعہ بظاہر معمولی سا نظر آتا ہے لیکن اس کی حقیقت
کچھ اور ہے، یہ کہ اس کو کسی صورت میں نہیں گرایا جا سکتا تھا،
چونکہ وہ قریش کا سب سے بڑا بُت تھا اور تمام قبیلے کے لوگ اسکی
توقیر و عزت کرتے تھے۔ اگر اس بُت کو نہیں توڑا جاتا تو کفار
کو مہلت ملتی، اس کو ڈھانا ایک مشکل امر بن جاتا، کسی خوف و
تردد کے بغیر منہدم کرنے کی خوبی حضرت خالدؓ میں تھی، آپ نے
اس کو نیست و نابود کر دیا۔

جنگ موتہ

حضرت خالدؓ جرار کو اسلام سے سچی عقیدت و محبت تھی۔ آپ اپنے جوہر
دکھانے کے لئے بیتاب رہتے تھے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم
نے حارث بن عمر کو سفیر بنا کر حاکم بصریٰ کے پاس بھیجا۔ حاکم بصریٰ
نے انہیں شہید کر دیا۔ تو آپؐ علیہ السلام نے حارث کا قصاص لینے
کے لئے ایک لشکر روانہ فرمایا اور اس کی قیادت زید بن حارثہ
کو سونپتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ
لشکر کی کمان کرینگے۔ جب یہ لشکر بلقا کی سرحد پر پہنچا تو معلوم ہوا
کہ رُوم کا ایک سردار لشکر جرار لئے کھڑا ہے، اُس وقت اسلامی
لشکر نے موتہ کا رُخ کیا جہاں رومیوں اور مسلمانوں کے مابین جنگ
ہُوئی۔ زید بن حارثہ جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ
یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش فرمائے۔ اب مسلمانوں نے
قیادت کا منصب خالد بن ولیدؓ کے سپرد کیا مسلمانوں کی تعداد
زیادہ سے زیادہ تین ہزار ہوگی۔ جب کہ دشمنانِ اسلام کا تربیت
یافتہ لشکر ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ ہی تھا۔ باوجود اس کے خالدؓ
بن ولید نے اپنی جنگی صلاحیت کی بدولت اسلامی لشکر کو
دشمنوں کے نرغہ سے نکال لیا۔ اس تاریخ معرکہ کے متعلق
خود حضرت خالد فرماتے ہیں کہ جنگ موتہ میں میرے ہاتھ میں
نو تلواریں ٹوٹیں۔ اگر کوئی تلوار صحیح و سلامت میرے ہاتھ
رہی تو وہ یمنی تلوار تھی۔ اس جنگ کی وجہ سے آپ کو بارگاہِ
رسالت سے سیف اللہ کا خطاب دیا گیا۔

جنگ یرموک

۱۳ھ میں جب رومیوں سے خطرہ پیدا ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے اسلامی دستہ بھیجا۔ رومیوں کی پوزیشن مضبوط
تھی کیونکہ اس کے سامنے دریا تھا اور پس پشت پہاڑ،
اور ان کی تعداد بھی زیادہ۔ لہٰذا مسلمانوں نے دربارِ خلافت
میں درخواست کی کہ ان کی مدد بھیجی جائے۔ وہاں سے حضرت
خالد بن ولید کو حکم ملا کہ وہ عراق کی مہم کو چھوڑ کر شام روانہ
ہو جائیں۔ حضرت خالدؓ نے مثنیٰ بن حارثہ کو عراق میں اپنا
قائم مقام بنایا اور دس ہزار فوج لیکر نہایت تیزی کے ساتھ
یرموک کی طرف روانہ ہوگئے۔ اگرچہ خالد بن ولیدؓ کو یرموک
پہنچنے کی جلدی تھی تاہم راستہ میں اپنی تلوار کے جوہر برابر
دکھاتے رہے۔ ارک پہنچے تو وہاں کے باشندوں نے صلح
کر لی۔ پھر تدمیر پہنچے تو اہل تدمیر قلعہ نشین ہوگئے۔ آخر کار
صلح کر لی پھر قریتین پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو مغلوب کیا۔
پھر مرج راہط آئے تو غسانیوں کو تاخت و تاراج کیا پھر
غوطہ پر حملہ کرکے اسے فتح کیا۔ وہاں سے بصریٰ پہنچے، تو
وہاں کے باشندوں سے مقابلہ ہوا۔ اہل بصریٰ نے حضرت
خالد بن ولید سے صلح کی۔ اور درخواست کی جسے آپ نے
قبول کر لیا۔ چنانچہ بصریٰ شام کا پہلا شہر ہے جس کو

حضرت خالد بن ولید نے فتح کیا۔ اس فتح کے بعد آپ خوشی سے یرموک پہنچے۔ جیسے ہی اسلامی فوج کو حضرت خالد بن ولید کی مدد ملی تو رومیوں کو مزید خوف ہُوا۔

ایک مشہور رومی سردار باہان، وہ اپنے ساتھ بہت سے مذہبی رہنماؤں کے ساتھ رومی فوج میں آگیا۔ اب اسلامی فوج کی کل تعداد چھتیس ۳۶ ہزار اور رومی فوج کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار ہوگئی۔ حضرت خالد بن ولید نے دیکھا کہ رومی تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ اور جنگی اصُول کے مطابق اپنی فوجوں کو ترتیب دے رکھے ہیں، اور تمام ایک جھنڈے تلے جمع ہیں آپ کو اندیشہ ہُوا کہ لڑائی گھمسان کی ہوگی۔ پھر بھی دشمنوں کو نقصان نہ پہنچایا جا سکیگا۔ لہٰذا آپ نے اسلامی لشکر کے سرداروں کو جمع کیا اور تقریر کی کہ لڑائی بہت ہی زبردست ہوگی۔ ہمیں فخر اور نا فرمانی کا خیال دل سے نکال دینا چاہئے اور خالص اللہ کے لئے اپنی کوششوں کو صرف کر دیں۔ دیکھو کفار جنگ میدان میں حاضر ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ساری فوج ایک امیر کی کمان میں دے دی جائے۔ اگر یہ رائے پسند ہے تو آج مجھے امیر بن جانے دو۔ اسلامی فوج کے سرداروں نے حضرت خالد کی رائے کو پسند کر لیا اور امیر تسلیم کیا۔

جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو اسلامی فوج میں سے ایک شخص نے کہا کہ رومی فوج کس قدر زیادہ ہے اور اسلامی فوج کس قدر کم ہے۔ حضرت خالد بن ولید نے سنا تو فرمایا یوں کہو مسلمان کس قدر زیادہ ہیں، اور رومی کس قدر کم ہیں اور پھر اس شخص نے کہا زیادتی اور کمی کوئی چیز نہیں، فتح و شکست اصل چیز ہے۔ آخر کار لڑائی چھڑ گئی اور تلواروں سے تلواریں ٹکرانے لگیں۔ حضرت خالد بن ولید خود قلب کے دستوں کو لیکر دشمن کی صفوں میں جا گھسے، دشمن کے سوار اور پیادہ فوج کے درمیان حائل ہو گئے۔ دشمن کے سوار مسلمانوں کے حملوں کو برداشت نہ کر سکے، یہاں تک کہ بھاگ کھڑے ہو گئے۔ مسلمانوں نے انہیں بھاگنے کا راستہ دیا اور اب پیدل فوج رہ گئی۔ حضرت خالد بن ولید نے اپنے دستوں کو لیکر اس پہ ٹوٹ پڑے اور رومیوں نے محسوس کیا کہ گویا ان پہ دیوار گر پڑی ہے۔ بھاگنے کا ارادہ کیا، مگر جاتے کہاں پیچھے پہاڑ تھا، بدحواسی کے عالم میں دریا کی طرف پلٹے اور غرق ہو گئے۔ طبری کے بیان کے مطابق دریا میں غرق ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی اور اس جنگ میں کل تین ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

ابتدا میں رومی فوج نے مسلمانوں پہ حملہ کیا، تو بعض اسلامی دستوں کے قدم اُکھڑ گئے تھے مگر عکرمہ بن ابی جہل اور ان کے بیٹے عمرو بن عکرمہ نے اُس وقت بڑی جان بازی کا ثبوت دیا۔ عکرمہ بن ابی جہل نے چلا کر کہا، میں نے ہر میدان میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر جنگ کی ہے۔ بھلا آج پیٹھ دکھا سکتا ہوں، میرے ہاتھ پہ کون بیعتِ موت کرنے کے لئے تیار رہے۔ حارث بن حشام اور فرار بن ازور وغیرہ چار سو جانباز ان کی آواز پہ میدان میں نکل آئے اور حضرت خالد بن ولید کے خیمہ کے سامنے بہادری کے ساتھ لڑتے رہے۔ دوسرے دن صبح کو عکرمہ

اور عمرو بن عکرمہ کو خالد بن ولید کے پاس لایا گیا۔ یہ زخموں سے چُور تھے اور دم توڑ رہے تھے۔ حضرت خالد بن ولید نے ایک کا سر اپنی ران پر اور دوسرے کا پنڈلی پر رکھا اور ان کے چہرے کی گرد کو صاف کرتے اور حلق میں پانی کے قطرے ٹپکاتے رہے۔ اسی حالت میں ان دونوں روحیں پرواز کر گئیں۔

اس جنگ کے دوران مدینہ منورہ سے قاصد ایک خط لے کر آیا جس میں تحریر تھا کہ امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا ہے اور حضرت فاروق اعظم آپ کے جانشین مقرر ہوئے ہیں۔ نیز خط میں لکھا تھا کہ خلیفۂ وقت نے خالد بن ولید کو معزول کرتے ہوئے ان کی جگہ عبید اللہ بن الجراح کو سالارِ فوج مقرر کیا ہے۔ یہ خط سب سے پہلے حضرت خالد بن ولید ہی کے ہاتھ میں پہنچا اسے پڑھ کر آپ ذرا بھی بددل نہ ہوئے۔ خلیفۂ وقت کی حکم کی اطاعت کرتے ہوئے خاموشی کے ساتھ حضرت عبید اللہ کو اطلاع دے دی کہ اب آپ میرے سردار ہیں۔ اور میں آپ کا ماتحت ہوں۔ اس خبر کو آپ نے شہرت بھی نہ دی کہ کہیں فوج میں گڑبڑ نہ ہو جائے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ معزولی کی خبر سے آپ کے حملوں کی سختی میں ذرا بھی فرق نہ آیا۔ آپ نے جواب دیا میں خدا کے لئے جنگ کر رہا تھا نہ کہ عمرؓ کے لئے۔

آپ بہادری کے جوہر دکھاتے رہے اور دمشق، فحل، مرج الروم، حمص، قنسرین کی جنگوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ آپ اسلام کے خاطر اپنی جان و مال کو قربان کر دینا فخر کا باعث سمجھتے تھے۔ زندگی میں کوئی چیز آپ کو محبوب تھی تو صرف جہاد فی سبیل اللہ تھا۔ وفات کے قبل بستر پر پڑے آنسو بہا رہے تھے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ روتے کیوں ہیں۔ آپ نے نہایت درد بھرے لہجے میں جواب دیا، میں کئی جنگوں میں لڑ چکا ہوں میرے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں تلوار یا نیزے کے زخم کے نشانات نہ ہوں، میری سب سے بڑی خواہش رہی کہ میدانِ جنگ میں شہید ہو جاؤں ـــــــ لیکن افسوس میں بسترِ مرگ پر پڑا جان دے رہا ہوں۔ اس طرح وہ مردِ مجاہد جس نے کسی میدانِ جنگ میں شکست نہ کھائی تھی رضائے الٰہی اور حیاتِ سرمدی حاصل کرتے ہوئے سنہ ۲۱ھ میں اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کیں۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم تمام کو بھی آپ کی طرح اسلام سے والہانہ عقیدت و محبت نیز آپ کی سی اولوالعزمی اور بہادری عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین۔

پیشکش:
محمد سراج الدین تونسوی
زمرۂ اولیٰ
متعلم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان
ویلور

بحرِ غم میں اگر بیکسوں کو شاہِ دیںؐ کا سہارا نہ ہوتا
حشر تک کشتیٔ زندگی کا کوئی شاید کنارا نہ ہوتا

ہر نفس پر بروزِ قیامت جانے کیا کیا نہ مشکل گذرتی
کملی والے شفیع الامم کو گر سبھوں نے پکارا نہ ہوتا

گر لبوں پر میرے مصطفیٰ کے دلنشیں مسکراہٹ نہ ہوتی
چاند سورج بھی روشن نہ ہوتے عرش پہ ایک تارا نہ ہوتا

اپنے سایہ پہ ہم سر جھکاتے ایک رب کو نہ پہچان پاتے
بزمِ ہستی میں گر جلوہ فرما آمنہ کا دلارا نہ ہوتا

بھولتا گر نہ ارشادِ مسرور چھوڑتا گر نہ دامانِ اطہر
آج دورِ ترقی میں بیکل ہر مصیبت کا مارا نہ ہوتا
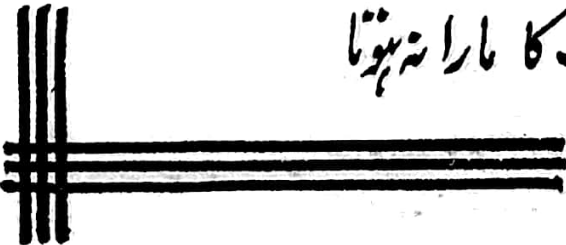
ایک اہم فتویٰ

از: ادارہ

آج سے کوئی تریسٹھ سال پیشتر حضرت احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا کہ کیا وقتِ نزع ایک مسلمان کو جو تلقین کا حکم ہے اس میں صرف لاالٰہ الا اللہ کہنا کافی ہے یا محمد رسول اللہ بھی کہنا ضروری ہے؟
اس کا جواب حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے نہایت مدلل و مفصل عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں تحریر فرمایا — چونکہ یہ فتویٰ پراز معلومات ہے۔ اسی لئے ناظرین الطیف کی نظر کیا جا رہا ہے۔

مسئلہ: از پٹنہ ڈاکخانہ گلزاری باغ محلہ ترپولیہ متصل اسپتال زنانہ۔ مرسلہ باقر علی حکاک: ۹ رجب ۱۳۲۹ھ

مع فتوائے عبدالحکیم پٹنوی کہ وقتِ مرگ صرف لاالٰہ الا اللہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مرنے والوں کو لاالٰہ الا اللہ کی تلقین کرو محمد رسول اللہ ملانے کو نہیں فرمایا اور جس کا پچھلا کلام لاالٰہ الا اللہ ہو تو وہ جنت میں گیا۔ یہاں بھی محمد رسول اللہ ہیں فرمایا تو اگر لاالٰہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ کا لفظ بڑھایا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہونے کے سبب برا اور منع ہو۔
المجیب عبدالحکیم صادق پوری

اس کے رد میں مولانا عبدالواحد صاحب مجددی رامپوری کا رسالہ وثیقۂ بہشت اس کے ساتھ تھا۔ تحریر فقیر بر وثیقۂ بہشت

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ اللھم لک الحمد

اللہ عزوجل خیر کے ساتھ شہادتین پر موت نصیب کرے۔ وقتِ مرگ بھی پورا کلمۂ طیبہ پڑھنا چاہئے۔ جو اسے منع کرتا ہے مسلمان اسکے اغوا و اضلال پہ کان نہ رکھیں کہ وہ شیطان کی اعانت چاہتا ہے۔ امام ابن الحاج مکی قدس سرہ الملکی مدخل میں فرماتے ہیں کہ دم نزع دو شیطان آدمی کے دونوں پہلو پہ آ کر بیٹھتے ہیں۔ ایک اس کے باپ کی شکل بن کر، دوسرا ماں کی۔ ایک کہتا ہے وہ شخص یہودی ہو کر مرا تو یہودی ہو جا کہ یہود وہاں بڑے چین سے ہیں۔ دوسرا کہتا ہے وہ شخص نصرانی گیا تو نصرانی ہو جا کہ نصاریٰ وہاں بڑے آرام سے ہیں۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ شیطان کے اغوا کے بچانے کے لئے مختصر کو تلقین کلمہ کا حکم ہوا۔ ظاہر ہے کہ صرف لاالٰہ الا اللہ اس کے اغوا کا جواب نہیں۔ لاالٰہ الا اللہ تو یہود و نصاریٰ بھی مانتے ہیں۔ ہاں وہ کہ جس سے اس ملعون کے فتنے مٹتے ہیں محمد رسول اللہ کا ذکر کریم ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یہی اس کے ذریات کے دل میں بھی چبھتا ہے جگر میں زخم ڈالتا ہے مسلمان ہرگز ہرگز اسے نہ چھوڑیں اور جو منع کریں اس سے اتنا کہدیں کہ۔ گر تو حرام ست حرام باد ا۔ مجمع بحار الانوار میں ہے سبب التلقین انہ یحضر الشیطان یفسد عقدہ والمراد بلا الٰہ الا اللہ الشھادتان تلقین کا سبب یہ ہے کہ اسوقت شیطان آدمی کا ایمان بگاڑنے آتا ہے اور لاالٰہ الا اللہ سے پورا کلمۂ طیبہ مراد ہے۔

فتح القدیر میں ہے: المقصود منه التذكير فی وقت تعرض الشیطان تلقین سے مقصود تعرض شیطان کے وقت ایمان کا یاد دلانا ہے۔ اسی طرح تبئین الحقائق اور شرح الله المبین وغیرہما میں ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں علامہ میرک سے ہے۔ من کان آخر کلامه لا اله الا الله المراد مع قرینه فانه بمنزلة علم لکلمة الایمان حدیث میں جو فرمایا کہ جس کا پچھلا کلام لا الہ الا اللہ ہو اس سے مراد پورا کلمۂ طیبہ ہے کہ لا الہ الا اللہ گویا اس کلمۂ ایمان کا نام ہے۔ درر غرر میں ہے یلقن بذکر الشهادتین عنده لان الاولی لا تقبل بدون الثانیه کلمۂ طیبہ کے دونوں جزء میت کو تلقین کئے جائیں، اس لئے کہ لا الہ الا اللہ بے محمد رسول اللہ کے مقبول نہیں۔ غنیۂ ذوی الاحکام میں اس پر تقریر فرمائی۔ تنویر الابصار میں ہے یلقن بذکر الشهادتین دونوں شہادتیں تلقین کی جائیں۔ در مختار میں ہے لان الاولی لا تقبل بدون الثانیه کہ پہلی بے دوسری کے مقبول نہیں۔ مختصر القدوری میں ہے لقن الشهادتین پورا کلمہ سکھایا جائے۔ جوہرہ میں ہے لقوله صلے الله تعالٰی علیه وسلم لقنوا موتاکم شهادة ان لا اله الا الله وصورة التلقین ان یقال عنده فی حالة النزع جهرا وهو یسمع اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدًا رسول الله اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اموات کو لا الہ الا اللہ کی شہادت یاد دلائے اور اس یاد دلانے کی صورت یہ ہے کہ اس کے نزع میں اس کے پاس ایسی آواز سے کہ وہ سُنے اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدًا رسول اللہ پڑھیں۔ مجمع الانہر میں ہے (ویلقن الشهادة) فیجب علی اخوانه واصدقائه ان یقولوا عنده کلمتی الشهادة قال النبی صلی الله علیه وسلم من کان آخر کلامه لا اله الا الله دخل الجنة میت کو شہادت سکھائیں اس حکم سے اس کے عزیزوں دوستوں پر واجب (نہایت مؤکد) ہے کہ دونوں شہادتیں اس کے پاس پڑھیں۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کا اخیر کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں جائے۔ بحر الرائق میں (لقن الشهادة) بان یقال عنده لا اله الا الله محمد رسول الله میت کو شہادت کی تلقین کریں یوں کہ اس کے پاس لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھیں۔ شرح الکنز للملا مسکین میں ہے (لقن) المحتضر (الشهادة) وهی ان یقول اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدًا عبده ورسوله دم نزع شہادت کی تلقین کریں اور وہ یہ ہے کہ اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدًا عبدہ ورسولہ کہیں۔ کافی شرح وافی میں ہے لقن الشهادة ای قول اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدًا عبده و رسوله لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لقنوا موتاکم شهادة ان لا اله الا الله شہادت کی تلقین کریں اور شہادت یہ ہے کہ اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ اس لئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میت کو تلقین شہادت کا حکم فرمایا ہے۔ جامع الرموز میں ہے اشار فی الکافی والمضمرات الی ان المراد من الشهادة اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله کافی ومضمرات میں اشارہ

فرمایا کہ شہادت سے مراد پورا کلمۂ شہادت ہے۔ حلیہ
امام ابن امیر الحاج میں ہے۔ ولقن شهادة ان لا اله
الا الله وان محمد رسول الله بان يقال عنده وهو
يسمع ولا يقال له قل واذا قالهما لا يلح عليه
بتكريرهما اذا لم يخض في كلام اخر لمخافة تبرمه
میت کو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کریں۔ یوں کہ
خود اوس کے پاس پڑھیں کہ وہ سن کر پڑھے اور یوں نہ کہیں
کہ کہو اور جب وہ دونوں جز کلمہ طیبہ کے کہہ لے تو اس
سے دوبارہ کہنے کا اصرار نہ کریں کہ کہیں اکتا نہ جائے۔
ہاں اگر کلمہ پڑھنے کے بعد کوئی اور بات اس نے کی تو پھر
تلقین کریں کہ آخر کلام لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہو۔
مستصفی میں ہے لقن الشهادتين لا اله الا الله
محمد رسول الله دونوں شہادتین تلقین کی جائیں
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے لقنوا موتاکم
لا اله الا الله تلقین کنید مردہائے خود را یعنی آنہا کہ
نزدیک مردن رسیدہ اند کلمۂ طیبہ نقل مستفیض سے ہے
اور مسئلہ واضح اور اسلامی نگاہ میں شیطانی قول خود اپنے
قائل کا واضح۔ ہاں متاخرین شافعیہ نے یہ کہا کہ صرف لا
الٰہ الا اللہ کہنے پر ثواب موعود مل جائے گا۔ معاذ اللہ وہ
بھی نہیں کہتے کہ مرتے وقت محمد رسول اللہ کہنا منع ہے۔ یہ
ممانعت محض مردود مطرود وخلاف اجماع ہے۔
فالعلامة الشرنبلالي من متاخري علمائنا مع
تقريره الدرر على ما قدمناه اجاب عن تعلمهما

ان الاولى لا تقبل بدون الثانية تبعا لابن
الحجر المكي من متاخري الشافعية ان الكلام
في المسلم اقول مسلم انه مسلم ولا تطلب منه
انشاء ايمان لم يكن بل تذكير ما كان وحفظه
عن افساد الشيطان وتلك الشهادتان يجيب
ان تلقنا لان الاولى لا تقبل بدون الثانية قال
الشافعي قلت وقد يشير اليه اي الى الافراد تعبير
البداية والوقاية والنقاية والكنز بتلقين
الشهادة اه اقول الشهادة اسم جنس
فيشمل الشهادتين الا ترى الى الامام النسفي
صاحب الكنز عبر في اصله الوافي بما عبر فيه
ثم فسره في شرحه الكافي بالشهادتين وكذلك
في البحر الرائق والمضمرات وجامع الرموز و
مجمع الانهر والملا مكين كما سمعت ومن الدليل
عليه ان نقل في البداية نظم القدوري وقد
ثنى فعلم ان المفرد فيه كالمثنى۔ یہاں
علامہ محمد سنوسی، پھر علامہ بیجوری رحمہما اللہ تعالیٰ
شرح رسالہ فضالیہ میں فرماتے ہیں اعلم انه لا بد بعد
قول الذاكر لا اله الا الله ان يقول محمد رسول
الله لاجل ان يحفظ بذلك ما يحصل له من
نور التوحيد وعبارة السنوسي من شرح الصغرى
مصرحة بذلك حيث قال ولما ابتهج قلبه بنور
الحقيقة وكان الانتفاع بها موقوفا على القيام
برسوم الشريعة وذالك لا يكون الا بالادمان على

ذكرصاحبها المبلغ لها عن الله تعالى سيدنا محمد صلى الله تعالى عليه وسلم احتاج الذاكر بعد كلمة التوحيد الدالة على الحقيقة باثبات رسالة سيدنا محمد صلى الله تعالى عليه وسلم ليحفظ نور توحيده بادخاله فى منع حرز الشريعة فلهذا يقول الذاكر لا اله الا الله محمد رسول الله. وهكذا ينبغى فى كل ذكر من اذكار الله تعالى ان لا يغفل المومن فيه عن ذكر سيدنا محمد صلى الله تعالى عليه وسلم فاما ان يصلى عليه اثره او يقر برسالة مع الصلاة عليه صلى الله تعالى عليه وسلم وتعظيمه والتمسك باذياله صلى الله تعالى عليه وسلم اذ هو صلى الله تعالى عليه وسلم باب الله الاعظم الذى لا ينال كل خير دنيا واخرى الا بالتعلق به صلى الله تعالى عليه وسلم فمن غفل عن ذكره صلى الله تعالى عليه وسلم والتمسك به صلى الله تعالى عليه وسلم لم ينل مقصوده وكان مرميا به فى سجن القطيعة محروما به من خير الدنيا والأخرة وسيدنا محمد هو دليل الخلق الى الله تعالى فكيف يصل الى الله تعالى من غفل عن دليله وقد قال بعض من طبع الله على قلبه ممن يتعاطى التصوف وليس هو من اهله مقالة قريبة من الكفر او هى الكفر بعينه ان الاكثار من ذكر النبى صلى الله تعالى عليه وسلم حجاب عن الله تعالى و سبب بعض الضالين مثل هذه العبارة فقال

اذا افرد التهليل عن اثبات الرسالة كان ابلغ واسرع فى تاثير معنى التوحيد واحتج لضلاله وتسويل شيطانه بان قال للتهليل معنى والاثبات الرسالة معنى واذا اختلف المعانى على الباطن ضعف التاثير وبعدت الثمرة قال وانما يحتاج الى وصل الذكرين عند الدخول فى الاسلام قال بعض الائمة الراسخين فى العلم رضى الله تعالى عنهم وهذه المقالة والعياذ بالله من الفتن التى لا موردلها الا النار ولا عقبى لها سوى دار البوار وما ذالك الامكر واستدراج الى رفض الشريعة و الا مخلال من رتبتها وتعطيل رسومها ولو علم هذا الضال ما تحت قول محمد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من الاسرار التوحيدية والحكم الالوهيه لانفسح عن ذالك العمى فاصاب المرمى اهـ والله تعالى اعلم.

واحسن الھدی ھدی الانبیاء علیہم السلام (الحدیث)

جواہر السنۃ

از مولانا مولوی عبدالعزیز رضا صاحب رضوی بنارکپوری (یو پی)

مدرس دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اپنے بچپن کے زمانہ کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک رات اپنی خالہ میمونہ کے نزدیک رات گزاری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہل سے گفتگو فرماتے تھے، پھر استراحت فرمایا۔ جب آخر رات ہوی تو بیدار ہوئے اور آسمان کی جانب نظر فرمایا اور پڑھا ان فی خلق السموات والارض ختم سورہ ملک پھر کھڑے ہوئے اور مشک کے قریب گئے اور مشک کا منہ کھولا، پانی برتن میں لیا پھر کامل وضو فرمایا اور کھڑے ہوئے اور نماز شروع فرمائی میں بھی فوراً وضو کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کان پکڑ کر اپنے دائیں جانب کھڑا کرلیا۔ اور سیزدہ (۱۳) رکعت ادا فرمائی جس میں وتر بھی داخل ہے۔ پھر آپ نے آرام فرمایا حتی کہ سو گئے۔ ایسا کہ آواز آنے لگی۔ پس اذان دی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے، (یعنے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ تمام مصلیان جمع ہو گئے ہیں) آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور نماز پڑھائی وضو نہیں فرمایا (معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کا وضو سونے سے فاسد نہیں ہوتا) حضور صلے اللہ علیہ وسلم طویل دعا فرمائی (وہ یہ ہے کہ) اے اللہ کر دے میرے دل میں نور، آنکھ میں نور، میری سماعت میں نور، میرے دائیں جانب نور، میرے بائیں جانب نور، میرے اوپر نور، میرے نیچے نور، میرے آگے نور، میرے پیچھے نور (یعنی جہات ستہ نور ایمان ویقین وشہود ہو، اور میرے تمام وجود کو نور بنا دے) اور میرے لئے نور کر دے اور بعض راویوں نے زیادہ کیا کہ کر دے میری زبان میں نور (اور بعض نے ذکر کیا) اور کر دے میرے اعصاب کو اور گوشت اور خون اور بال اور منہ اور کھال کو نور اور کر دے میرے نفس میں نور اور کر دے میرے لئے نور کو عظیم اور بزرگ اور روایت مسلم میں ہے اللھم اعطنی نوراً یعنے اے اللہ دے تو مجھ کو نور (معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دربار الٰہی میں ظاہر و باطن کے نور ہونے کی درخواست کی۔ یہ امر مسلّم ہے کسی فرقہ کو انکار نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعا رد نہیں کی جاتی اگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہے تو اس دعا کی توفیق ہی نہیں دی جاتی) شعر

از درونم می روی بیروں
وا گرفتی دروں و بیروں را

ع سرتا پایم فدائے سرتا پا بیت۔ انہ بکل شی محیط

تمام سلف صالحین کا اس بات پر اتفاق و اعتقاد ہے کہ عذاب قبر احادیث مشہورہ سے ثابت ہے جو حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں۔ بعد میں اہل بدعت و اہل اہواء جن میں اکثر معتزلہ و بعض روافض ہیں عذاب قبر کا انکار کرنے لگے اس وجہ سے مختصر عذاب قبر کی تحقیق کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اہل ایمان عذاب قبر کا اعتقاد رکھیں اسی پہ ثابت قدم رہیں۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ لہٰذا عذاب قبر کا کیا مطلب ہے۔ عذاب مشتق ہے عذب سے بمعنی ردع و منع کے، اس وجہ سے کہ منع کرتا ہے اور باز رکھتا ہے انسان کو امر و نہی کی مخالفت سے یا مشتق عذاب سے بمعنی خس و خاشاک کے کہ پانی میں گرتے ہیں تو پانی گندہ و خراب ہو جاتا ہے۔ عذاب بھی آدمی کے آرام کو منغّص و مکدّر (پریشانی و تکلیف) میں کر دیتا ہے۔ یا مشتق عذب سے ہے بمعنی آب شیریں اور عذاب شخص کو دشمن و بدخواہ اس کو شیریں معلوم کرتا ہے۔ اس علاقہ کی وجہ سے عذاب نام رکھا گیا۔

قبر سے مراد عالم برزخ ہے کیونکہ واسطہ ہے درمیان دنیا و آخرت کا اور دونوں مقام سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ وہ گڑھا جس میں مردے کو رکھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ بہت سے انسان دریا میں غرق ہو جاتے ہیں اور آگ میں جل جاتے اور جانور کھا جاتے ہیں مگر کچھ اجزاء اس میں سے ایسے ہیں کہ اس کو جزءِ اصل کہتے ہیں۔ ابتداءِ عمر سے آخری عمر تک باقی رہتے ہیں پروردگار عالم اپنی قدرت کاملہ سے اس کو محفوظ رکھتا ہے۔ کوئی چیز اس کی قدرت سے خارج و باہر نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ چاہے تو اس جزءِ خاص کو روح سے متعلق کر دے اور جان بخش دے اور عذاب کر دے۔ اور نعمت دے دے۔ پروردگار عالم ہر چیز پہ قادر ہے، اپنی ملک پر جیسے چاہے تصرف کرے اور نگاہ رکھے۔

بیت کند ہر چہ خواہد بر و حکم نیست
کہ پیدا و پنہاں بہ نزدش یکیست

جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اس میں کسی کا حکم نہیں چلتا، کہ ظاہر و باطن اس کے نزدیک یکساں ہے۔ عذاب قبر اور مثل اسی کے مقامات کی تصدیق کرنا اور اس پر ایمان لانا لازم و ضروری ہے جیسے سانپ بچھو وغیرہ کا کاٹنا احادیث میں واقع ہوا ہے حقیقتاً ہیں۔ محض مثال و خیال۔ بندۂ مومن کے لئے ایک حدیث بس ہے ورنہ احادیث کثیرہ ثبوت کے لئے کتابوں میں موجود ہیں۔

جب مُردہ دفن کیا جاتا ہے، آتے ہیں اس کے پاس دو فرشتے سیاہ رنگ نیلی آنکھوں والے۔ کہا جاتا ہے ایک منکر دوسرے کو نکیر، پس وہ دونوں کہتے ہیں کہ تو کیا کہتا تھا اس شخص کی شان میں پس کہتا ہے اس سوال کے جواب میں وہ بندۂ خدا و رسول ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں ہم جانتے تھے کہ تو یہی جواب دیگا۔ یعنے ایمان کی روشنی تیری پیشانی میں دیکھی ہم نے۔ پھر اسکی قبر ستر ہاتھ مربع کشادہ کر دی جاتی ہے پھر روشن ہو جاتی ہے قبر اسکی اور کہا جاتا ہے کہ سو اور آرام کر۔ تو مردہ کہتا ہے میں اپنے گھر کی طرف جاؤں اور لوگوں کو خبر دوں۔ فرشتے کہتے ہیں

سوجا ایسے جیسے دولہا و دلہن سوتے ہیں کہ سوائے اس کے دوسرا بیدار نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تم کو اٹھائے۔ اگر منافق ہے تو کہیگا۔ سنا میں نے لوگوں سے کہتے تھے یک بات میں بھی اسی کے مثل کہتا تھا حقیقت حال سے بے خبر تھا۔ پھر فرشتے کہیں گے ہم جانتے تھے کہ تو یہی جواب دے گا یعنی نشان کفر تیرے چہرے پر پایا تھا پھر زمین کو حکم دیا جائے گا اس پر تنگ ہو جا تو زمین اتنی تنگ ہو جائے گی کہ دائیں جانب کی ہڈیاں بائیں جانب چلی جائینگی اور ہمیشہ اس پر عذاب ہوتا رہیگا یہاں تک کہ دوبارہ اللہ تعالیٰ زندہ کریگا ——— حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک رات مسجد میں تشریف لے گئے دیکھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے ہیں بہت ہی پست آواز سے اور گذر فرمایا عمر رضی اللہ عنہ پر اس حال میں کہ وہ بہت ہی بلند آواز سے نماز ادا کر رہے ہیں۔ ابو قتادہ نے کہا ہم لوگ بارگاہ حبیب میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابوبکر رات میں تمہارے قریب سے گذرا اس حال میں کہ بہت ہی پست آواز میں نماز ادا کرتے تھے پست آواز کی وجہ کیا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ سناتا تھا اس کو جس سے مناجات کر رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا اے عمرؓ کیا سبب اس قدر بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ سونے والوں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر بن العاص سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ مجھ کو خبر دی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ کر نماز نفل پڑھنے والوں کو نصف ثواب ملتا ہے کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو حضورؐ کو پایا اس حال میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز ادا کر رہے تھے۔ بس اپنے ہاتھ کو حضورؐ کے سر مبارک پر رکھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں یہ کام کرتے ہو۔ عرض کیا مجھکو اطلاع دی گئی ہے کہ بیٹھ کر نماز نفل پڑھنے والے کو نصف ثواب ملتا ہے بمقابل کھڑے ہو کر پڑھنے والے کے اور حضورؐ بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے ہیں، آپ کے ذات مبارک سے ترک افضل و اکمل محل تعجب ہے۔ فرمایا ہاں ایسا ہی ہے نماز قاعد کی نصف ہے نماز قائم سے لیکن میں نہیں ہوں تم میں سے کسی کے مثل یہ میری امت کو ہے۔ میں اس حکم سے خارج ہوں۔ پروردگار عالم مجھ کو کامل ثواب اپنے لطف و کرم سے عطا فرمائے گا۔ مجھکو دوسروں پر قیاس مت کرو۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا نماز پڑھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی آخر صف میں ایک آدمی تھا جو قاعدہ سے نماز ادا نہ کیا۔ سلام پھیرنے کے بعد اس شخص کو آواز دی، وہ آیا تو آپ نے فرمایا کیا تو اللہ سے خوف نہیں کرتا اور اللہ سے ڈرتا نہیں۔ تم لوگ گمان کرتے ہو کہ پوشیدہ ہے کوئی چیز مجھ سے جو کچھ تم کرتے ہو۔ قسم خدا کی میں اپنے پیچھے سے ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسے اپنے آگے۔

تشریح: یہ دیکھنا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنے اور پیچھے سے بطریق خرق عادت تھا بذریعۂ وحی یا بذریعہ الہام تھا جیسا کہ دوسرے احادیث میں آیا ہے کہ جب اونٹنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گم ہوگئی، تو دریافت کیا کہاں گئی۔ منافقوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دلی کدورت وعداوت تھی، بظاہر کلمہ گو تھے کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی خبر دیتے ہیں اور اپنی اونٹنی کو نہیں جانتے کہ کہاں ہے۔ پس حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں نہیں جانتا مگر جو کچھ رب العزۃ نے بتایا اور خبر دی ہے کہ اونٹنی فلاں جگہ ایسی ویسی اور اس کی مہار درخت کی شاخ سے بندھی ہوئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عنقریب میری امت میں اختلاف وگروہ بندی ہوگی (یعنی ایسے لوگ ظاہر ہوں گے) وہ لوگ باتیں اچھی وشیریں کرینگے اور ان کے اعمال گندے وخراب ہوں گے۔ اور وہ تلاوت قرآن بھی کریں گے، (یعنی کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت کرینگے) مگر ان کی قرأت گلے کے نیچے نہ جائیگی۔ (یعنی باقاعدہ قرأت پر عمل نہ کرینگے۔ اور وہ دین سے ایسے نکل جائینگے جیسے تیر کمان سے نکل جاتی ہے اور ان لوگوں کا دین میں لوٹنا ایسا ہی ناممکن ہوگا جیسا کہ تیر کمان سے نکل جانے کے بعد لوٹ آئے۔

کیا ہی خوب کہا ہے حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے ؎

دلق بچہ کار آید تسبیح ومرقع
خود را زعملہائے نکوھیدہ بری دار

بھلائی وبہتری اس شخص کے لئے ہے جو ان لوگوں سے قتال کرے خواہ وہ ان کو قتل کرے یا وہ خود مقتول ہو جائے وہ لوگ کتاب اللہ کی طرف دعوت دینگے لیکن ان کو دین سے کچھ حصہ نہیں جو ان کو قتل کرے عنداللہ مقبول ومحبوب ہے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کی علامت ونشانی کیا ہے۔ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سر گھٹے ہوئے ہوں گے۔ (یعنی بڑی پابندی سے سر چھلائیں گے) (تحلیق کا دوسرا معنی حلقہ بندی کے بھی ہے۔)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تصرفات اولیاء بعد الممات

از عالیجناب
حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین
سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری
مد ظلہ العالی ۔ B.A.
ناظم دار العلوم لطیفیہ

یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان اور لطف وانعام ہے کہ امت مرحومہ میں تا ابد ولایت عظمیٰ کا سلسلہ قائم و دائم رہیگا۔ چنانچہ موجودہ زمانہ میں بھی تین سو ساٹھ مخصوص اولیاء اللہ رشد و ہدایت فرماتے ہوئے بقید حیات ہیں، معلوم نہیں کہ یہ نفوس قدسیہ دنیا میں کہاں کہاں کن علاقوں میں جلوہ افروز ہیں۔ اور اپنی تابناکیوں سے ان علاقوں کو روشن اور منور کر رہے ہیں ـــــــ اللہ تعالیٰ کی ان مقدس اور برگزیدہ ہستیوں سے نہ صرف ان کی زندگی میں وقتاً فوقتاً خرق عادات و کرامات ظاہر ہوتی رہی ہیں' بلکہ بعد الممات بھی یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ وہ اپنے تصرفات سے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی بھی کرتے ہیں اور ان کو آفات و بلیات سے بھی بچاتے رہتے ہیں۔ یہ باتیں کچھ ایسی ہیں کہ ان کے اسرار صرف صاحب بصیرت حضرات پر منکشف ہو سکتے ہیں اور دیکھنے والی آنکھیں ہی دیکھ سکتی ہیں ـــ

زیر نظر مضمون میں انہیں زندۂ جاوید ہستیوں کے چند کارناموں کو پیش کرنے کی سعی بلیغ کی گئی ہے ۔

حضرت سید شاہ حیدر ولی اللہ قادری رحمۃ اللہ

علیہ جو حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ' کی اولاد امجاد سے ہیں' نیز جو آپ کے جانشین و سجادہ نشین تھے ایک مرتبہ جہاز میں سفر کر رہے تھے، اچانک

مکاشفات حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ

طوفان کی وجہ سے جہاز ٹوٹ گیا اور غرق ہونے لگا۔ آپ ایک تختہ کے سہارے سمندر طے کرتے ہوئے کسی جزیرہ پہ پہنچے جو وسیع و عریض سرسبز و شاداب اور نہایت خوبصورت تھا۔ وہاں آپ نے صرف ایک آدمی کو پایا۔ اس کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ یہاں کے ایک غار میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دو قلمی نسخے محفوظ ہیں جن کے حصول کے لئے وہ تیس ۳۰ سال سے کوشاں ہے۔ ایکدن آپ اور وہ آدمی غار پر پہنچے، اور دونوں نے مل کر غار کے دہانے سے پتھر کو ڈھکیلا جس سے اتنا ہی راستہ کھل سکا کہ صرف ایک ہی آدمی اندر جا آسکتا تھا۔ لہٰذا وہ آدمی آپ کی اجازت سے اندر گیا اور دونوں نسخوں کو اٹھالیا۔ غیب سے آواز آئی کہ صرف ایک کتاب اٹھالو۔ شاید اس کی نیت میں خطرہ اور خود غرضی آگئی تھی کہ اس آواز کی طرف توجہ نہ کیا۔ دوبارہ وہی آواز آئی مگر اس نے کوئی توجہ نہ کی۔ دونو نسخوں کو لیکر غار سے باہر نکلنا چاہا ابھی اس کا ایک پیر اندر، دوسرا پیر باہر ہی تھا کہ اسکی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اس کی تجہیز و تکفین کرنے کے بعد جب آپ اس غار میں داخل ہوئے تو ندائے غیبی آئی کہ اے میرے فرزند حیدر تم دونوں

نسخے اٹھالو۔ آپ نے عرض کیا کہ میں کیونکر ان دونوں کا متحمل ہوسکتا ہوں، دوبارہ وہی آواز آئی تو آپ نے پہلا سا جواب دیا۔ تیسری مرتبہ آپ سے کہا گیا کہ ایک تم لے لو، دوسرا فلاں بادشاہ کو پہنچا دو جو ہمارا معتقد ہے۔ آپ نے غار سے دونوں نسخوں کو اٹھالیا ——— ادھر بادشاہ کو خواب میں بشارت ملی کہ جس نسخہ کے لئے تم برسوں سے خواہشمند تھے اس کو میرے فرزند حیدر لا رہے ہیں۔ بادشاہ اس خوشخبری سے بیحد مسرور ہوا۔ صبح ہوتے ہی ملازمین کو حکم دیا کہ سمندر کے کنارے آنے والے مہمان کے لئے چشم براہ رہیں اور مجھے فوراً مطلع کریں۔ جیسے ہی حضرت سمندر کے کنارے آتے ہوئے دکھائی دئے بادشاہ کو فوراً خبر کی گئی جو آپ کی آمد کا شدت سے منتظر تھا۔ اطلاع ملتے ہی استقبال کے لئے آگے بڑھا، دونوں کی ملاقات ہوئی۔ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک کتاب بادشاہ کو دیدی جسے پاکر بادشاہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

یہ واقعہ آج سے کوئی ساڑھے تین سو سال پہلے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے وصال سے تقریباً گیارہ سو سال بعد کا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نجف اشرف میں مدفون ہیں، اس کے باوجود آپ سینکڑوں میل دور واقع جزیرہ اور وہاں کے حالات کو اپنی چشم زندہ سے نہ صرف ملاحظہ کر رہے ہیں بلکہ ہدایات بھی دے رہے ہیں، نیز اسی شب بادشاہ کو خواب میں کتاب کی خوشخبری بھی دیدیے ہیں۔

بغداد شریف میں حضرت سید شاہ حیدر ولی اللہ قادری علیہ الرحمہ جن کا ایک واقعہ ابھی گذرا ہے اپنی ساری جائداد بھائیوں کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے عوض مجھے حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کے روضۂ مبارک میں چالیس دن ٹھہرنے کی اجازت دی جائے اور ان دنوں کوئی بھی اندر نہ آئے۔ تمام کی منظوری کے بعد آپ روضۂ مبارک میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا۔ چالیس دن پورے ہونے کے بعد مزار مقدسہ سے آواز آئی کہ اے میرے فرزند حیدر! جس مقصد کے لئے تم آئے ہیں اس کو ہم نے پہلے ہی دن جان لیا ہے، اور عطا بھی کر دیا ہے۔ باہر دوسرے فرزند اور اہل شہر ہماری زیارت کے لئے بیقرار ہیں دروازہ کھول دو۔ آپ نے فرمایا جب پہلے ہی روز یہ عطا ہو چکی ہے پھر یہ حجاب کیسا؟ اتنے میں آپ نے دیکھا کہ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مزار مبارک سے باہر کھڑے ہیں۔ آپ ادب کے ساتھ آگے بڑھے اور قدمبوسی سے مشرف ہوئے۔ حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے میرے فرزند حیدر تم دنیا کے کسی بھی حصہ میں جہاں کہیں بھی رہوگے ہم اسی طرح تم کو دیکھینگے جیسا کہ تم اب ہمارے سامنے ہو۔ اس کے بعد حضرت شاہ حیدر ولی اللہ قادری علیہ الرحمہ فیوضات و برکات سے مالامال ہوکر روضۂ مبارک سے باہر تشریف لائے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقی ولی علیہ الرحمہ جو ولایت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی کہ اے خدا ہماری اولاد سے جو بھی سجادہ نشین و مسند نشین ہوگا اس کو مقام قطبیت سے سرفراز فرما۔ اسی شب حضرت غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کو بشارت دیتے ہیں کہ تمہاری دعا

بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوگئی۔ لہٰذا آپ کی اولاد امجاد سے جو بھی مسند نشین وسجادہ نشین ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو مقامِ قطبیت سے سرفراز کرتا ہے ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور حضرت شاہ ابوالحسن قادری محوی ویلوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما

کو خواب میں بالراست حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ سے بطریق اولیسیہ بیعت وخلافت حاصل ہے۔ جب خواب سے بیدار ہوئے تو ہر ایک بزرگوار کے سر مبارک پہ عمامہ اور دستِ مبارک میں سندِ خلافت تھی۔

حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری محوی علیہ الرحمہ

ایک شب خواب میں جنت کی سیر کر رہے تھے، آپ کے دونو جانب دو فرشتے تھے جو آپ کو جنت کے ہر مقام ومحل سے متعارف کر رہے تھے، آپ چلتے ہوئے ایک نہر کے کنارے پہنچے جس کا پانی انتہائی صاف وشفاف تھا وہ آبِ کوثر کی نہر تھی۔ آپ کو اس نہر سے تین گھونٹ پانی پینے کی خواہش ہوی۔ اتنے میں پیچھے سے کسی کے آنے کی آہٹ سنائی دی۔ معلوم ہوا کہ حضرت غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضرت نے آپ کو یعنی محوی علیہ الرحمہ کو نہر میں ڈھکیل دیا۔ آپ اس نہر میں تین غوطے لگائے اور تین گھونٹ پانی پی گئے۔ جب آپ نیند سے بیدار ہوے تو خود کو بستر پہ حالتِ قیام میں پایا اور سر سے پیر تک تر بتر تھے۔

حضرت محی الدین شاہ عبداللطیف قادری المشہور بہ

حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب حضرت قادر ولی بادشاہ ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زیارت کے لئے ناگور شریف جانے کا ارادہ کیا تو آپ کے ایک مرید خاص نے کہا کہ جب آپ ناگور شریف جائیں تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے جانا حضرت نے وعدہ کرلیا۔ وہ صاحب وطن چلے گئے۔ جب حضرت قطب ویلور ناگور شریف کیلئے روانہ ہوے تو اپنے مرید خاص کو اسکی اطلاع نہ دے سکے۔ اسلئے کہ بات ذہن سے نکل گئی تھی۔ حضرت قادر ولی بادشاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مرید خاص کو خواب میں اطلاع دی کہ حضرت قطب ویلور ناگور شریف کیلئے نکل گئے ہیں اور فلاں مقام تک پہنچ گئے ہیں تمہیں معلوم کرانا بھول گئے تھے، لہٰذا تم فوراً چلے آؤ موصوف نے خواب سے بیدار ہوتے ہی گھوڑا تیار کیا اور سفر پر نکل گئے۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ اپنے پیر ومرشد حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ سے پلور شہر میں جا ملے۔ ان کی زبانی خواب کا سارا تذکرہ سن کر تمام لوگوں کو معلوم ہوا حضرت ویلور کے قطب ہیں۔ اسی دن سے آپ قطبِ ویلور سے مشہور ہوے۔

حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب ناگور شریف پہنچے اور درگاہ شریف پہ حاضری دئے تو درگاہ شریف کے دروازے خود بخود کھل سے گئے۔ آپ کے اندر داخل ہونے کے بعد بند ہوگئے۔ ایک گھنٹہ تک آپ مزار مبارک کے قریب رہے۔ نہ معلوم کہ آپ دونوں کے درمیان کیا گفتگو ہوی۔ جب آپ باہر جانا چاہے تو دروازے خود بخود کھل گئے اور پھر بند ہوگئے۔ باہر

منتظر ہیں، کسی نے دریافت کیا کہ حضرت نے کیا کہا تو آپ نے فرمایا کہ فرزند صالح کی بشارت دی ہے۔

اب حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد والا واقعہ ملاحظہ کیجئے کہ حضرت قطب ویلور علیہ الرحمہ اپنے فرزند دلبند کے ساتھ ۳ شوال المکرم ۱۲۸۵ھ میں حج بیت اللہ شریف کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ بہت سے لوگ تھے جن میں آپ کے داماد و بھتیجے وغیرہ بھی شامل تھے۔ مکہ معظمہ پہنچکر مراسم حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ میں ۱۱ محرم الحرام بروز پنجشنبہ عصر و مغرب کے درمیان آپ کا وصال ہوا۔ دوسرے دن ۱۲ محرم الحرام بروز جمعہ آپ کی تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔ یہ تو مدینہ منورہ کا واقعہ تھا لیکن ادھر ویلور دارالسرور کا واقعہ سنئے کہ ایک قندھاری مولوی صاحب مسجد مکان حضرت قطب ویلور میں تین دن سے تشریف فرما تھے۔ چونکہ حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و دیگر احباب بھی مدینہ منورہ ہی میں تھے اس لئے قندھاری مولوی صاحب کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔ حضرت قطب ویلور رح شب میں اپنی خادمہ کے خواب میں فرماتے ہیں فلاں قندھاری مولوی صاحب مسجد میں تین دن سے قیام فرما ہیں لیکن کسی نے بھی توجہ نہیں کی ہے۔ جو بھی حاضر ہے انہیں پیش کردو۔ خواب سے بیدار ہوکر خادمہ فوراً کھانا سالن تیار کرکے فجر کی اذان کے بعد مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کی۔ موصوف کو بڑی حیرت ہوئی کہ تین دن سے تو کسی نے پوچھا نہیں۔ اب یہ توشہ اچانک کیسے آگیا۔ خادمہ سے کہا جب تک یہ راز معلوم نہ ہو کھاؤنگا نہیں۔ خادمہ نے خواب کا سارا حال سنایا تو مولوی صاحب نے کہا یہ تو خواب تھا تم دریافت کرلیتیں کہ ایسا کوئی شخص موجود ہے کہ نہیں۔ خادمہ نے جواب دیا اسکی کوئی ضرورت نہیں، آپ موجود ہیں کہ نہیں؟ مولوی صاحب بہت ہی متاثر ہوئے اور تناول ما حضر سے فارغ ہوئے۔

ـــــ یہ قدرت الٰہی کا انعام و فیضان ہے کہ اپنے برگزیدہ بندوں سے وصال کے بعد بھی فیوضات و برکات جاری و ساری رہتے ہیں ـــــ

حضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مکیؒ سے مشہور تھے آپ کے زمانہ کا ایک عجیب و غریب واقعہ ملاحظہ کیجئے جو ۱۹۱۵ء میں پیش آیا تھا ـــــ

ایکروز میسور یونیورسٹی کے پروفیسر مولانا سکندر الدین خان صاحب حضرت مکیؒ کی ملاقات کے لئے ویلور تشریف لائے۔ بعد نماز عشا پروفیسر صاحب اور جناب مولانا محی الدین حسین صاحب چیدہ استاذ دارالعلوم لطیفیہ مصروف گفتگو تھے۔ درمیان میں چیدہ صاحب نے کسی سے چائے لانے کیلئے کہا۔ ایک بیرونی آدمی جو اسوقت وہاں موجود تھا فوراً چائے لے آیا۔ چائے نوشی کے کچھ دیر بعد چیدہ صاحب کو دست آنے لگے۔ ادھر پروفیسر صاحب کو نشہ آور غنودگی طاری ہونے لگی۔ وہ بیرونی آدمی چائے میں دھتورے کا بیج ڈال دیا تھا۔ پروفیسر صاحب کا صندوقچہ جس میں پیسے وغیرہ تھے لیکر بھاگنے لگا۔ طلبائے دارالعلوم نے اس کو پکڑ لیا۔ چونکہ چیدہ صاحب کی حالت

ہی بگڑ گئی تھی اس لئے تمام طلباء مولوی صاحب کے گھر ہی
پر دیکھ بھال میں مصروف تھے۔ ادھر پروفیسر صاحب کی یہ
کیفیت ہو گئی تھی کہ رات میں مسجد سے نکل کر دوڑتے ہوئے
حوض میں گرنے جاتے اتنے میں درگاہ شریف کا دروازہ کھلتا
دو بزرگ باہر نکل کر ٹھہرے رہتے اور دو بزرگ انہیں پکڑ
کر مسجد میں لے جا کر لٹا دیتے، یہ سلسلہ تقریباً صبح کی اذاں
تک جاری رہا۔ صبح ہوتے ہوتے پروفیسر صاحب کو ہوش
آیا۔ جمعہ کا دن تھا پروفیسر صاحب نے حضرت مکی علیہ الرحمہ سے
اجازت لیکر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے پچھلی رات کا سارا
واقعہ بیان کیا اور بتایا کہ اگر ان بزرگوں کی مدد نہ ہوتی، تو
میرا بچنا مشکل تھا۔

حضرت مکیؒ علیہ الرحمہ نے ایک شب خواب میں اپنے
والد بزرگوار اور اپنے جد اعلیٰ حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ
کو دیکھا کہ آپ دونوں فوراً حج کیلئے چلے آنے کہہ رہے ہیں صبح
ہوئی آپ نے خیال کیا کہ یہ خواب ہے۔ پھر آپ نے دوسری تیسری
شب ایسا ہی خواب دیکھا۔ اپنے والد کی قدمبوسی کی، تو والد
بزرگوار نے حضرت قطبؒ ویلور کی قدم بوسی کرنے کے لئے کہا
آپ جیسے ہی قدمبوسی کے لئے آگے بڑھے تو حضرت قطبؒ ویلور
رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں تمہارا منتظر رہوں گا۔
مسلسل تین رات کے خوابوں سے آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ
معاملہ من جانب اللہ ہے۔ آپ کے خوابوں کی کیفیت یہ
تھی کہ صبح ہوتے ہوئے تعبیر پوری ہو جاتی تھی۔ یہ بات
رمضان المبارک کے اوائل کی تھی آپ نے حج بیت اللہ
شریف کو جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے جد اعلیٰ حضرت قطب ویلور
کی پیروی کرتے ہوئے ۳ر شوال المکرم ۱۳۳۸ھ بروز دوشنبہ
عازم حج ہوئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے فرزند اکبر حضرت مولانا
ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری
رحمۃ اللہ علیہ و دیگر احباب بھی شریک تھے۔ مراسم حج سے
فراغت کے بعد کعبۃ اللہ میں اپنے فرزند دلبند کو بیعت و خلافت
سے مشرف کیا۔ آپ کا یہ خلافت نامہ سالنامہ اللطیف
میں شائع ہو چکا ہے۔ حضرت مکیؒ رحمۃ اللہ علیہ تین دن
کی بخار کے بعد وصل بحق ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون
یہ ہی خواب کی تعبیر تھی جس سے آپ کے والد بزرگوار اور
جدِّ اعلیٰ حضرت قطبؒ ویلور نے پہلے ہی سے آگاہ کرتے
ہوئے حج کو آنے کے لئے کہا تھا۔

حضرت مولانا ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ
عبدالقادر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ کا بھی انوکھا واقعہ
ملاحظہ کیجئے کہ دھرمپوری کے ایک ٹھیکیدار جن کا نام غلام
محی الدین صاحب ہے ناگور شریف جا کر درگاہ شریف میں
حضرت قادر ولی باشاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف رجوع
ہوئے اور مسلسل کئی دن تک اس نیت سے بیٹھ گئے کہ "مجھے
ایسے پیر کو بتائیں جن کے ہاتھ پر بیعت کروں" ایک شب
حضرت قادر ولی باشاہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مکان کا منظر
دکھایا اور پھر حضرت مولانا ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ
عبدالقادر قادریؒ کو بتا کر کہا کہ ان کے ہاتھ پر بیعت
کرو۔ اس سلسلہ میں مزید مولانا شاکر نائطی صاحب سے

سنئے کہتے ہیں :- ۵

ایک خوش بخت سے روایت ہے
کیا ہی اللہ کی عنایت ہے
تھی تلاش ان کو شیخ کامل کی
مردِ عارف کی حق سے واصل کی
شوق تھا رات دن توسّل کا
شیوہ تھا خلق سے تبتّل کا
شاہ گنج سوائی تک پہنچے
اور رہے جا کے بارگہ میں کھڑے
عرض و معروض میں زبان کھلی
اور بڑی عاجزی سے عرض یہ کی
شیخ کامل مجھے دکھا دیجے
پردہ آنکھوں سے اب اٹھا دیجے
طلبِ حق کی آرزو پا کر
اور خود اپنے ساتھ لے جا کر
حلیۂ شیخ اسے دکھا بھی دیا
اور حضرت مکاں دکھا بھی دیا
میرا ہمنام ہے یہ شیخ ترا
میرا ہمکام ہے یہ شیخ ترا
عبدِ قادر ہوں میں بھی وہ بھی ہے
اور شاکر ہوں میں بھی وہ بھی ہے
قادریت میں پختہ مرد ہے وہ
اور قطبیت میں آج فرد ہے وہ

لہٰذا موصوف ویلور آئے اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے

پیر و مرشد مولانا حضرت ابوالفتح سلطان محی الدین سیدشاہ عبدالقادر قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۳۰ر جولائی ۱۹۵۸ء میں واصل الی اللہ ہوئے۔ ایک واقعہ جو درج ذیل کیا جا رہا ہے آپ کے انتقال کے بعد ۱۹۵۹ء میں رونما ہوا۔

ایک شب میں نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ مجھے دیکھ کر پُر وقار قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ جب کبھی میں پیر و مرشد کو خواب میں دیکھتا ہوں تو فتوحات حاصل ہوتی ہیں یا بلیات ٹل جاتی ہیں، اس روز دن بھر کام میں مصروف رہا۔ کئی مرتبہ اس کا خیال بھی آیا لیکن خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

اسی دن شب میں تقریباً نو بجے میں اپنے حجرے کے قریب صوفے میں بیٹھا تحریر میں مصروف تھا، اس وقت بھی رات والے خواب کا تصور آ جا رہا تھا کہ شہتیر سے کوئی چیز میرے قریب آ گری۔ اس کے اور میرے درمیان کوئی ایک بالشت کا فاصلہ رہا ہوگا میں نے خیال کیا کہ بڑی چھپکلیاں لڑتی ہوئی گر پڑی ہیں تحریر ختم کر کے جب دیکھا تو وہ ایک سانپ ہے جو اسی وقت اپنے منہ کا رُخ دوسری جانب کئے جانے کی کوشش کر رہا ہے۔ چونکہ مجھے سانپ کے عمل کی اجازت ہے، لہٰذا مجھے نہیں مارنا چاہئے۔ اس لئے اپنے پیروں کو کھینچتے ہوا وہاں سے اٹھا، حجرہ کا دروازہ بند کر کے گھر سے باہر آیا اور اپنے آدمی عبدالقادر کو بلا کر مارنے کے لئے کہا۔ عبدالقادر نے اس کو مار کر باہر پھینک دیا۔ اس طرح یہ آفت ٹل گئی۔

حاصل کلام ان واقعات و مشاہدات سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اولیاء اللہ کے تصرفات و فیوضات زندگی اور اس کے بعد بھی ہمیشہ جاری و ساری رہتے ہیں۔ وقت اور فاصلہ، دیوار و پہاڑ دریا و سمندر کوئی چیز بھی ان کے ہمارے درمیان حائل نہیں ہو سکتی۔

حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کا مزار شریف

جس کو آجکل "کاظمین" کہا جاتا ہے اس کے بارے میں مشہور محدث ابو علی خلال کا قول ہے کہ "جب بھی مجھ کو کوئی مشکل پیش آتی میں حضرت موسیٰ بن جعفر کاظم کی قبر پر حاضر ہو کر ان کے توسل سے دعا کرتا تو اللہ تعالیٰ میری مراد بر لاتا۔

اسی طرح حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے بارے میں حضرت خطیب بغدادی نے فرمایا کہ حضرت معروف کرخی کا مزار حاجتیں پوری ہونے کے لئے مجرب ہے چنانچہ ایکسو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر جو بھی دعا ان کی قبر کے پاس مانگی جائے وہ ضرور مقبول ہوتی ہے۔

نیز اسی طرح حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے مزار پر انوار کے بارے میں حضرت امام شافعیؒ کا قول ہے کہ "بلاشبہ میں امام ابوحنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور روزانہ ان کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہوں اور جب مجھے کوئی حاجت درپیش ہو جاتی ہے تو میں دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے حاجت کی دعا کرتا ہوں تو میری مراد پوری ہونے میں دیر نہیں لگتی۔"

اولیاء اللہ کے ایسے بے حد و حساب واقعات ہیں جن کو تحریر کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ اس لئے یہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے ——— ان بزرگوں کی توجہات اور ان کے فیوضات و برکات حاصل کرنے کے لئے صفائی قلب اور اخلاص کی نہایت ضرورت ہے۔ کیونکہ ان پر دلوں کی باتیں منکشف ہو جاتی ہیں، اور وہ ہر چیز کو نور بصیرت سے دیکھ لیتے ہیں۔

خدائے بزرگ و برتر تمام مسلمانوں کو بزرگان دین کے فیوضات و برکات سے مالا مال فرمائے۔

آمین

بجاہ سید المرسلین

صلی اللہ علیہ وسلم

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

از مولانا سید محمد برہان الدین صاحب
عنطری جزری استاذ دار العلوم لطیفیہ
حضرت مکان ۔ ویلور

دورِ حاضرہ کے مسائل میں سے ایک مسئلہ عالمِ خواب بھی ہے جو ہماری نئی نسل کے لئے پیچیدہ بنا ہوا ہے جس کو وہ اسلامی نقطۂ نظر سے سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔ وقت کی اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے حضرت مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری ناظمِ دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز نے خواہش ظاہر فرمائی کہ عالم رُویا اور اس کی حقیقت پر مختصر مقالہ سپردِ قلم کیا جائے ــــــ عالم خواب اپنے اندر انتہائی گہرائی اور وسعت رکھتا ہے اور اس کی تہ تک پہنچنا بہت مشکل مسئلہ ہے۔ یہی وجہ ہے عصر حاضر میں بھی اہلِ فکر اپنی اپنی فکر و دانش کے مطابق خواب کی حقیقت بیان کر رہے ہیں۔ اسلامی مفسرین، شارحین حدیث، صوفیاءِ کرام اور متکلمین نے بھی اپنی تصانیف کے اندر اس موضوع کی عمدہ وضاحت فرمائی ہے۔ سلف کی آراء اور ان کی تحقیقات سمجھنے کے لئے میں نے تین مقدمات کو ترتیب دیا ہے۔ جن کے مطالعہ کے بعد خواب کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ میں اپنی اس حقیر علمی کاوش کی کامیابی کا فیصلہ قارئین اللطیف پر چھوڑ دیتا ہوں ــــ

سید محمد برہان الدین عفی عنہ

پہلا مقدمہ

عالم کی چار قسمیں ہیں۔ ایک عالم الغیب جس کے ادراک سے عقل عاجز ہے اور اسی عالم میں تمام غیبی چیزیں موجود ہیں۔ عالم غیب تک اُسی انسان کی رسائی ہوتی ہے جس کو منجانب اللہ بطور عطیہ علم حاصل ہوا ہو ــــــ

دوسرا عالم الشہادۃ ہے جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اور یہ عالم ہمارے دائرۂ محسوسات میں داخل ہے۔ لہٰذا اس کو عالمِ محسوس اور عالم مُلک بھی کہتے ہیں اور اس میں صرف اجسام اور جسمانیات موجود ہیں۔

تیسرا عالم المعقول ہے۔ یہ عالم عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے اندر ہر عقلی بات موجود ہے اور اس عالم کا دائرہ بہت وسیع اور کشادہ ہے۔ اس میں قوانین کلی رہنے میں اور اس عالم کی حد وسعت کو سمجھنا دشوار ہے۔

چوتھا عالم المثال ہے۔ یہ وہ عالم ہے جس میں ہر چیز مناسب شکل و ہیئت میں موجود ہے۔ خواہ وہ اجسام ہوں یا اعراض، یا رنگ ہو، یا بو۔ اور عالم شہادہ اسی عالم کا مظہر ہے گویا عالم شہادہ میں جو چیزیں وجود میں آچکی ہیں، یا آنے والی ہیں، یہ تمام عالم مثال میں موجود ہیں۔ حکماء نے اس کی بڑی اچھی مثال دی ہے کہ ہم اپنے آپ کو جب آئینہ میں دیکھتے ہیں تو ہمارا عکس ہماری صورت ہے۔ اسی طرح عالم مثال بھی عالم شہادہ اور عالم محسوس کے لئے آئینہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ علماء نے عالمِ ارواح کو عالم مثال میں شمار کیا ہے اور بعضوں کے نزدیک عالمِ ارواح عالم غیب میں شمار کیا جاتا ہے اور یہی مناسب ہے۔ بعض علماء نے عالمِ ارواح کو

کو ایک مستقل عالم قرار دیا ہے۔ مذکورہ بحث اقسام عالم کی
تعریفات پر مبنی ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے
کہ عالم معقول عالم غیب کے ساتھ اور عالم مثال عالم شہادۃ
اور عالم محسوس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور ان کے درمیان
قرب پایا جاتا ہے۔

دوسرا مقدمہ

انسان میں دو نفس ہوا کرتے ہیں
ایک نفس حیاتی، جس پر انسانی زندگی
کا انحصار ہے اور اس کو رُوح حیاتی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے انسان
اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک کہ اس میں روح حیاتی
جلوہ افروز ہو۔ انسان کی موت کا راز یہی ہے کہ روح حیاتی بدن
سے نکل جاتی ہے۔ دوسرا نفس وہ ہے جس کی وجہ سے انسان
رنج و الم کو محسوس کرتا ہے اور آواز کو سنتا ہے۔ چنانچہ انسان
میں جو احساس اور سمجھ بوجھ موجود ہے وہ اسی نفس کی کرشمہ
سازیاں ہیں اور اس کی قوت سارے جسم میں دائر رہتی ہے۔
یہی وجہ ہے کہ جب پیروں میں کوئی چیز آجائے تو اس کا احساس
سارے بدن میں ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کو نفس حساسی
اور روح حساسی کہا کرتے ہیں۔ جس طرح روح حیاتی جسم کے
تمام اعضاء میں جاری و ساری رہتی ہے اسی طرح روح حساسی
انسان میں ہر جگہ پھیلی رہتی ہے۔ روح حیاتی اور حیات اور
روح حساسی اور احساس کو سمجھنے کے لئے چراغ اور روشنی
کی مثال بہت مناسب ہے، مثلاً کسی کمرہ میں بلب روشن کیا جائے
تو اس کی روشنی پورے کمرے میں پھیل جاتی ہے۔

اور روح حساسی ایسی چیز ہے، جب تک انسان
میں موجود رہتی ہے انسان برابر رنج و الم کو محسوس کرتا ہے۔
اور جب انسان کسی عضو کے درد کا احساس نہ پائے تو یہ بات
سمجھ لینی چاہئے کہ اس عضو سے نفس حساسی کا خاتمہ ہو چکا
ہے۔ یا اس روح حساسی کی قوت اور طاقت کو معطل کر دیا
گیا ہے، جس کی وجہ سے انسان درد محسوس نہیں کرتا جیسا کہ آپریشن
میں ہوتا ہے۔ انسان کے کسی عضو کی جرح و قدح مقصود ہو تو
انجکشن یا کسی اور طریقہ سے اس عضو سے روح حسّاسی کا
خاتمہ کر دیا جاتا ہے اس وقت انسان زندہ رہنے کے باوجود
درد کو محسوس نہیں کرتا۔

اسی طرح انسان کسی موذی جانور سے خوف کھا کر
بھاگنے لگتا ہے تو اس کو دوڑ دھوپ میں راہ پُر خار اور اسکی
صعوبتوں کا کچھ احساس نہیں رہتا۔ بلکہ وہ اندھا دھند
خطرناک چیزوں کو عبور کرتا ہوا بھاگ نکلتا ہے، اور اسکو
درد و تکلیف کا احساس تک نہیں ہوتا، اس کا واحد سبب یہی
ہے کہ اس پر خوف و ہراس کا غلبہ اس قدر ہو چکا کہ جس کی وجہ
سے احساس مغلوب ہو گیا۔ اسی طرح نفس حساسی دن بھر
کام کر کے تھک جاتی ہے تو وہ سیر و تفریح کے لئے نکل جاتی
ہے اور جوں ہی یہ نفس حساسی بدن سے نکل جاتی ہے، تو
انسان کے حواس معطل ہو جاتے ہیں۔ انسان پر طاری ہونے
والی اس حالت کا نام نیند ہے، لیکن نفس حساسی کا تعلق
بدن کے ساتھ کچھ نہ کچھ رہتا ہے۔ جیسا کہ سورج اپنی جگہ رہتے
ہوئے بھی اس کی روشنی و حرارت کوسوں دور سے زمین تک
پہنچ جاتی ہے اور کبھی کبھی اس تعلق میں بے پناہ کمی واقع
ہوتی ہے۔ اس کمی کا نتیجہ ہے کہ جب ہم کسی سونے والے
آدمی کو بیدار کرتے ہیں تو بہت دیر تک اس کو احساس

نہیں ہوتا اور یہ نفس حساسی نفس حیاتی کے تابع ہے۔ چنانچہ قرآن نے بھی اس فلسفہ کی گرہ کشائی فرمائی ہے۔ اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا الخ نفس حیاتی مرجانے کا مطلب یہی ہے کہ وہ انسان کے بدن سے نکل جاتی ہے اور نفس حساسی مرجانے کا مطلب یہی ہے کہ صرف احساس معطل ہوجاتا ہے۔

تیسرا مقدمہ

مذکورہ بحث کو ذہن نشین کرلینے کے بعد ایک اور چیز سمجھ لی جائے، تو خواب کی حقیقت کو سمجھنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ انسان میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوت ودلیعت فرمائی ہے، اور وہ قوت دو قسموں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ خیر سے اور دوسرا حصہ شر سے متعلق ہے، ان میں سے ایک انسان کو برائی کی طرف اکساتا ہے تو دوسرا اس کو بھلائی کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ جو چیز انسان کو گناہ کی طرف لیجاتی ہے اس کو لمۃ الشیطان، لمۃ الشر اور صفت شیطانی کہتے ہیں۔ اور دوسری جو انسان کو نیکی کی طرف متوجہ کرتی ہے اس کو لمۃ الملک، لمۃ الخیر اور صفت رحمانی کہتے ہیں۔ یہ دونوں قوتیں اپنا اپنا عمل جاری رکھتے ہیں چنانچہ انسان سے جو فعل صادر ہوتا ہے وہ گویا انہیں قوتوں میں سے کسی ایک کے غالب ہوجانے کا نتیجہ ہے یعنی جب لمۃ الملک کی قوت بڑھ جاتی ہے تو انسان نیکی کی طرف مائل ہوجاتا ہے اور یہاں لمۃ اللہ مغلوب ہوجاتی ہے اور اسی طرح لمۃ اللہ غالب ہوجائے تو انسان سے گناہ کا صدور ہوتا ہے اور نفس حساسی ان دونوں قوتوں کے تابع ہوا کرتی ہے چنانچہ لمۃ الملک جب انسان کو کسی نیکی کی طرف مائل کردیتی ہے تو نفس حساسی بھی اس کی طرف بڑھ جاتی ہے اور اس طرح صفت شیطانی انسان کو جب کسی گناہ کی طرف مائل کردیتی ہے تو نفس حساسی بھی اسی کی طرف مائل ہوجاتی ہے۔ لہٰذا نفس حساسی لمۃ الملک اور لمۃ الشیطان کے تابع ہے۔ جو قوت غالب آجاتی ہے نفس حساسی اسی کا ساتھ دیتی ہے۔ مثلاً اکل حلال سے قوت صفت رحمانی میں اضافہ ہوتا ہے اور اکل حرام سے صفت شیطانی کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ انہیں حرام وحلال کے محرکات سے انسان میں وہ دونوں قوتیں بڑھتی اور گھٹتی ہیں اور نفس حساسی برابر ان دونوں قوتوں سے اثر قبول کرتی چلی جاتی ہے تو معلوم ہوا نفس حساسی کو متاثر کرنے میں غذا کو بھی بڑا دخل ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جسم انسانی میں جو گوشت حرام غذا سے پرورش پاتا ہے وہ دوزخ کے لائق ہے۔

حاصل کلام ان مقدمات کے بعد خواب کی حقیقت ملاحظہ فرمائیے۔ جب انسان سوجاتا ہے تو نفس حساسی بدن سے نکل جاتی ہے لیکن اس کا تعلق بدن سے ضرور رہتا ہے اور یہ اپنی سیر و تفریح میں عالم مثال تک پہنچ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کا تعلق عالم مثال سے جڑ جاتا ہے، اور عالم مثال کی جو چیز اس کی نظر سے گذرتی ہے وہ سب انسان کو نظر آجاتی ہے، اس لئے کہ نفس حساسی کا تعلق بدن سے بھی اور عالم مثال سے بھی رہتا ہے۔ لہٰذا عالم مثال کی چیزوں کا مشاہدہ نفس حساسی کرتی ہے اس کو انسان سوتے ہوئے دیکھ لیتا ہے۔ اسی تعلق کو خواب کہتے ہیں۔ نفس حساسی

جس چیز کو دیکھ لیتی ہے اس کو عقل محفوظ کر لیتی ہے۔ چنانچہ انسان نیند سے بیدار ہونے کے بعد خواب میں پیش آنے والے واقعات کو یاد رکھتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عقل نفس حساسی کے مشاہدات کو محفوظ نہیں کرتی جس کی وجہ سے عالم خواب میں پیش آنے والے واقعات کو بھول جاتا ہے۔ چنانچہ ہم بہت سے خواب ایسے دیکھتے ہیں لیکن نیند سے بیدار ہونے کے بعد کچھ یاد نہیں رہتا۔ ان تعلقات کو ایسا ہی سمجھئے، جس طرح مرکب فضائیہ کے ذریعہ آج کل کئی معلومات فراہم ہو جاتی ہیں۔ زمین پر بسنے والے ٹیلی ویژن کے ذریعہ چاند پہ رونما ہونے والے واقعات کا مشاہدہ کرتے ہیں، یہ محض اس آلہ کی کرشمہ سازی ہے جو چاند اور زمین کے درمیان ربط اور کنکشن دیتا ہے۔ چاند پہ کی ساری چیزیں نظر آنے کا واحد سبب یہی ہے کہ زمین کے آلہ کا تعلق چاند سے ہے جس کی وجہ سے زمین والے چاند پہ کی چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جب انسان نیند کی وادیوں میں چلا جاتا ہے تو نفس حساسی عالم مثال کا مشاہدہ کرتی ہے اور اس کا کنکشن دونوں جگہ (یعنی بدن اور عالم مثال) برقرار رہتا ہے جس کی وجہ سے عالم مثال کی چیزیں انسان پہ عیاں ہو جاتی ہیں۔ یہی خواب کی روح ہے۔

نفس حساسی کا تعلق جب عالم مثال سے ہو جاتا ہے تو وہاں ایسی چیزوں اور ایسے لوگوں سے ملاقات کرتی ہے جو اس کے ہم صفت ہوتے ہیں۔ اگر نفس حساسی صفت رحمانی سے متصف ہے تو وہاں اچھی چیزوں سے اور اچھے لوگوں سے ملاقات کرے گی اور صفت شیطانی سے متاثر ہے تو وہاں بھی برُے لوگوں سے ملاقات کرے گی۔ اسی صفت شیطانی سے متصف ہونے کا نتیجہ ہے کہ انسان خواب میں بھیانک چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کو ڈراؤنی خواب پڑتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد ہمارے بزرگوں کا یہ قول بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ انسان سونے سے قبل چند آیات قرآنیہ یا اوراد و وظائف پڑھ کر سو جائے یا با وضو سو جائے۔ ان ساری باتوں میں یہی مصلحت کارفرما ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے نفس حساسی کا تعلق صفت شیطانی سے نہیں ہوتا۔ اور ان اوراد و وظائف کی برکت اور تاثیر سے انسان برُے اور بھیانک خواب دیکھنے سے بچ جاتا ہے۔ نفس حساسی کا تعلق عالم مثال سے ہو جانے کی صورت میں انسان خواب دیکھنے لگتا ہے اور خواب پڑنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان کبھی کبھی خیالات و تصورات کو ذہن میں بٹھائے ہوئے سو جاتا ہے اور یہی خیالات خواب کی شکل میں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ یہ خیالات و تصورات بھی نفس حساسی ہی کا ایک جزء ہے۔

عالم مثال کی ساری چیزیں انسان پہ منکشف ہونے کا سبب یہی ہے جو ذکر کیا گیا ہے یعنی نفس حساسی کا اس عالم سے تعلق ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی انسان ریاضت نفس اور مجاہدہ کی بدولت نفس حساسی کو اپنے قبضے میں لے لیتا ہے۔ جب نفس حساسی اس کے کنٹرول میں ہو جاتی ہے تو عالم بیداری میں بھی یہ شخص اپنے نفس حساسی کو عالم مثال سے تعلق پیدا کرتے ہوئے وہاں کی چیزوں کا مشاہدہ کر لیتا ہے اور کبھی کبھی بغیر کوشش کے خود بخود نفس حساسی کا ربط عالم مثال سے ہو جاتا ہے۔ اسی ربط و

تعلق کی بنا پر وہ ایک ہی وقت میں کئی چیزیں دیکھ لیتا ہے۔ یہ بلند مقام صاحبِ کشف کو نصیب ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک مرتبہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حالتِ نماز میں اپنے ہاتھوں کو آگے بڑھایا اور پیچھے ہٹالیا۔ اس حرکت پر صحابہ متعجب ہوئے اور حقیقت حال دریافت فرمایا، اس پر آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا میں نے جنت کا مشاہدہ کیا اور اس میں انگور کے خوشنما خوشوں کو دیکھ کر توڑنے کا خیال ہوا، پھر میں نے اس خیال کو ترک کرتے ہوئے ہاتھ پیچھے ہٹالیا۔

اور ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ، مدینۂ طیبہ میں خطبہ دیتے ہوئے حضرت ساریہؓ کو ہدایت دیتے ہیں، اے ساریہؓ! پہاڑ کے دامن میں پناہ لو، اس وقت ساریہ مدینہ سے میلوں دور سرزمین نہاوند میں برسرِ پیکار تھے۔ یہ نفسِ حساسی کا عالمِ مثال کے ساتھ غیر معمولی تعلق ہے جس کی وجہ سے عالمِ بیداری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ساری چیزوں کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔

اکثر و بیشتر فلاسفر اور حکماء نے خواب کی حقیقت اپنی کتابوں میں بیان فرمائی ہے کہ خواب کی پانچ قسمیں ہیں، بعض ملحدین خواب کی حقیقت نہ سمجھ کر خواب کو ایک لایعنی اور بیکار سی چیز قرار دیا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک مزاج کی بے ترتیبی سے انسان عالم منام میں ایسی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے لیکن خواب انہیں چیزوں پر منحصر نہیں۔ فرید وجدی دائرۃ المعارف میں اہل

یورپ کی یہ رائے نقل فرماتے ہیں کہ خواب نیند، اور بیداری کی درمیانی حالت ہے۔ لیکن مذکورہ بیان سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ خواب کے لئے نیند کی درمیانی حالت ہی ہونا ضروری نہیں۔

اسلامی نقطۂ نظر سے خواب کی تین قسمیں ہیں۔

ایک رویاء من اللہ۔ یہ خواب انسان کو من جانب اللہ پڑتا ہے۔ جو نفسِ حساسی کا صفتِ رحمانی سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے۔ دوسری قسم رویاء من الشیطان۔ یہ خواب نفسِ حساسی کا صفتِ شیطانی سے متاثر ہونے کا سبب ہے اور یہ شیطان کی جانب سے پڑتا ہے، اور خواب کی تیسری قسم رویاء حدیث النفس، یہ خواب نفسِ حساسی کا خواہشِ نفسانی سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے۔ حکماء نے جو خواب کی پانچ قسمیں بتائی ہیں ان میں سے چوتھی اور پانچویں قسم تیسری قسم میں داخل ہے۔ ایک شخص کسی انسان یا کسی چیز سے محبت رکھتا ہے اور اور ان کو دیکھنے کی بے حد خواہش رکھتا ہے تو اس کی اس خواہش سے نفسِ حساسی متاثر ہوجاتی ہے اور نیند میں عالم مثال سے تعلق قائم ہونے کے بعد ان محبوب چیزوں کو دیکھ لیتا ہے۔ خواب کی بہت سی صورتیں ہیں، ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ نفسِ حساسی عالمِ مثال میں کسی چیز کو اسی شکل و ہیئت میں دیکھ لینا جو بعینہٖ عالمِ شہادہ میں آنے والی ہے یا عالم الشہادہ میں موجود ہونے والی چیزوں کو ان کی مناسب چیزوں کی صورت میں دیکھ لینا، پہلی صورت کو خواب صریحی کہتے ہیں کیونکہ بعینہٖ اسی چیز کا مشاہدہ کرلیتا ہے جو عالم الشہادۃ میں موجود ہونے والی ہے۔ دوسری صورت میں بعینہٖ اس چیز

کا مشاہدہ نہیں کرتا بلکہ اس کے مناسب اور مماثل شئے کو دیکھ لیتا ہے، لہٰذا خواب کی اس صورت کو خواب مجازی کہتے ہیں۔ اور یہ دونوں خواب کی اصل قسمیں ہیں، اور خواب کی فروعی قسمیں بھی دو ہیں۔ ایک رویاء الصادقہ یعنے سچا خواب اسکی دو صورتیں ہیں۔ ایک صالح خواب جس کی تعبیر اور ثمرہ اچھا ہو جیسے یوسف علیہ السلام کا خواب اور یہ خواب خواب مجازی ہے کیونکہ یوسف علیہ السلام نے سورج، چاند اور گیارہ ستاروں کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا، سورج سے مراد آپ کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام اور چاند سے مراد آپ کی دوسری والدہ (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی دوسری بیوی) اس لئے کہ چاند میں اصلی روشنی نہیں بلکہ اسکی روشنی کا انحصار سورج پہ ہے اور گیارہ ستاروں سے مراد آپ کے گیارہ بھائی مراد ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کے بارے میں علماء نے اختلاف فرمایا۔ بعضوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کو خواب صریحی میں شمار کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کا مقصد پہلے ہی فرزند کو ذبح کرنا تھا۔ ذبح سے مراد صرف گردن پر چھری چلانا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری چلا دی۔

بعض علماء نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کو خواب مجازی قرار دیا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ پہلے ہی دنبہ ذبح کرنا مراد تھا۔ لیکن محض حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزمانے کی خاطر بچہ کو ذبح کرنے کی صورت میں خواب دکھایا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کے متعلق علماء اہل سنت والجماعۃ اور علمائے معتزلہ کے درمیان اصولی حیثیت سے بہت اختلافات ہیں جن کی تفصیل کے لئے اصول کی کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں۔

اسلامی تاریخ کے زرین باب اپنے اندر خوابوں کا بے پناہ ذخیرہ لئے ہوئے ہیں جن کی سینکڑوں مثالیں دستیاب ہوسکتی ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہونے سے قبل ایک خواب دیکھا تھا جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر آنحضرت کو دکھایا گیا گویا اس بات کی نشان دہی رہی کہ یہ ریشمی لبادہ میں لپٹی ہوئی عورت کو آپ کی زوجیہ ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔ یہ خواب خواب صریحی ہے جس کی تعبیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح تھا۔ رویاء صادقہ کی دوسری قسم غیر صالح یعنی اس خواب کی تعبیر سے ناکامی اور مایوسی کی طرف اشارہ ملے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایکمرتبہ خواب دیکھا آپنے شمشیر ہاتھ میں لی اور اس کو حرکت دیا، وہ ٹوٹ گئی۔ پھر آپ نے دوسری مرتبہ حرکت دی تو اس وقت تلوار ٹھیک ہو گئی۔ یہ خواب آپ کو غزوۂ احد سے قبل پڑا تھا۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ اب ہونے والی جنگ میں مسلمان ایک مرتبہ شکست سے ہمکنار ہوجائیں گے اور پھر فتح و کامیابی سے شرف یاب ہوں گے۔

خواب ایک بیکار اور محض خیالی چیز نہیں ہے

اسلام نے اس کو ایک اعلیٰ مقام عطا فرمایا۔ چنانچہ آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے رویاء صادقہ کو نبوت کا

چھیالیسواں حصہ قرار دیا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھ ماہ تک رویائے صادقہ دکھائی دیتے رہے۔ نبوت کی کل مدت تیئس ۲۳ سال ہے۔ تیئس کو دو سے ضرب دیں تو جملہ چھیالیس آئے گا اور ہر ایک حصہ میں چھ ماہ ہوگا اس لحاظ سے سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

رویاء صادقہ کے مذکورہ بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وحی کی دو صورتیں ہیں، ایک وحی منامی، دوسری وحی صریحی۔ وحی منامی کی تشریح اوپر گذر چکی ہے۔ وحی صریحی میں شدت ہوا کرتی ہے جس کو برداشت کرنے کے لئے ابتدا میں نبی کو وحی منامی سے ہمکنار کیا جاتا ہے تاکہ نبی وحی صریحی کا بوجھ اٹھانے کے قابل ہو جائے۔

خواب کی ایک اور قسم مبشرہ ہے جس میں انسان کو کسی بات کی خوشخبری دیجاتی ہے جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے بارے میں خوشخبری دی گئی تھی۔ خواب کی مذکورہ صورتوں کے علاوہ جتنی بھی قسمیں ہیں، وہ سب قوت خیالی، خواہشات نفسانی، غذا اور مزاج کے اعتبار لحاظ سے ہیں۔ اس قسم کے خواب سچے نہیں ہوتے اور جن کے لئے تعبیر بھی نہیں کی جاسکتی۔

حاصل تحریر وحی، خواب اور کشف سبھی ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس طرح وحی اور خواب کی مختلف صورتیں ہیں، اسی طرح کشف کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ایک رحمانی، دوسری شیطانی، اور تیسری نفسانی۔ وحی صریحی کا نزول حضرت جبرئیل علیہ السلام کے توسط سے ہے اور وحی منامی نفس حساسی کے ذریعہ ہے نفس حساسی کبھی کبھی اپنی سیر میں لوح محفوظ تک پہنچ جاتی ہے جسکی وجہ سے وہاں کی باتیں بھی انسان کو معلوم ہو جاتی ہیں۔ نفس حساسی کی یہ غیر معمولی ترقی اور رفعت صرف حضرات نفوس قدسیہ کیلئے مخصوص ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی سے قبل بہت سی معراجیں نصیب ہوئی ہیں، یہ سب معراج منامی تھیں گویا یہ آنحضرت کے لئے ایک مشق تھی تاکہ آپ معراج جسمانی کے متحمل ہو سکیں اور آنحضور[۴] کو جو بلند و بالا مقام نصیب ہوا کسی اور نبی اور رسول کو مل نہ سکا۔ گویا یہ حیرت انگیز ترقی (اوتیت علم الاولین والآخرین مجھے علم ما کان و ما یکون عطا کیا گیا) اس کی بدولت حاصل ہوئی۔

خواب رحمانی اور کشف رحمانی کے درمیان صرف یہ فرق ملحوظ ہے کہ خواب رحمانی عالم خواب اور کشف رحمانی عالم بیداری میں واقع ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کر دیا تھا جس کی تفصیل اور توجیہہ سورۂ کہف میں مذکور ہے، یہ فعل اس لئے آپ کے ہاتھوں سے صادر ہوا کہ کشف رحمانی کے ذریعہ آپ کو معلوم ہو گیا، کہ یہ لڑکا آئندہ چل کر اپنے والدین کو گمراہ کرے گا۔ خواب رحمانی اور کشف رحمانی انہیں حضرات قدسیہ کو نصیب ہوتی ہے جو بدنی کثافتوں سے نجات پاکر ملاء اعلیٰ سے جا ملتے ہیں۔ خواب شیطانی اور کشف شیطانی میں یہ فرق ہے کہ ایک حالت نیند اور ایک حالت بیداری میں واقع ہوتا ہے۔

اور یہ جیسے گندہ نفوس اور بُرے لوگوں کو میسّر آتی ہے چنانچہ اسی کشفِ شیطانی کی مدد سے یہ لوگ دوسرے لوگوں کے گذرے ہوئے اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کو بتا دیا کرتے ہیں اور اسی کو "سیواہ" کہتے ہیں۔

خواب کے اندر وقت، مکان، ماحول اور مذہب کو بھی بڑا دخل ہوا کرتا ہے، اس لئے کبھی کبھی نفس حساسی عالم مثال سے تعلقات قائم کرتی ہے تو معاملہ اُلٹا ہو جاتا ہے۔ جس طرح فوٹو لینے کے وقت دھوپ اور روشنی کی کمی اور زیادتی سے تصویر کے اندر تغیر و تبدل ہوتا ہے بالکل اسی طرح نفس حساسی جس قدر عالم شہادہ کے احساس سے بلند ہو گی اسی قدر خواب ٹھیک ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ صبح صادق میں پڑنے والے خواب عموماً سچے ہوا کرتے ہیں۔ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ اس وقت نفس حساسی عالم شہادہ کی باتوں سے بالکل آزاد ہوا کرتی ہے اس کا انحصار نفس حساسی کی تعلقات پر مبنی ہے کیونکہ انسان کے چار عناصر بھی علویات کے ایک ایک ستارہ سے تعلق رکھتے ہیں، اسی لئے انسان کے صفات اور قویٰ بھی ہر ایک گھنٹہ میں ایک ایک ستارے سے متعلق ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا ستاروں کی رفتار اور ان کی گردش سے انسان کے صفات اور قویٰ ہر لمحہ اور ہر آن تعلق و ربط رکھتے ہیں۔ جس وقت نفس حساسی عالم مثال سے ربط پیدا کر رہی ہے، وہ وقت اچھا ہو تو خواب سچا ہو گا۔

خواب کی تعبیر میں بھی اوقات اور ماحول کی تاثیر ہے۔ اسی لئے کوئی شخص خواب دیکھ لیتا ہے اس کی تعبیر بتانے والے مختلف تعبیریں بتاتے ہیں جیسا کہ ایک شخص نے خواب دیکھا کہ لوگوں نے اسے خصّی (یعنے فتنہ) کر دیا۔ تعبیر دریافت کرنے پر معبّروں نے مختلف تعبیریں بیان کئے۔ ایک بتایا تم جلد مر جاؤ گے، دوسرے نے کہا تم اپنے بیٹے سے جُدا ہو جاؤ گے۔ ایک اور کہنے والے نے کہا نسل منقطع ہو جائے گی اور آخر کار یہ سب کچھ ہُوا۔ اگر کوئی شخص رات کو خواب دیکھے کہ وہ سڑک پر بیٹھا، تو اس کی تعبیر نفع اور ترقی ہے، اگر یہی خواب دن میں دیکھے تو اس کی تعبیر بیوی کو طلاق دینا ہے۔

حاصل کلام عالم خواب اور اسکی حیرت انگیز کرشمہ سازیاں بہت ہیں، انہیں مختصر معلومات پر مقالہ کا اختتام کرتا ہوں ورنہ حقیقت تو یہ ہے، اس موضوع کے لئے ع یک سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کیلئے۔

(انڈکس)

تفسیر روح المعانی، تفسیر رازی، تفسیر مظہری، تفسیر روح البیان
تفسیر بیضاوی، شرح مسلم، فتح الملہم علی المسلم، فتح الباری علی البخاری
عینی علی البخاری، فیض الباری علی البخاری، منتخب الکلام فی تفسیر الاحلام
لابن سرین، تعطیر الانام فی تعبیر المنام، شرح المقاصد، شرح المواقف
کالنبوی علی عقائد جلالی، حجۃ اللہ البالغہ، مجموعہ خواب نامہ، احیاء علوم الدین

خلوت اختیار کی میں نے اور ریاضت کی میں نے اور خلع بدن
کر کے طبیعت کے لباس سے مجرد ہوا میں اور اپنے میں ایک
عجیب حسن اور غریب نور پایا میں نے اور صاحب تاثیر تھا میں۔
پھر ترقی کی میں نے حضرت ربوبیت تک اور ایک نور مشاہدہ کیا میں نے
جس کا وصف نہ زبان سے ادا ہوسکتا ہے اور نہ کان اس کا وصف سن
سکتا ہے۔ ناگاہ میرے اور اس کے نور کے درمیان فکر حجاب ہوگئی
اور تعجب میں پڑ گیا میں ---------
کہ کس طرح اس عالم سے تنزل کیا میں نے ——"

ناظرین عجلت سے کام نہ لیں۔ مذکورہ قول کسی
صوفی، یا صاحب ولایت کا نہیں ہے اور نہ ہی کہنے والا
اہلِ اسلام سے ہے، بلکہ آج سے ۲۴ صدی بیشتر دورِ قبلِ
مسیح کی عبارت ہے۔ اس عبارت کا صوفیانہ انداز اہل اسلام
کے اقوال سے کتنا ملتا جلتا ہے ذرا ذیل کے ان اشعار کی
طرف بھی توجہ فرمائیں۔

ے چہ خوش بودم بعیشِ عالمِ غیب
ز ہست و نیستی آزاد و بے غم
بہ قیدِ خاک از دستِ شہادت
فتادم در ظہورِ بیشی و کم

ـــــــ

ے چو خود را نیک بشناسم خلاصم
ولے مشکل کہ من خود را ندانم

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھکو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں
گاہ مری نگاہ شوق چیر گئی دلِ وجود
گاہ اُلجھ کے رہ گئی میری توہمات میں

موضوع کے لحاظ سے اہل اسلام کے ان اشعار میں اور
اوپر لکھی ہوئی منثور عبارت میں چنداں فرق نظر نہیں آتا۔
یہ عبارت "شرح حکمت الاشراق" از علامہ قطب الدین سے
لی گئی ہے۔ جو افلاطون (PLATO) حکیم یونان سے
منسوب ہے۔ حکیم افلاطون کا فلسفہ عالمی شہرت رکھتا ہے
اور عرفان و تصوف کے رسالوں میں افلاطون کے حوالے
مستند مانے جاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ حکماء اور فلاسفر
مادہ کی تحقیقات میں کھو گئے اور اپنے روحانی شعور کشف
و الہامات کے باوجود اس حقیقت کو نہ پہنچ سکے جو دین محمدی

سے خاص ہے۔ اسی لئے مولانا رومؒ نے کہہ دیا ہے

فلسفی گشتی و آگاہ نیستی
تو کجا و از کجا و کیستی
از خود آگاہ چون نئے اے بے شعور
پس نباید بر جبینِ علمت غرور

افلاطون نیک مرد ہونے کی وجہ سے (جیسا ہر نیک مرد کا تجربہ ہے) حاسدوں کا شکار ہوگیا۔ انہیں حاسدوں کی وجہ سے اسکی شہرت میں اور اضافہ ہوتا گیا۔ افلاطون کا مخفف "فلاطن" ہے حکمت و شجاعت اور ہر کمالِ انسانی کا مترادف ہوگیا۔ افلاطون کے متعلق چند غلط فہمیاں ہیں، چنانچہ غلط بیانیوں سے لبریز ایک مضمون میری نظروں سے گذرا جس نے دماغ کو اور میرے قلم کو متحرک کردیا۔ لکھا ہے کہ افلاطون بڑا ہی سفاک و چالاک تھا سلطنتوں میں نفاق پیدا کرتا تھا۔ ایک جادوگر تھا جو اپنی جادو کے زور سے اپنی شکل کے ۶۰ جاندار پتلے بنا رکھا تھا حتیٰ کہ عزرائیل بھی قبضِ روح لیکے پیچ و تاب کھانے لگے تو خدا نے فرمایا اے عزرائیل کیا تو نہیں جانتا انسان کی کمزوری کیا ہے؟ اس پہ عزرائیل نے ایک خوبصورت عورت کی شکل اختیار کی۔ ساٹھوں بت اس عورت کی ساحرانہ اداؤں کو دیکھ کر مائل ہوئے تو اس عورت نے پوچھا۔ اگر تم میں صحیح افلاطون نکل آوے تو میں جانوں۔ تیسری صف میں سے ایک نے مسکرا کر پکارا "ادھر آجا" عزرائیل اس کی گود میں جا بیٹھے اور روح قبض کی" —— یہ افلاطون کی نری توہین ہے۔ پتہ نہیں یہ مؤرخ کون ہے۔ اور یہ قصۂ افلاطون تو درکنار کسی فلاطن کی طرف بھی منسوب ہونا محال ہے۔ پتہ نہیں یہ مورخ اپنے دماغ میں کونسے "فلاطن" کا تصور رکھے ہے، جبکہ بقول انہیں کے ایسے "فلاطن" بے شمار تھے۔

لہٰذا اپنی چند غریب تحقیقات و ماخوذات کی بنا پر ان حکماء کا اسلامی نقطۂ نظر سے ایک مختصر پس منظر پیش کر رہا ہوں۔ بہر صورت یہ مکمل نہیں ہوسکتا۔ اس کے لئے تو ایک رسالہ درکار ہوگا۔ ذرّہ زمین کی وسعت کو پا نہیں سکتا اور قطرہ سمندر کی حد کو پا نہیں سکتا۔ اس لئے جو کچھ بھی لکھا ہے اصلاح کے قلم کی زینت کا محتاج و مرہونِ منت ہوگا۔ مجھے یہ تحقیقات کئی ذرائع سے حاصل کرنا پڑا اور اس کے لئے تھوڑی بہت خط و کتابت بھی کرنی پڑی۔ چند احباب سے اور مزید کتب خانوں سے تلاش جاری ہے۔ جو کچھ میں نے پیش کیا ہے اس پس منظر میں صحیح افلاطون کی شخصیت کا جائزہ لیں۔ یہ اسلامی نقطۂ نظر سے افلاطون کا ایک رُخ ہے، ورنہ مغربی ادب و فلسفہ کی رُو سے اس کے اور بھی رُخ ہیں۔

افلاطون (PLATO) (۴۲۳ ق م) ایتھنس میں پیدا ہوا۔ ملک یونان کا دار الخلافہ شہر ایتھنس حکمت و فلسفہ کے علوم کا بھی دار الخلافہ مانا جاتا ہے۔ سولن نامی تاجر اور حکیم اس شہر کا بانی تھا اور ماں کی طرف سے افلاطون کا رشتہ سولن سے جا ملتا ہے۔ افلاطون کا نام اسکے دادا کے نام پہ تھا۔ اس کا باپ ایک مؤرخ کے

بیان کے مطابق ارسطو بن ارسطاطالیس تھا اور ایک
مورخ کی رُو سے اس کے باپ کا نام ارسطی بن ارسطو بن
اسقلینوس ثانی ہے یصغر سنی میں اس کا استاد پولیس تھا
بعد میں اس کا استاد ارسطون ہے، جس نے اسے فنِ کشتی
سکھلائی۔ افلاطون خوب ورزش کیا کرتا تھا۔ اس وجہ سے
اس کا جسم بڑا اور کاندھے عریض تھے۔ وہ اپنے وقت کا
شجاع تھا اور اس کو ابدی شہرت حاصل ہوگئی۔ اس وجہ
سے اس کا نام مخفف (فلاطن) ہوکر شجاعت و حکمت اور
دیگر کمالات کا مترادف ہوگیا۔

افلاطون نے جب حکیم سقراط کا شہرہ سنا تو اپنے
سارے استادوں کو ترک کرکے اس کا شاگرد بنا۔ سقراط
افضل الفضلا مانا جاتا ہے جس کے بارہ ہزار شاگرد تھے۔ ان
تمام میں افلاطون یکتا تھا۔ اور ایک ہزار شاگرد کے برابر تھا۔
اس وقت افلاطون کی عمر صرف ۲۰ برس کی تھی۔ افلاطون
ایک غریب انسان تھا جو تیل بیچ کر اپنی اوقات بسر کرتا تھا۔

متقدمین اپنے کارناموں کی بدولت زندہ ہیں۔
اسی طرح وہ اپنے حاسدوں کے باعث بھی زندہ رہیں گے۔

کرۂ ارض کا شاید ہی کوئی خطہ ایسا ہوگا جہاں فلسفہ ہو، اور
افلاطون کا ذکر نہ ہو۔ عموماً یونان کے حکماء دورِ قبل مسیح
میں "علوم حکمیہ" انتظامِ ملکیہ، علم الاخلاق، ہندسۂ ریاضی
تعلیمات روحانیہ، طب و ادب، فلسفہ اور منطق، جو بطیر یا
اور الجبیرا، علم الافلاک اور نجوم میں حیرت انگیز کمال
رکھتے تھے۔ اور کئی ایک فنون اور مکاتیب خیال کے
ہو جار بھی تھے۔ دورِ قبل مسیح کے متقدمین حکماء سارے کے
سارے اشراقی تھے۔ اور افلاطون حکمائے اشراق کا خاتم
تھا (طریق اشراق، تفکر و تصوف کے درمیان برزخ کہا جاتا
ہے) ان حکماء کی تحقیقات بڑی ہی شریف و لطیف ہیں۔
کیوں نہ ہو! جب کہ انہوں نے علوم حکمت کو الہام سے بھی
معلوم کیا تھا۔ یہ سن کر حیرت تو نہ ہوگی کہ حکمائے اشراقین
میں کئی انبیاء بھی تھے اور اولیاء بھی! ان کے حالات و
تحقیقات کا جاننا ادبی دنیا میں مذاق و معیار کی بلندی کی
علامت مانی جاتی ہے۔ ان کی روحانی شعور کی بلندی اور ادراک
کی صلاحیت کا ثبوت یہ ہے کہ غربت اور تقویٰ کی زندگی کو
خودداری وغیریت سے اپناتے تھے۔ بادشاہوں کے انعامات
سے بے اعتنائی کی۔ ان کی تمنا رہی کہ یہ حضرات درباری
ملازمت قبول کرلیں لیکن انہوں نے "فقیری میں ہی فخر
پایا"۔ کبھی ظالم حکمرانوں کے سرنگوں نہ ہوے۔ حق گوئی و
بے باکی ان کا شیوہ رہا۔ جس کی وجہ سے گھر چھوڑا۔ وطن
چھوڑا۔ خطرات سے بھری زندگی کا سامنا کیا۔ سزائے موت
کو لبیک کہا۔ اور کبھی کمینے وسیلوں کی پناہ نہ مانگی۔

حکمائے اشراقین میں جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے
انبیاء بھی تھے اور اولیاء بھی۔ کہتے ہیں آغاثاذیمون شیث
علیہ السلام ہیں اور ہرامہ ادریس علیہ السلام ہیں۔ حکیم
لقمان علیہ السلام بھی حکمائے اشراقین سے ہیں۔ ادریس علیہ
السلام نے احکام نجوم اور طلسمات اور طب کو جمع کیا تھا،
لقمان اور اسقلینوس انہیں کے شاگرد بتلائے جاتے

ہیں۔ فیثاغورس نامی ایک حکیم گذرا ہے جو لطیر یا میں فیثاغورس تھیرم (Pythagoras Theoram) مشہور رہے۔ اور علم الافلاک میں نظام فیثاغورس مشہور مکتبِ خیال ہے۔ اس کے متبعین آج بھی اس پر قائم ہیں۔ مادی اور کیمیائی سائنس کی عالمی ترقی میں فیثاغورس کی تحقیقات آج بھی معاون ہیں۔ یہ یونان کے قریب شہر صور کا رہنے والا تھا۔ اس نے سلیمان علیہ السلام سے بھی استفادہ کیا۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ لقمان اور تھیلیس کا بھی شاگرد رہا۔ حکیم تھیلیس یونانی فلسفہ کا موجد تھا اور یہ پہلا شخص تھا جس نے حساب کرکے کسوف اور خسوف (سورج اور چاند گرہن) کا واقع ہونا پہلے ہی سے بتلانا شروع کیا کہ فلاں دن یا رات فلاں وقت سے فلاں وقت تک کسوف ہوگا' یا خسوف ہوگا۔ فیثاغورس کے شاگرد ہر اقلیم میں تھے۔ اس کا ہر قول پتھر کی لکیر تھا۔ اس نے ۲۸۱ رسائل تصنیف فرمائے ہیں۔ اس کے مدرسہ میں ہر وقت ۴۰۰ چار سو شاگرد تعلیم حاصل کرتے تھے۔ فیثاغورس ہندوستان بھی آیا تھا۔ اور یہ پہلا حاکم تھا جس سے یہاں کے برہمن سادھو لوسنت سے علمی بحث ہوی۔ فیثاغورس کے تلامذہ سے افلاطون نے اپنی سیاحت کے دَوران ملاقات کی اور استفادہ کیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اس کا استاد سقراط مارا گیا تو اس نے شہر ایتھنس چھوڑا اور علوم کی تلاش میں سیاح بن گیا۔ افلاطون بھی حکیم فیثاغورس کی طرح ہندوستان آنا چاہا۔ لیکن وہاں اسوقت کی خانہ جنگیوں اور جنگ و جدال کی وجہ سے یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا جس کی وجہ سے دوبارہ ایتھنس واپس چلا گیا۔ اس کا سبب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ظالم سراکیوس کے سفیر اسپارٹا نے وہ جہاز بیچ ڈالا جس پر افلاطون سوار تھا۔ خریدار نے جب اسے چھوڑ دیا تو اسے مجبوراً ایتھنس جانا پڑا۔ افلاطون نے ایک مدرسہ کھولا جہاں بڑے بڑے امراء اور رؤساء کے لڑکے داخل ہوتے تھے۔ دُور دُور سے طلب علم کیلیے اس کے مدرسہ کو آیا کرتے تھے۔ علم حکمت میں اس نے ۱۱ رسالے تصنیف کئے ہیں۔

میں نے عرفان و تصوف کے ممتاز رسالوں میں دیکھا ہے جہاں روح و نفس قدوم و حدوث کا ذکر ہوتا ہے وہاں افلاطون کے عقائد کو اور فلسفہ کو مستعار لیا جاتا ہے "المنوزج العلوم" کے پانچویں مسئلہ میں حدوث عالم کے باب میں محقق دوانی نے لکھا ہے:

ونقل عن افلاطون القول بحدوثه

یعنی افلاطون کا مذہب اس باب میں وہی ہے جو اہل اسلام کا ہے کہ عالم حادث ہے نہ کہ قدیم۔

کتابوں میں لکھا ہے اگر دو شخص حکمائے اشراقین میں سے جا ہیں تو سینکڑوں کوس سے تصفیۂ قلبی کے باعث ہمکلام ہولیں۔ ۳۸۴ دور قبل مسیح کا حکیم ارسطو (افلاطون کا شاگرد) ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ افلاطون کا مرتبہ اس کے شاگرد کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔ اپنے استاد کے حق میں ارسطو کہتا ہے: "افلاطون خدا تھا جو انسان بن گیا یا انسان تھا جو خدا بن گیا"۔ تزکیۂ روحیہ کی وجہ سے

حکمائے اشراقین حالات پر قادر ہو جاتے تھے اور انہیں ایسی صلاحیت حاصل تھی، جو عموماً حکمائے مشائین کو حاصل تھی (حکمائے مشائین وہ ہیں جو اشیاء کی حقیقتوں کی دریافت دلیلوں سے کرتے تھے اور دلیلوں اور علامتوں سے اپنا مقصد پالیتے تھے)۔

شیخ شہاب الدین ابو الفتح یحییٰ سہروردی المعروف بہ شیخ مقتول جو مولانا شمس تبریزی کے مرید ہیں حکمت اشراقیہ کو اسلام میں رونق دی ہے۔ تلویحات میں انکشاف کیا ہے۔ میں نے ارسطو کو خواب میں دیکھا۔ وہ اپنے استاد افلاطون کی بڑی تعریفیں کر رہا تھا، میں نے اس سے پوچھا کہ فلاسفۂ اسلام میں بھی کوئی ایسا گذرا ہے جو اس کے مرتبہ کو پہنچا ہو؟ اس نے جواب دیا کہ اس کے مرتبہ کو پہنچنا تو بڑی بات ہے، اس کے ایک ہزار یا ستر ہزار جزوں میں سے ایک جز کو بھی کوئی نہیں پہنچا۔ پھر میں نے ان لوگوں کا نام لیا جنہیں میں جانتا ہوں۔ مگر ارسطو نے کچھ التفات نہ کیا۔ پھر جب میں نے ابو یزید بسطامی، اور ابو محمد بن سہل تستری اور جنید بغدادی وغیرہ صوفیہ کا نام لیا تو مسرور ہونے لگا اور کہا "جن لوگوں کا تم نے نام لیا ہے بے شک یہ لوگ فلاسفہ و حکمائے برحق ہیں۔ علم رسمی سے نکل گئے ہیں، علم حضوری وانفصالی او شہودی کو پہنچ گئے ہیں اور علائق ہیولیٰ سے مشغول نہ تھے۔ (یہ جملہ ملاحظہ ہو) ان لوگوں کو جنبش بھی وہیں سے ہے جہاں سے ہماری ہے اور ان کی باتیں بھی وہیں سے ہیں جہاں سے ہماری ہیں"۔

اسی سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ افلاطون کا مقام کیا تھا۔ اس تصفیۂ قلبی کو جو ۳۸۴ دور قدیم کے حکیم کو بزرگان اسلام سے حاصل تھی، صوفیا اور حقائق ارواح کے علماء ہی بتلا سکیں۔ افلاطون انہیں علوم کو کارآمد جانتا تھا جو انسان کو درجۂ الوہیت تک پہنچا دیں۔ جن سے ترقی کرکے انسان عالم بالا کو پہنچ جائے۔ تزکیہ روحیہ کی تمام تر تعلیمات پر افلاطون کو عبور رہتا۔ علم کی غرض نفع جسمانی یا ذاتی مفاد یا دنیوی اسباب نہ تھے۔ ایک اور حقیقت ہے جو مسلم ہے جو افلاطون کی شخصیت کو مزید روشن کر دیتی ہے اور اعلیٰ درجہ کا امتیاز بخشتی ہے۔

شیخ محی الدین بن علی بن محمد العربی الطائی الحاتمی الاندلسی والدمشقی المعروف بہ شیخ اکبر، جن کا اسم مبارک لکھتے ہوئے بھی قلم کانپ رہا ہے اور جن کا فلسفہ کشف و الہام کی بنیاد پر تھا قرآن شریف کی آیتوں کی تفسیر و تاویل کرنے والے بھی اس قطب معرفت کے اقوال کی تاویل کی جسارت نہیں کرتے اور بعض برعکس ان کے شیخ کی تکفیر میں بھی تقصیر نہیں کرتے۔ بعض نادان یورپ زدہ شیخ کے فلسفہ اور حکمت کو افلاطون کے فلسفہ اور حکمت سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ دشمنان اسلام اور حاسدان شیخ کا طعن اور طنز تھا۔ شیخ کی مایۂ ناز تصنیفات فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ میں جابجا آیات قرآنی و احادیث نبوی اور ان حضرات (ابو یزید بسطامی۔ ابو محمد بن سہل بن عبداللہ تستری۔ جنید بغدادی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی۔ ابو سعید

خرّاز وغیرہم) کے حوالوں کے سوا کہیں بھی افلاطون کا نام نہیں ملتا۔ شیخ فرماتے ہیں:۔

فمن کان ذا فھم لیشاھد ما قلنا
وان لم یکن فھم فیاخذہ عنّا

جس کو بھی اللہ نے فہم عطا فرمایا ہے، ہم نے جو کہا اس کو دیکھتا ہے۔

مگر یہاں نکتہ یہ ہے کہ جب دشمنانِ اسلام و حاسدانِ شیخ نے ان کے عظیم حکمت و فلسفہ پر طنز و طعن کی سوجھی تو اس تہمت کے لئے افلاطون کا انتخاب کیا ہو تو شیخ کے فلسفہ و حکمت سے آشنا اس سے اندازہ لگالیں کہ افلاطون کے فلسفہ کی ماہیت اہل اسلام کے فلسفہ و تصوّف سے کیسی قریب مناسبت و موافقت رکھتی ہوگی۔ شیخ کے فلسفہ کے معیار کو جاننے والے اندازہ لگالیں کہ افلاطون کا معیار کیا تھا، ہوگا کہ برائے تہمت اس کا انتخاب کیا گیا۔ اس قصور کا نیتجہ برعکس نکلا۔ شیخ کے عظیم حکمت و فلسفہ سے منسوب کرکے افلاطون کی شہرت میں اضافہ کر دیا۔

ارسطو افلاطون کا ممتاز شاگرد تھا اور سقراط کی وراثت میں برابر کا حصّہ رکھتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ارسطو افلاطون پر بھی کئی اعتبار سے شرف لے گیا۔

ارسطو بن لقوط جس ۳۸۴ ق م میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ طبابت کرتا تھا۔ اس کے والدین اس کو زمانۂ طفولیت ہی میں تنہا چھوڑ کر چلا گئے جس کی وجہ سے وہ لڑکپن میں آوارہ رہا۔ ۱۷ برس کی عمر میں افلاطون کا شاگرد بنا اور ۲۷ سال کی عمر تک حصول علم میں مصروف رہا۔ کچھ عرصہ بعد سکندر کے والد فیلقوس نے اس کی شہرت سن کر اسے طلب کیا اور اپنے لڑکے کا اتالیق مقرر کیا۔ ارسطو نے سکندر کو کم سنی میں علوم بلاغت، طب اور اخلاق وغیرہ سکھا دیا۔ اور فیلقوس کی نگاہ میں عزّت و قدر حاصل کیا۔

ایک مؤرخ کا قول ہے کہ سکندر اور ارسطو دونوں لقوماخس (ارسطو کا باپ) کے پاس ہم مکتب تھے۔ جب سکندر تخت نشین ہوا تو ارسطو کی قدر و منزلت کرتا رہا۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ ارسطو کو وزارت سے بھی سرفراز کیا۔ بہرحال وہ ہمیشہ سکندر کا مشیر اعظم رہا۔ سکندر کی جہاں وردی میں ارسطو کے ساتھ نہیں رہا۔ تاہم ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ جب کبھی

(بقیہ صفحہ ۸۵ امام شافعیؒ)

ذریعۂ معاش کا تذکرہ کرنے لگے۔ آپؒ نے فرمایا یہ بڑھئی یا درزی ہوگا۔ چنانچہ میں نے جب اس شخص سے اسکا ذریعۂ معاش دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں اس سے قبل بڑھئی تھا اور اب درزی ہوں۔ غرض آپ اپنے علمِ فراست سے جان لیتے تھے کہ کون شخص کیا پیشہ کرتا ہے۔

وفات: آپ نے ۵۴ سال کی عمر شریف میں شہر مصر میں تیس ۳۰ رجب المرجب ۲۰۴ھ کو شب جمعہ بعد نماز مغرب وفات پائی اور آپ کی تدفین جمعہ کے دن بعد نماز عصر ہوی۔ اس طرح یہ علوم و فنون کا ستارہ لوگوں کی نگاہوں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہوگیا۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

سکندر چاہتا تھا ارسطو کو حاضر کر لیتا۔ جب سکندر مرگیا، تو ارسطو پر حاسدوں نے الزام باندھا۔ ارسطو کے جوابات اس سلسلہ میں بے حد مشہور ہیں۔ ۶۳ یا ۶۸ برس کی عمر میں وہ مفقود الخبر ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ سقراط کی طرح زہر کا پیالہ بھی پی لیا۔ بعض کا قول ہے کہ دریا میں غرق ہو گیا۔ ارسطو نے رسائل حکمت کے علاوہ ۔۔ ۴۰۰ چار سو رسالے علوم شاعری، فصاحت و بلاغت، قانون و خروعات وغیرہ میں تصنیف کیا۔ ایک مورخ کے بیان کے مطابق اس نے ۱۲۰ کتابیں فنون مختلفہ میں تالیف کیا ہے۔ اس کے نکات سے ایک جوہر پارہ ملاحظہ کیجئے :۔

" عالم جاہل کو پہچانتا ہے کیونکہ وہ بھی کبھی جاہل تھا لیکن جاہل عالم کو نہیں پہچانتا کیونکہ وہ کبھی عالم نہیں تھا"۔

افلاطون اور اس کے شاگرد ارسطو کے تعارف کے بعد ضروری ہے کہ افلاطون کے استاد سقراط (SOCRATES) جو فضل العلماء مانا جاتا ہے اس کا بھی مختصر ذکر ہو جائے، ورنہ مقصد ادھورا رہ جائے گا۔ اس کے علاوہ جو تعلیم افلاطون اور ارسطو کو وراثت میں ملی اس کا صحیح اندازہ بھی ہو جائیگا۔ کیونکہ افلاطون سقراط کے بارہ ہزار شاگردوں میں یکتا اور حکمائے اشراقین کا خاتم مانا جاتا ہے اور سقراط کی سوانح حیات جاننے کا دعویٰ بڑے ہی فخر سے کیا جاتا ہے۔

سقراط ۴۶۸ ق م، میں شہر ایتھنس میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ سنگتراش یا بت تراش تھا۔ جس کا نام سفر سیقوس تھا۔ سقراط نے یونان کے فلسفہ کی ہیئت بدل کے رکھ دی۔ چھوٹی سی عمر میں اپنے باپ کے پیشہ کو بڑی چالاکی سے حاصل کر لیا۔ اس کے بعد یونان کے مشہور فاضلوں کی صحبت اختیار کی۔ ہر طرح کے علوم و فنون کی تحصیل میں مشغول ہو گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں یونان میں اسکی دھوم مچ گئی۔ اس کے باپ نے اس کے لئے چار ہزار" لور" (سکۂ رائج الوقت) رکھ چھوڑے تھے۔ اس نیک مرد نے اس رقم کو اپنے ایک دوست کی ضرورت کو رفع کرنے کے لئے دے دیا اور پھر وصول نہیں کیا۔ ارکلاسس شاہ مقدونیہ اسکی غریبی دُور کرنے کے لئے ہر چند چاہا کہ وہ کچھ انعام قبول کرے لیکن سقراط نے لینے سے قطعی انکار کر دیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ علم اور فضیلت کے ساتھ اس میں بڑی خوبی یہ رہی کہ غایت درجہ کا استقلال رہا۔ کسی کی بدسلوکی حادثہ یا نقصان کا کبھی اثر قبول نہیں کیا۔ اس خوبی کی اس نے شہنشاہ میزو قیصر رومۃ الکبریٰ کے استاد سنیکا سے داد حاصل کی۔ حکیم سنیکا لکھتا ہے کہ اوائل عمر میں سقراط کو یہ مرتبۂ استقلال حاصل نہ تھا لیکن بعد میں اس نے محض نفس کشی اور ترک دنیوی سے اس کو حاصل کیا۔ ایک دفعہ کسی نے اسکے منہ پر طمانچہ مارا لیکن وہ مسکراتا ہوا چلا گیا۔

سقراط نے کوئی مدرسہ نہیں تعمیر کیا۔ جس میں اپنی نظریات وخیالات کا درس دیا جاتا لیکن تاہم اس نے اپنے افکار کی اشاعت کے لئے عوام سے خطاب کرتا اور، یہ سلسلہ آخر دم تک جاری رہا۔ اس کی خاص توجہ یہ تھی کہ ملک کو بھلائی پہنچے۔ اور لوگ توہمات، دیوتا پرستی اور اخلاقی کمزوری اور گمراہی سے نکل جائیں۔ ناصحانہ خطاب کی یہ عادت اس قدر پائندہ ہو چکی تھی کہ جب اس پر مقدمہ چلا تو

عدالت کے منصفوں کو بھی اسی انداز میں خطاب کیا۔ انہتر[۶۹] سال کی عمر میں ظالمانِ یونان نے سقراط کی تحریکوں کے اثرات اور اسکی غیر معمولی مقبولیت اور اس کے بے شمار معتقدین سے پریشان ہوکر اس پر دو الزام لگائے محض اس وہم وخیال سے کہ اسکی بزرگی اور وقار سے حکومت کو خطرہ لاحق ہوگا۔ ان دو الزاموں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ملک کے باشندوں اور نوجوانوں کے خیالات خراب کر رہا ہے۔ دوسرا یہ کہ، وہ یونان کے دیوتاؤں کو قبول نہیں کرتا ـــــ اسکی ہجو میں مشہور شعراء کو ترغیب دلاکر نظمیں لکھائی گئیں۔ تماشا گاہوں میں نقلیں اتار کر اس کی توہین کی گئی۔ ادھر سقراط کے دوستوں اور شاگردوں نے تردید کا سلسلہ جاری رکھا اور بہت کچھ لکھا۔ جب لسندر شہر ایتھنس پر قابض ہوا، تو ملیطس نے حکیم سقراط پر الزامات کا اعلان کیا اور مقدمہ طلب کیا جس میں اس پر موت کا فتویٰ صادر کرنا چاہا۔ لتیشس نے جو اپنے زمانہ کا بہت بڑا فصیح تھا سقراط کی دفاع کے لئے اپنی ساری کوششوں کو وقف کر دیا ـــــ

پانچسو منصفانِ عدالت کا اجتماع ہوا۔ اس اجلاس میں لتیشس نے سقراط کی دفاع میں اپنی ساری مردانگی، و فصاحت سے صفائی پیش کی اور ساری اصلیت و حقیقت کھول کر رکھ دی۔ ان سارے اظہارات کو افلاطون نے جمع کر لیا۔ اور "عذراتِ سقراط" کے نام سے کتاب شائع کی جو آج تک مشہور ہے۔ آج بھی عذراتِ سقراط کو پڑھنے کا دعویٰ فخر سے کیا جاتا ہے۔ اس میں سقراط کی تھوڑی سی گفتگو ملاحظہ کیجئے:۔

"میری نسبت ایتھنس کے باشندوں اور نوجوانوں کے اخلاق بگاڑنے کے الزامات سے کی گئی ہے، اے باشندگانِ ایتھنس اور منصفانِ عدالت! میں نے کب پیشۂ معلم گری اختیار کیا تھا اور میں نے کب تم سے کچھ لیکر تعلیم دی تھی؟ اس کے لئے میں اپنی مفلسی کو گواہ رکھتا ہوں، جو میری رائے میں نیک کلام ہو۔ ہر امیر و غریب سے کہتا ہوں، جو چاہے مجھ سے بحث کرے اور تکرار کرے۔ میری بات کا جواب دے۔ میں ہر نیکی کے لئے مستعد رہا۔ ہمیشہ اس امر پر میری توجہ رہی کہ ہر پیر و جوان حد سے زیادہ دنیوی خوشیوں اور تن آسانیوں کو چھوڑ کر نیکی حاصل کرے اور نیکی دولت سے نہیں، بلکہ دولت نیکی سے حاصل کی جائے۔ اگر ایسا کرنا میری خطا مانی جائے تو میں بے شک خطاکار ہوں۔ میں اپنی طبیعت نہیں بدلوں گا اور اپنے قول پر قائم رہوں گا۔ تم جو چاہو سو کر گزرو۔ اس امر نیک میں میں ثابت قدمی کیسے چھوڑ سکتا ہوں، جس کی ترغیب میرے خدا نے مجھے بخشا ہے، میں اپنے ہموطنوں کی تربیت کبھی نہ چھوڑوں گا۔ کیا تمہارے خوف سے حکم خدائی میں اجتناب کروں؟ کیا خدا کے حکم کے نسبت تمہارے حکم کی تابعداری کروں؟ بموجب حکم خدا جب جب تم میرے سامنے آؤ گے میں تم کو نصیحت ہی کیا کرونگا کہ اے میرے دوستو! پردۂ زمین پر یونان کے مشہور شہر ایتھنس کے باشندو! کیا تم کو سوائے حصول دولت و شان اور واہیات خوشیوں کے دانائی اور حق کی پیروی نہیں سوجھتی؟ میں نہایت غریب ہوں اور عاجز ہوں۔ میں تمہارے بیچ نہ رہونگا،

لیکن میرا کلام تو رہیگا۔ اس کو میں نے نہایت صفائی
اور صداقت سے بیان کیا ہے، گو کہ گراں خاطر ہو۔

اے لوگو! میں نہایت تکلیف میں واقع ہوں لیکن
اس حالت بےکسی و بےبسی میں بھی کمینے وسیلے نہ ڈھونڈونگا
اور ان لوگوں کی پیروی نہ کرونگا، جو اپنے جورو بچوں، رشتہ
داروں اور دوستوں کے ذریعہ عدالت میں رحم کی بھیک
مانگتے ہیں اور ملزم روتے ہیں۔ ایسا نہ کرتے ہیں میں اپنی
سبکی اور تحقیر نہیں پاتا ہوں بلکہ تمہارے شہر کی اور تمہارے
ملک کی سبکی پاتا ہوں۔ آتش امتحان میں جب ڈالے جاؤ تو
ثابت قدمی مردانگی ہے۔ کمینے وسیلے ڈھونڈنا بزدلی ہے۔
اور ملک اور قوم کے کردار کی توہین ہے۔ حق سے نافرمانی
ہے، باطل پرستی ہے۔ زندگی چند روزہ ہے۔ اس زمین پر
ایک ہی بار زندگی ملتی ہے۔ چند روزہ خوشی سے پرہیز کرو۔
ورنہ کمینہ پن اختیار کئے بغیر دنیوی خوشیاں حاصل نہونگی۔
اس لئے میں نے افلاس کو پسند کیا، اسی میں میری خوشیاں
حاصل ہیں۔

اے منصفان! تم نے تقرر عہدہ کے وقت حلف
اٹھایا ہے کہ از روئے انصاف کام کرو گے۔ منصف منصفی
کے لئے اجلاس کرتے ہیں، اگر تمہاری رائے میں میں گناہ گار
ہوں تو جو چاہو مجھ کو سزا دو۔ اگر مجھے سزا دینے سے درگذر
کرنے کی ترغیب تم کو دوں تو گویا تم کو تمہاری حلف توڑنے
کی ترغیب ہوگی اور میں بے ایمان ثابت ہوں گا۔ میں خدا
پر یقین رکھتا ہوں۔ مجھے خدا کے وجود کا یقین اور اعتبار ہے
اور میں بھروسہ حقیقی منصف کا رکھتا ہوں۔ پس اب جو
تمہاری مزاج میں آئے سو میرے واسطے تجویز کرو۔"

لیکن ظالم حکمرانوں کا مزاج کب بدلتا وہ تو اس
افضل الفضلاء سے معذرت وعفو کے امیدوار اور طلبگار تھے۔
تاکہ یہ ذلیل ہو جائے اور لوگ اسکی قدر چھوڑ دیں لیکن سقراط
کمینے وسیلے کا پرستار تھوڑے ہی تھا۔ غرض سقراط کے خون کے
پیاسے ۵۰۰ منصفان عدالت نے سزائے قید تجویز کی لیکن
سقراط اسے قبول کرنے سے نہایت بے باکی سے انکار کر دیا کہ اگر
میں قید ہونگا تو لوگ مجھے فی الحقیقت گناہ گار خیال کریں گے۔
اس انکار نے انہیں اور بھی برافروختہ کر دیا اور حکم لگایا کہ سقراط
ہملاک HEMLOCK زہر کا پیالہ نوش کر کے مر جائے۔ اس
پر سقراط نے کہا ----- بہت بہتر! میری بھی یہی رائے
ہے کہ اب میں مر جاؤں۔ میں جاتا ہوں۔ مجھ سے یہ توقع کبھی
نہ رکھنا کہ میں طریقہ، خوشامدی اور چاپلوسی اختیار کروں گا،
اس لئے کہ بوقت آزمائش ہر مرد کو اور بوقت لڑائی ہر
بہادر کو زندگی بچانے کے لئے کسی کمینے وسیلے کی تلاش و
مدد نہ لینی چاہیئے۔ اے لوگو! میری اس نصیحت کو یاد رکھو۔"

سقراط کا ایک شاگرد اپولودورس، اور
افلاطون نے رنج کا اظہار کیا تو سقراط یوں مخاطب ہوا
"اے عزیزو! تم کیوں رنج کرتے ہو۔ کیا میں گناہ گار مرتا ہوں
جو تم رنج کرو۔ میرے دشمن میری زندگی اور تندرستی، اور
اسباب زندگی مجھ سے چھین سکتے ہیں۔ لیکن میرا خزانہ
بے گناہی ہے اور استقلال وبزرگی جو میں تمہارے درمیان
چھوڑے جاتا ہوں وہ نہ مجھ سے نہ تم سے چھین سکیں گے۔
ہم ان کا معاوضہ خدا سے لیں گے۔

اس فیصلہ کے بعد سقراط ایک ماہ قید میں رہا۔
پیر میں بیڑیاں پڑی تھیں۔ کبھی اپنی آنے والی موت کا
خیال نہ کیا اور ہمیشہ دوستوں اور شاگردوں کی ملاقات
جاری رہی۔ سوائے خدا کی تعریف اور نصیحت کے کچھ کلام نہ
کیا۔ کرمیٹو (شاگرد) اور داروغۂ جیل خانہ نے ایک دن
صلاح دی کہ وہ یہاں سے تسلی کو بھاگ چلے جس کا انتظام
ہو چکا ہے۔ سقراط ہنسا اور کہنے لگا "اے بیوقوف! تجھے
کیا ہو گیا ہے۔ تیری اس صلاح میں میں اپنی ناکامی دیکھ
رہا ہوں۔ کاش تو میرا شاگرد نہ ہوتا۔ خدا ہر جگہ موجود ہے
اور افعالِ انسانی کو دیکھتا ہے۔ میری نسبت خدا کا حکم
ایسا ہی تھا۔ پھر میں اس سے کیونکر بھاگ سکتا ہوں؟ ایسے
خیالات جن سے حکم خداوندی کی مخالفت ہو ہرگز دل میں
نہ لانا۔ قہرِ انسانی سے تو بھاگ سکتا ہے لیکن جس کم بخت پر
خدا ہی کی نظر قہر ہو گی وہ کیونکر اور کہاں بھاگ سکتا ہے۔
اب بتا کوئی گوشہ ہے جہاں موت سے بچ کر پوشیدہ رہوں"
کرمیٹو خاموش ہو گیا۔

آخر کار روز مقررہ آ پہنچا۔ سورج نکلا دن کا
جس دن اس نیک مرد کو ہلاک ہونا تھا اور خونِ
ناحق سے تاریخ کا ایک ورق لکھا جانا تھا۔ سقراط کے
پیر کی بیڑی نکل چکی تھی۔ اس کی بیوی اپنے تینوں لڑکوں
کو لئے بیٹھی تھی جن میں دو بہت کم سن تھے۔ تمام دوست
اور شاگرد قدمبوسی کے لئے آ جمع ہو گئے۔ سقراط نہ مضمحل
تھا نہ مایوس!

نہایت خاطر جمعی اور بزرگانہ رعب سے ان کو مخاطب
کیا اور مؤثر لہجہ میں روح کے نہ فنا ہونے کی دلیلیں
پیش کرتا گیا۔ عمدہ سے عمدہ دلیلیں پیش کرنے لگا۔
"موت سے روح فنا نہیں ہوتی۔ اگر روح فانی ہے تو
کوئی نیکی کی طرف رجوع نہ ہوگا۔ نیک اور خدا پرست
لوگ وہ ہیں جو اپنی زندگی خدا کی فرماں برداری میں گذارے
ہوں، اپنے نفس کو ہلاک کر کے زندگی کی لغو خوشیوں سے
پرہیز کئے ہوں، یہ لوگ انعام پائیں گے۔ بد آدمی اپنے
کار بد کی سزا پائیں گے اور جو گنہگار بخشنے کے قابل ہیں انہیں
خدا بخش دیگا۔ وہی نگہبان ہے۔ وہی پرورش کرتا ہے ـــ
کرمیٹو نے دفن کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگا "اے عزیز!
میری روح دربارِ خداوندی میں درجہ پاویگی۔ یہ جسم جو اصل
میں خاک ہے جس طرح چاہو خاک میں ملا دینا۔"

تینوں لڑکوں کو پیار کیا۔ بیوی کو خیرباد کہہ کر
رخصت کیا اور زندان میں داخل ہو گیا۔ خدمتگار زہر کا
پیالہ لے آیا۔ سقراط نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دلجمعی سے
پی گیا۔ شاگرد اور دوست احباب ضبط سے باہر ہو کر آہ
وزاری کرنے لگے۔ ان کی آواز سن کر بلبلا چلا کر کہا "اے
عزیزو! تم کو کیا ہو گیا ہے؟ تمہاری نیکی کہاں گئی؟ میں
عاجزی کرتا ہوں کہ صبر کرو۔ اس کے بعد سقراط ادھر ادھر
کمرہ میں ٹہلتا رہا۔ چند ہی لمحوں میں زہر کام کر گیا۔ ٹانگیں
جواب دے گئیں۔ جسم فانی ناکارہ ہو کر گر پڑا اور طائر روح
بلند ہوتا چلا گیا ـــــــــــــ!

حال ہی کی اخباری ایک کیفیت ہے کہ سقراط کا
زندان جو ۲۴ صدی قدیم ہے "اگورہ" شہر کے باہر

اکروپوس پہاڑ کے نیچے قدیم بازار کے قریب کھود کر نکالا گیا۔ یقین کیا جاتا ہے کہ یہ عمارت ڈسمائیرین یوجین وانڈرپول کی تحقیقات کا نتیجہ ہے جو ایتھنس کی قدیم تعلیمات کی اسکول کا پروفیسر ہے۔ یہاں ۱۳ اشیشیاں بھی پائی گئیں اور حیرت ہے کہ یہ وہی زہر کی تو نہیں جو سقراط کو نوش کرنا پڑا۔

کتنی ایمان افروز نصیحتیں تھیں جو اپنے دوستوں اور شاگردوں کو سقراط دے گیا۔ یہ تھی وہ تعلیم اور نمونۂ زندگی، حوصلگی و استقلال، حق پرستی وجذبۂ ایثار جو وراثت میں افلاطون اور ارسطو کو ملی تھی۔ افلاطون سقراط کے بارہ ہزار شاگردوں میں یکتا اور ایک ہزار شاگردوں کے برابر تھا اور وہ حکمائے اشراقین کا خاتم اس وجہ سے ہوا کہ اس نے اس عظیم ترین وراثت کی پوری طرح وفائی کی۔ یہ تھی صحیح افلاطون کی صحیح حقیقت! کسی فلاطن کی نہیں۔

یونان کے بعض نامی حکماء اور ان کی شرح ملاحظہ کیجئے:-

تھیلس

سن پیدائش	سن وفات	تقریباً عمر
۶۴۰	۵۴۵	۹۵

شرح: یونانی فلسفہ کا موجد۔ کسوف وخسوف کا موجد بقراط کی طرح تعین زمانہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

لقمان

سن پیدائش	سن وفات	عمر تقریباً
۶۰۰		

شرح: "ایوب کی بہن کے بیٹے" یا "خالہ زاد بھائی" اور "داؤد کے شاگرد" بتائے جاتے ہیں۔

فیثاغورس

سن پیدائش	سن وفات	عمر تقریباً
۵۹۰	۵۱۰	۸۰

شرح: سلیمان، لقمان اور تھیلس کا شاگرد، جو بطیریا میں ماہر اور نظام فیثاغورس (فلکی نظام) کا موجد۔ شاہوں نے دربار میں رکھنا چاہا لیکن اپنا مدرسہ قائم رکھا جہاں ۔۔ ۲ہم شاگرد تعلیم پاتے رہے۔ ہر اقلیم سے شاگرد آتے تھے۔

دیمقراطیس

سن پیدائش	سن وفات	عمر تقریباً
۴۷۰	۳۶۱	۱۰۹

شرح: اس حکیم نے یکسوئی کیلئے اپنی آنکھیں پھوڑ ڈالیں۔

سقراط

سن پیدائش	وفات	عمر تقریباً
۴۶۸	۳۹۹	۶۹

شرح: اس نے یونانی فلسفہ کی کیفیت بدل ڈالی۔ فضل الفضلاء مانا گیا اور اس کی عظمت میں کہیں بھی کوئی اختلاف نہیں۔

افلاطون

سن پیدائش	وفات	عمر تقریباً
۴۳۰	۳۴۹	۸۱

شرح: سقراط کے بارہ ہزار شاگردوں میں یکتا استاد کی تعلیم سے پوری وفا کی۔

بقراط

سن پیدائش	سن وفات	عمر تقریباً
۴۰۰	۳۰۵	۹۵

شرح: تعین زمانہ اور عمر میں اختلاف ہے کہیں اس کی عمر ۹۵ کہیں ۸۵، اور کہیں ۱۰۴ اور ۱۰۹ سال بتلائی گئی ہے۔ جزیرہ کوس نزد یونان کا باشندہ اور علم طب کا موجد تھا۔ اس سے پہلے طب میں کوئی ترتیب بالکل نہ تھی۔

ارسطو

سن پیدائش	وفات	عمر تقریباً
۳۸۴	۳۱۶	۶۸

شرح: علوم حکمیہ میں استاد افلاطون سے شرف لے گیا سکندر اعظم کا استاد و مشیر تھا۔ کہتے ہیں کہ وزیر بھی تھا۔

تھیوفراسٹس

سن پیدائش	وفات	عمر تقریباً
۳۸۶	۲۸۶	۱۰۰

شرح: ۹۹ سال کی عمر میں علم الاخلاق کا ایک رسالہ تصنیف کیا حیوانات کی عمدہ تواریخی حالات، خاصیت وماہیت نباتات وجمادات وغیرہ کا ماہر۔

پلوٹارک

سن پیدائش	وفات	عمر تقریباً
۴۸	"	"

شرح: سوانح نویس۔ نامی حکیم اور سیاح تھا۔ اس کی سوانح پڑھ کر اطالیہ کا مشہور شاعر الفری (۱۷۴۹ء تا ۱۸۰۳ء) نامی منشی ہوگیا اور انشاپردازی کے فن میں یکتا ہوگیا۔ شہنشاہ طراجان قیصر روحۃ الکبریٰ کے دربار میں معزز و مفتخر رہا۔ بوڑھا ہو کر مرا۔

چند مشہور حکماء اشراقین اور تلامذہ:-

نام استاد	نام شاگرد
ادریس	لقمان
(ہرمس)	(اسقلینوس)
افضل الفضلا سقراط	افلاطون
افلاطون (خاتم حکماء)	ارسطو
داؤد	لقمان
دیمقراطیس	
اقلیدس	افضل الاطباء
اسقلینوس	بقراط
لقمان	
سلیمان	فیثاغورس
تھیلیس	

حکمائے اشراقین کے چند مشہور اقوال

سقراط (SOCRATES) اگر ہم سب مل کر ایک عام جگہ اپنی تمام بدبختیوں کا انبار لگادیں، جہاں سے ہر شخص کو، نہ زبردستی ایک ایک مساوی حصہ لینا پڑے تو ہر شخص اپنی اپنی بدبختیوں ہی کو بخوشی واپس لے جانا پسند کریگا۔

جس کی یہ خواہش ہو کہ دنیا میں ایک تحریک پیدا کرے اور ہلچل ڈال دے اسے لازم ہے کہ پہلے خود اپنے دل کو متحرک کرے اور اپنے کو قابو میں رکھنے کی قدرت پیدا کرے۔

لقمان زخم کاری وہ ہے۔ مرد کریم شخص لئیم سے خواہانِ رفع حاجت ہو اور اسکی حاجت روائی نہ ہو۔

گناہ وہ درد ہے جس کی دوا استغفار ہے اور اس سے شفا توبہ و اعتذار ہے۔

سقراطیس یہ بات بڑی مشکل ہے کہ انسان اپنے کو جان لے کہ کیا ہوں۔

نصیحت کرنا اوروں کو بہت سہل ہے لیکن ان پہ عمل کرنا مشکل۔

اپنی خواہشوں کو پوری کرنا بہت شیریں معلوم ہوتا ہے مگر ضروری یہ ہے کہ خواہشوں کو پوری نہ کرنے میں شیرینی پائیے۔

انسان کو لازم ہے کہ اوروں میں جو خطا دیکھے، وہ اپنے میں پائے تو اسے دور کرے۔

دیمقراطیس تو اتنا شیریں نہ بن کہ لوگ تجھے کھا جائیں (یعنی ناچیز جانیں) اور نہ اتنا تلخ ہو کہ لوگ تجھ کو اپنے منہ سے باہر ڈالیں (یعنی نفرت کریں)۔

جو اپنے علم پہ عمل نہ کرے، وہ اس بیمار کے مانند ہے جس کے پاس دوا ہو اور اپنی بیماری دفع نہ کر سکے۔

بقراط دو عاقلوں کے درمیان صداقت تشاکل علم و عقل سے ہوتی ہے اور وہ دوام و ثبات سے متصل ہے، دو جاہلوں کے درمیان محبت ناپائدار ہے۔ اس سبب سے کہ عاقل کی تمام مقتضیات عقل ایک طور پہ ہیں اور جہلاء کی عقلیں باہم مخالف ہوتی ہیں۔ یعنی ایک جاہل کی عقل اور ہے اور دوسرے جاہل کی عقل اور۔ برخلاف اس کے کہ عاقل کی عقلوں میں اکثر باہم ارتباط و اتحاد ہوتا ہے۔ دو جاہل ہرگز ایک امر پہ اتفاق نہیں کرتے مگر بہ ندرت۔

اپیکورس نیک عمل کرتے ہوئے لذت حاصل کرنا بہترین شغل ہے اس قول و عمل سے۔

مغرب میں اپیکوریانزم (EPICURANISM) نامی طرز زندگی ہی جاری ہے۔ جن کا اصول ہے نفس کشی لذت حصول خواہشات سے لذت ترک خواہشات بہتر ہے۔

ارسطو عالم جاہل کو پہچانتا ہے کیونکہ وہ بھی ایک وقت جاہل تھا اور جاہل عالم کو نہیں پہچانتا، کیونکہ وہ کسی وقت بھی عالم نہ تھا۔

علم تونگری میں زیور و زینت ہے، مفلسی میں پناہ گاہ۔

افلاطون جب متکلم کا کلام سامع کے مطابق ہوگا تب، وہ اس سے خوش ہوگا اور بحالت غیر مطابقت خوش نہ ہوگا۔

عاقل بولتے ہیں اس لئے کہ کچھ "بولنا ہے"۔ بے وقوف بولتے ہیں اس لئے کہ "کچھ تو" بولنا ہے۔

اقلیدس دنیا کا بدترین وہ ہے جو اپنی بدگمانی سے کسی شخص پہ اعتماد نہ کرے۔

فیثاغورس اے عزیزو! دنیا چند روزہ ہے کسی کو یہاں مقام کرنا نہیں ہے۔ جو آیا ہے وہ ضرور چلا جائے گا۔ جب بے ثباتی دنیا کی ثابت ہے، تو کسی سے نہ لڑنا اور عنا در کھنا لازمی نہیں ہے لیکن ۵ چیزوں کے خلاف انسان کو ضرور لڑنا ہے اور ان سے عناد قلبی رکھنا چاہئے۔

(اول) علم سے جاہل رہنا اور دل کو جوہر علم و عقل سے معرا رکھنا محض نادانی ہے، انسان مدام اس سے خلاف رہے۔

دوم کوئی ایسی بات بے اعتدالی کی نہ کرے جو خلل انداز تندرستی ہو۔

سوم اپنے وطن میں باہم لڑنا اور فساد برپا کرنا لازم نہیں۔

بقیہ بر صفحہ ۱۴۱

اللہ والوں کی چند کرامتیں

محمد شبیر احمد چتوری
زمرہ خامسہ
دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

حضرات نفوس قدسیہ جب اپنی بدنی کثافتوں سے نجات پاجاتے ہیں تو ان کا تعلق عالم مثال سے ہوجاتا ہے۔ اور کائنات کے اسرار و رموز ان پر منکشف ہوجاتے ہیں اور ان کا قلب اس قدر پاک وصاف، اور کدورات سے عاری ہوجاتا ہے کہ یہ حضرات اپنے آئینۂ قلب میں حقائق اشیاء کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہونے کے بعد بزرگان دین سے ایسے ایسے افعال، اور اعمال صادر ہوتے ہیں جن کو کمزور عقل ادراک کرنے سے عاجز و قاصر رہ جاتی ہے، جن کو ہم کرامات سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیجئے ان نفوس قدسیہ کی بعض کرامتوں کو ملاحظہ فرمائیے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ اویس قرنی علیہ الرحمہ نے تین دن سے نہ کچھ کھایا تھا نہ پیا تھا۔ چوتھے دن جب گھر سے باہر نکلے تو راستے میں ایک سونے کا دینار نظر آیا۔ اس خیال سے کہ کسی کا گر پڑا ہے نہ اُٹھایا اور آگے بڑھ گئے۔ تاکہ گھاس وغیرہ کھالیں، اتنے میں آپ کی نظر ایک بھیڑ پر یعنی بکری پر پڑی جو گرم روٹی منہ میں لئے آپ کے سامنے لاکر رکھ دی ہے۔ حضرت اویس قرنی علیہ الرحمہ نے خیال فرمایا کہ شاید یہ کسی کی ملک ہے۔ لہٰذا خاموش رہے اس بھیڑ نے زبانِ حال سے عرض کیا میں اسی خداوند قدوس کی بندی ہوں جس کے تم عزیز بندے ہو۔ جب آپ نے اس روٹی کو اٹھالیا تو وہ بھیڑ غائب ہوگئی۔

حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں، کہ میں ایک دن عصر کے وقت حضرت رابعہ بصری علیہا الرحمہ کے پاس گیا وہ کچھ پکانا چاہتی تھیں، گوشت ہانڈی میں ڈال دیا تھا جب میں ان سے گفتگو کرنے لگا تو فرمانے لگیں کہ یہ باتیں تو ہانڈی پکانے سے بہتر ہیں، ہانڈی کو اسی طرح چھوڑ دیا، یہاں تک کہ ہم مغرب کی نماز سے فارغ ہوئے۔ آپ سوکھی روٹی کا ٹکڑا اور پانی کا آبخورہ میرے سامنے رکھدیں اور ہانڈی کے پاس گئیں تاکہ اس میں سے سالن نکالیں۔ خداوند قدوس کی قدرت سے ہانڈی پکی ہوئی تیار تھی۔ آپ پیالہ میں گوشت نکال لائیں ہم دونوں نے اس گوشت کو کھایا۔ گوشت ایسا لذیذ پکا ہوا تھا کہ میں نے کبھی بھی ایسا مزیدار گوشت نہیں کھایا۔

نیشاپور میں ایک مشہور غار ہے جس میں حضرت ابراہیم ادہم بلخی رحمۃ اللہ علیہ نو سال تک سکونت پذیر رہے۔ اور بہت مجاہدے و ریاضتیں کیں اور سامانِ آخرت تیار کیا۔ آپ تنہا اس میں رہتے تھے۔ صرف جمعرات کے روز غار سے باہر تشریف لاتے۔ لکڑیوں کا ڈھیر جمع

کرتے اور صبح کو نیشاپور میں لے جاکر فروخت کرتے۔ جمعہ کی نماز پڑھ کر روٹی خریدتے۔ آدھی فقیر کو دے دیتے، پھر دوسرے ہفتہ تک اس غار میں رہتے۔ ایکمرتبہ آپ نے غار کے اندر ایک شب کڑکڑاتے جاڑے میں برف توڑ کر غسل فرمایا اور صبح تک یادِ الٰہی میں مشغول رہے۔ صبح کو آپ پر سردی کا بہت اثر معلوم ہوا اور سمجھے کہ اب میں نہ بچوں گا۔ آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اگر تھوڑی سی آگ ہوتی، تو کیا خوب ہوتا۔ یہ خیال آنا ہی تھا کہ آپ کو محسوس ہوا کہ کسی نے آپ کی پیٹھ پر پوستین ڈال دی ہے۔ آپ کی پیٹھ گرم ہوگئی یہاں تک کہ آپ آرام سے سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اژدھا ہے کہ جس نے آپ کو گرم کر رکھا ہے۔ خوف سے آپ کا دل دھڑکنے لگا۔ آپ نے خداوند قدوس سے فریاد کی، کہ اے باری تعالیٰ تو نے اس کو لطف کی شکل میں میرے پاس بھیجا تھا لیکن میں اس کو قہر کی صورت میں پا رہا ہوں۔ مجھ میں اس کی برداشت کی قوت نہیں ہے۔ اسی وقت اژدھا زمین پر اتر پڑا تھوڑی دور چل کر غائب ہوگیا۔

ایکمرتبہ حضرت ابراہیم ادہم بلخی رحمۃ اللہ علیہ کشتی میں سوار تھے۔ اچانک ایک شدید لہر اٹھی۔ آپ نے ایک کلام مجید فضا میں بلند کرتے ہوئے فرمایا کہ الٰہی تو ہم کو غرق کردیگا دراں حالیکہ تیری مقدس کتاب ہمارے درمیان ہے۔ فوراً دریا کا جوش و خروش ختم ہوگیا اور غیب سے آواز آئی۔ "لا تفعل" ——

حضرت شیخ ابو یعقوب موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے ایک مرید میرے پاس آئے اور کہا میں کل ظہر کے وقت اس دنیائے فانی سے رحلت کرجاؤں گا لہٰذا آپ یہ دینار رکھ لیجئے۔ میرے کفن و دفن کا سامان تیار کر دیجئے گا۔ اگلے روز ظہر سے ذرا پہلے وہ میرے پاس آئے، کعبۃ اللہ کا طواف کئے پھر کعبۃ اللہ سے تھوڑے فاصلے پر گئے اور زمین پر لیٹ گئے۔ اور واصل الی اللہ ہوگئے۔ میں نے انہیں اپنے ہاتھوں سے غسل دیا، کفن پہنایا اور قبر میں اتارا۔ اتنے میں آپ نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے پوچھا مرنے کے بعد پھر زندہ ہوگئے۔ بولے ہاں میں زندہ ہوں۔ خدا کے محب ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

حضرت شیخ خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کے مکان میں ایک شب ایک چور گھس آیا۔ لیکن تلاش و جستجو کے باوجود اسے کچھ نہ ملا۔ جب وہ ناچار ہو کر واپس ہونے لگا تو آپ نے فرمایا اے نوجوان وضو کر کے نماز پڑھ لو تاکہ تمہیں کچھ حاصل ہو جائے، تم خالی ہاتھ مت جاؤ۔ چور نے اس ہدایت پر عمل کیا اور صبح تک یادِ الٰہی میں مصروف رہا۔ صبح ہوئی تو کسی شخص نے ایک سو دینار آپ کی خدمت میں ارسال کیا۔ آپ نے یہ رقم چور کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ایک رات کی نماز کا بدلہ ہے۔ یہ سن کر چور پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ وہ توبہ کر کے حضرت شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ مریدین میں شامل ہوگیا۔

حضرت رکن الدین سید شاہ محمد قادری ویلوری سجادہ نشین مکانِ حضرت قطبِ ویلور قدس سرہٗ العزیز

کے دور میں ایک شخص نحوست میں مشہور زمانہ تھا اور لوگوں نے اُسے خصوصی لقب "آتش قدم" سے معروف کر رکھا تھا۔ جس راہ سے گذرتا تھا لوگ اس سے کتراتے۔ بالآخر اس غریب کے لئے اتنی وسیع کائنات تنگ ہوگئی تو وہ اپنی زندگی سے بیزار ہوگیا اور خودکشی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ایک روز اس کا گذر حضرت مکان کی طرف ہوا۔ حضرت کے مریدین دیکھ کر گھبرا گئے اور حضرتؒ کو "آتش قدم" کے آنے کی اطلاع دی۔ اطلاع ہونے پر حضرت نے اس کو بلایا اور نزدیک بٹھا کر خیریت دریافت فرمائی۔ حضرتؒ اس کی رُوداد غم سن کر بے تاب ہوگئے۔ اسے اپنے ساتھ لیکر کھانا کھایا اور فوراً اپنے ایک مرید کے نام جو آمبور کے رئیس تھے ایک خط دیا جس میں آپ نے شخص مذکور کو کمپنی میں کام دینے کا حکم فرمایا تھا۔ جب وہ رقعہ لے کر ان کے گھر پہنچا۔ رئیس مذکور نے اس سفارش نامہ کو ملاحظہ کیا تو بہت پریشان ہوئے کہ پیرو مرشد نے اسے کہاں بھیجدیا۔ بغیر جواب دئے اندر چلے گئے، اتفاقاً ان کی بیوی کو درد زہ شروع ہوا۔ اور اس قدر شدید ہوا کہ صورت نازک تر ہوگئی۔ رئیس موصوف کو معاً خیال آیا کہ شاید پیر برحق کے عدول حکم کا نتیجہ ہے۔ فوراً باہر آئے دیکھا تو بیچارہ غریب جواب کیلئے سراپا منتظر ہے۔ کہا کہ بھائی آج سے ہماری کمپنی میں ملازم ہو جاؤ۔ کرشمۂ قدرت ملاحظہ کیجئے کہ ادھر اس کو منظوری دی۔ ادھر خوشخبری سننے میں آئی کہ اللہ تعالےٰ نے چاند سا لڑکا عطا کیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمتوں سے ایسا نوازا کہ آج بھی وہ خاندان خوشحال ہے۔

(بقیۂ افلاطون صفحہ ۱۳۸ کا سلسلہ)

چہارم ایک خاندان میں خانہ جنگی رہنی نہایت نازیبا اور زبوں تر ہے۔

پنجم : ہر طرح کے خواہش نفسانی یعنی غصہ، بے رحمی۔ زناکاری، دغابازی، بے ایمانی، بد دیانتی وغیرہ سے انسان کو احتراز و اجتناب کرنا لازم۔

جو شخص تجھے تیرے عیب سے آگاہ کرے اس کو اس شخص سے زیادہ عزیز رکھ جو تجھ کو مدح سے مغرور کرے۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خرقہ سوم: از خوارق آنسرور مشتمل بر رسیدن درمیان سفر بشہر بوزنیگاں وبیانِ آں:—

آں راہ رو منازل صوری ومعنوی در سیاحت خود بشہری رسید پُر از بوزنیگان وساکنانش قوم همدوناں در بزرگی مانند اسپاں در فراست و دانائی چوں انساں، وهم جنس ایشاں درمیان ایشاں بوزنیہ بود صاحب عقل وتمیز اورا بپادشاہی خود مقرر داشتہ کہ از صغیر وکبیر مطیع ومنقاد حکم او بودند وبہ سر او افسر شرف سروری نہادہ ذرہ از حکم او تجاوز روا نمی داشتند وپیر خندی از آدمیاں درمیان ایشاں معیشت یار شدہ زندگانی می گردید بدو زبان سخن میکرد سخن انسان بانسان وتقریر حیوان باحیوان۔ واین چنیں کس را در ملک ہند دوباشی میگویند القصہ آں سرور بایکنفر کہتر دراں شہر رسیدہ جائے آسایش اختیار فرمودہ وکمر استراحت بکشود، واز

آپ کے خوارقات میں سے یہ تیسرا خرقہ ہے جو بندروں کے شہر میں جانے اور وہاں کے حالات پر مشتمل ہے۔

وہ صوری ومعنوی منازل کے مسافر چلتے ہوئے ایک شہر میں پہنچے جو بندروں سے بھرا ہوا تھا اور اس کے رہنے والے قوم همدوناں تھے، قامت میں گھوڑوں کی طرح اور فراست ودانائی میں انسانوں کی طرح تھے۔ ان میں سے ایک بندر جو صاحب عقل وتمیز تھا اس کو تمام بندروں نے مل کر اپنا بادشاہ بنا لیا تھا۔ ان کا ہر چھوٹا بڑا، جوان، بوڑھا اس کا مطیع وفرماں بردار تھا۔ تمام اس کو اپنا آقا جانتے تھے۔ اس کے سر پہ سروری کا تاج رکھ دئے تھے۔ ریزہ برابر بھی اس کے حکم سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ آدمیوں میں سے ایک خوشحال بوڑھا ان بندروں کے درمیان زندگی گذارتا تھا، وہ دو زبانوں میں بات کرتا تھا۔ انسان کی زبان میں انسانوں سے اور حیوان کی زبان میں حیوانوں سے۔ ایسے آدمی کو ملک ہند میں دو بھاشی کہتے ہیں۔ وہ سرور ایک خادم کے ساتھ اس شہر میں آئے اور ایک جگہ قیام پذیر ہوے اور راستہ کی مشقت

برنج راه پاره بیاسود، وساکنان شهر چه از حیوان و چه از انسان شاه را دیدند که از سفر دور دراز در شهر خود رسیده طائفه طائفه درخدمت شاه رجوع می کردند وازهر درے گفتگو می نمودند فصاحت پناه بر حکم سه حکم فرمود خداوند برسول،
کلموا الناس علے قدر عقول

به تقریر دلپذیر که پسند آں دو قوم که عبارت از حیوان و انسان باشد بیان می فرمود، وهر گاه که شاه لفظے آدمی نمود پس آں مردم که جمله بهائم بے دم بودند بزبان آں حیوان گوشگذار قوم حیوان می نمودند وایشاں درمیان شاه وآں حیوان بدو زبان گفتگو می نمودند تا بحدیکه درہمه کوئے وبازار وشهر ودیار خبر وانتشار یافت که مردے خوش خوئی وخوشگوئے تازه روئے حق جوئے از تگاپوی دریں شهر رسیده وبعد از استماع ایں حرف هریک از روئے تعجب جوق جوق بنظارۂ شاه می رسند زیراکه دراں شهر حیوانان آباد، هیچ فردے از انسان یا النادر کالمعدوم می رسید لهذا هر ایک از تعجب بدیدن شاه می آمد۔ ناگاه ایں ہمیمنت اثر بسردار خود که مخصوص بباد شاہی بود رسانیدند بمجر اصغا ی ایں مقال بے اختیار مع چند کسان خادمان از جنس خویش درخدمت آں معرفت کیش رسید بمجرد که چشمش برخدا نور آں سرور افتاد۔ شاه دلجوئی که متخلق با اخلاق الله بود رابطۂ تعهد وتفقد را

کی وجہ سے تھوڑی دیر آرام فرمایا، شہر کے رہنے والے حیوانوں اور انسانوں نے جب شاہ کو دیکھا کہ ایک طویل سفر کرتے ہوئے اس شہر میں پہنچے ہیں تو، جماعتوں کی شکل میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے انہوں نے ہر باب پر گفتگو کی۔ فصاحت پناہ شاہ نے رسول خدا ؐ کے حکم کے مطابق ان کے عقلوں کی مقدار ایک تقریر دلپذیر اس قوم کے لئے جو حیوان وانسان سے عبارت ہے پسند آئے بیان کی۔ شاہ کی زبان سے جو بھی لفظ نکلتا تھا وہ آدمی اپنی زبان میں ترجمہ کر کے اس قوم کے گوشگذار کرتا اور یہ شاہ اور ان حیوانوں کے ساتھ دونوں زبان میں باتیں کرتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کی تقریر اور بیان کا چرچا کوچہ وبازار اور شہر و دیار میں ہونے لگا کہ ایک مردِ خوش کلام خوبصورت حق پرست اس شہر میں پہنچا ہے۔ اس اعلان کو سننے کے بعد ہر ایک جوق درجوق آپ کو دیکھنے کے لئے آنے لگا، کیونکہ اس شہر میں صرف حیوان ہی بسیرا کرتے تھے، کوئی فرد بشر النادر کالمعدوم کے تحت وہاں پہنچا تھا۔ لہٰذا ہر ایک تعجب سے دیکھنے لگا۔ جب یہ خبر ان کے بادشاہ کو پہنچی تو وہ ان باتوں کو سن کر آپ کو دیکھنے کے لئے بے اختیار طور پر اپنے چند ہم جنس خادموں کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جیسے ہی اس کی نظر آپ کے چہرۂ پُرنور پر پڑی سجدہ ریز ہوگیا۔ شاہ مہربان نے جو اخلاقِ الٰہی سے آراستہ تھے اس کی دلجوئی کرتے ہوئے

ہر علی داشتند از کمال مکارم پیش خواند از وحید
آفاق اجازت حاصل کردہ پیش آں سرور بادب تمام
بنشست واز ہر در سخنان آغاز نہاد و ازاں مرداں
معلوم کہ درمیانِ ایشاں معیشت می گردید وہر آئینہ بر
دو زبان مطلع بودند سخن شاہ باو تقریرا او بشاہ وانمودند
الغرض بعد از شرف ملاقات ومقالات آں سرور عالم مہتر
بوزنیگاں را تحقیق معلوم شد کہ شاہ مردے کامل و
فاضل درکمالات وفضیلت بے نظیر وبے ہمتا است لحظہ
بہ لحظہ توجہ واعتقاد دربارۂ شاہ زیادہ وبیشتر می شد
غالبا درخلا وملا باندیماں وجلیساں ہم جنس خویش
ذاکر ذکر منقبت آں سرور بود وبطوع دل درکمر اطاعت
بستہ خدمات شایان وپسندیدہ بظہور می رسانیدند تا
بحدیکہ قصد تمام وعزم کافی براں متفرع داشت کہ ذاتِ
ہمایوں آں ولی خدا ہمچوں از شہر خود جدا نگردد و
نقطہ وار در پرکار زمین خود متمکن باشد ہر گاہ شاہ از
صحبت ناجنساں وحشتے کند جنس باہم جنس
پرواز۔ کبوتر با کبوتر باز با باز۔ ہر گاہ کہ آں سرور رختِ
عزیمت بر بارگیر سفر نہاد ہر چہ تمام تر باضطراب باہمجنساں
خود در رسیدے وقاعدۂ خشوع وخضوع آغاز کردہ
چنداں بکار بردے کہ شاہ کمر بند عزیمت سفر بر کشادے
واز راہ روی ومشی باز استادے۔
الغرض شاہ افاضت آیات از مقالات و
ملاقات وحشت سمات ایشاں متنفر ومحترز شدہ راہ

اسکو کمال اخلاق کے ساتھ اپنے سامنے بلایا۔ وہ آپ سے
اجازت حاصل کر کے انتہائی ادب کے ساتھ آپ کے روبرو آیا'
ہر معاملہ پہ گفتگو ہوی۔ وہ لوگ جو اُن کے درمیان تھے اور
دونوں زبانوں کو جانتے تھے آپ کی بات کی وضاحت کی اس سے
اور اس کی بات کی وضاحت آپ سے کئے۔ الغرض شرف
ملاقات کے بعد وہ بندروں کا سردار جان لیا کہ آپ ایک
کامل اور فاضل ہیں۔ اور فضیلت وبزرگی میں بے
مثال وبے نظیر ہیں۔ لحظہ بہ لحظہ شاہ کے بارے
میں بادشاہ کا اعتقاد بڑھتا گیا اور ہمیشہ اپنے ہمنشین
اور وزراء کے درمیان شاہ کا ذکر ہی کرتا رہتا تھا۔
اور خشوع وخضوع کے ساتھ سب شاہ کی خدمت کرنے
کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ اور خوشی کے ساتھ آپ کی خدمت
میں پہنچے۔ ان میں سے ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ کسی
صورت بھی شاہ ہمارے اس محدود شہر ہی میں زندگی بسر
کریں اور یہیں ٹھہر جائیں اور ادھر شاہ کی طبیعت
ان ناجنسوں کی وجہ سے ایسی ہو گئی تھی جس کی طرف یہ شعر
مشعر ہے۔ ترجمۂ شعر: جنس جنس کے ساتھ پرواز کرتا ہے'
کبوتر کبوتر کے ساتھ اور باز باز کے ساتھ۔ جب بھی شاہ وہاں سے
سفر کرنے کا ارادہ کرتے تو تمام حیوان مضطرب وپریشان ہو کر آپ
کی خدمت میں خضوع وخشوع کے ساتھ حاضر ہوتے اور آپ کو سفر
کرنے سے روکتے شاہ انکی محبت وانسیت کو دیکھ کر عزم سفر سے باز آجاتے۔
الغرض شاہ نے ان کی وحشت انگیز گفتگو اور ملاقات سے
محترز ومتنفر ہو کر ان سے دوری اختیار کرلی۔ لیکن کوئی فائدہ

نفرت و دوری در پیش گرفتے ہیچ سود مند نبودے
ہرچند خواستے کہ کبوتر قدسی وار ازیں مکان ناساز واطیار
شود میسّر نشدے۔ ہرچند کہ آں سرور جد وجہد نفور را نہ بکار
برد ہیچ طرف راہ نجات وخلاص رو نہ نمود۔ ناگاہ آثار جذب
وغضب بر بشرۂ مبارکش نمایاں وظاہر شد۔ علت خناق را
حکم فرمود کہ اورا در گیرد او ازاں علت معلوم ملول ومعلول
شد وہیکل با قوۃ و ثمین او خون بال گشت۔ چناں کہ آثار
بقا از لوح وجودش محو شدن گرفت وخود را در پنجۂ ملک
الموت اسیر ومبتلا دید۔ چو آں شاہ دانست کہ نظر جذب وغضب
خود دمار از روزگار زندگانی خود خواہد بر آورد آزاں میاں
الیشاں کسے معتمد درگاہ او بود گفتہ فرستاد کہ اے مبتلائے
بلائی خناق اگر از دل مار ارخصت دہی وبیشتر روانہ کنی
عجبے نباشد کہ عاجلا مدعائے تو بحصول موصول خواہد گردید و
بلباس صحت وعافیت ملبوس خواہی شد بمجرد کہ آں مبتلائے
آلام واسقام ایں نوید الہام صحت تمام ازاں سرور عالی مقام
استماع نمود باوجودیکہ طاقت زمین و نشستن و برخاستن در
وجود نداشت از بشاشت تمام بستر مرض را پشت پا زدہ
برجست و بامید شفا و نوید بقا محنت چندیں روزہ عنا و بلا
فراموش کرد ہموں وقت قانون عہد و قول را بسوگند و پیمان
مشید ومحکم ساختہ فرستاد۔ چوں آں سرور عالی قدر ایں وعدہ
را نشان وفا دید خلعتے دربرشس از شفا نہاد و نظرے
از صحت برو بکشاد۔ فی الجملہ اعضائے ظاہری و باطنی
از شفا قوتی پذیرفت وکوفت مرض از جوارح او بالکل مندفع

نہ ہُوا۔ بہت کچھ چاہا کہ کبوتر قدسی کی طرح اس ناموافق جگہ سے
اُڑ جائیں لیکن ہو نہ سکا۔ شاہ نے بہت کچھ جدوجہد کی، مگر
انہیں کوئی چھٹکارا اور نجات کا راستہ دکھائی نہ دیا تو اچانک
آپ کے چہرۂ مبارک پر جذب وغضب کے آثار نمایاں ہوئے۔
مرض خناق کو حکم دیا کہ اس کو پکڑ لے۔ حیوانوں کا بادشاہ
اس بیماری سے رنجیدہ اور دن بدن مریض ہونے لگا۔ قوت
وطاقت سب جاتی رہی۔ بال کی طرح باریک ہوگیا۔ زندگی
کے آثار ختم ہونے لگے۔ وہ خود کو ملک الموت کے پنجہ میں گرفتار
سمجھنے لگا۔ شاہ نے جب یہ جان لیا کہ ہمارا غصہ اسکی ہلاکت
کا باعث ہو رہا ہے تو ان میں سے ایک آدمی کو جو اس کی بارگاہ
کا معتمد تھا کہلا بھیجا کہ اے مرض خناق میں مبتلا اگر تو صدق دل
سے یہاں سے رخصت کردے تو تعجب نہیں کہ تو بہت جلد اپنے مدعا
کو پالے اور لباس صحت کو زیب تن کرلے۔

جیسے ہی وہ مبتلائے مرض وآلام شاہ عالی
مقام کی زبان سے صحت کی نوید سنا باوجودیکہ اُسے زمین پر
اٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہ تھی بھرپور خوشی کے ساتھ بستر مرض
کو ٹھوکر لگاتے ہوئے کھڑا ہوگیا اور صحت کی امید اور
بقا کی خوشی میں اتنے دنوں کی تکلیف ومشقت کو بھول گیا۔

اسی وقت اپنے قول وعہد کو قسم کے ذریعہ مضبوط
کرتے ہوئے قاصد کو بھیجا۔ جب وہ سرور عالی قدر
نے اس وعدہ کو وفا ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنے ہی مقام
سے صحت کے خلعت کو اس پر ڈالا اور صحت کی نظر کو
اس پر کھولا۔ حاصل الکلام اسکے اعضائے ظاہری وباطنی صحت کی

شد آں گاہ رسم و رسوم شادی بجا آوردہ روانہ خدمت
شاہ شد و با ہمہ سپاہ از ہمجنسانِ خود پیش پس فوج
ملوکانہ آراستہ با تجمل و دبدبۂ شاہی در خدمت شاہِ ذیجاہ
درآمد۔ ہمہ یکبارگی سجدات و کورنش بجا آوردند بعد ازاں
خود از میانِ ایشاں جدائی گزیدہ در خدمت آں سرور رسید
او بہ بلیغ احوال مرض و شفاء عاجل بیاں نمود۔ دریں اثنا
شاہ ذکر رخصت خود درمیان وعدہ او راو فائے طلب نمود
چوں شاہ بوزنینگاں بمجرد کہ ذکر رخصت شنید بے اختیار
چشمش اشک ریزد خوں بار شد، نوع الحاح و عذرہائے
بسیار پیش آورد۔ اما ہیچ وجہ مطبوع طبع آنسرور نیفتاد۔
فی الجملہ اشک ریزاں با دلِ سوزاں طوعاً و کرہاً وداع شاہ
نمود۔ چوں شاہ از صحبت ناجنساں خود را درمیان ایشاں ہیچو
طوطی در قفس می دید بمجرد کہ حرف رخصت و وداع از زبان
او شنید در قفس پا رشد ہموں زماں برخاست عزیمت
بر لسبت و با خادم معلوم راہ جوئی سفر شد ناگاہ عجیبے دیگر
شنو ایں مہتر بوزنینگاں دخترے داشت کہ در قوم خود
بخوبروئے و خوشخوئی و جوانے موصوف بود، وقتے
شاہ کہ داخل شہر ایشاں شد ہموں زماں بیک
دیدار مبتلائے دیدار و کردار و گفتار شاہ شد ہر روز از
دور نظارہ شاہ میکرد و چوں وقتے کہ شاہ عزم سفر را آمادہ
شد آں مادہ ہم اشک حیرت ریزاں چوں عاشق دلسوزاں
دنبالۂ شاہ گردید وے بر شاہ دراں سفر راہ پیش
گرفت ناگاہ شاہ در پس خود نظر فرمود دید کہ ایں بلا در د

وجہ سے طاقت پانے لگے اور اسکے اعضاء سے مرض کی تکلیف
بالکل ختم ہوگئی۔ اسی وقت وہ خوشی سے جھومتا ہوا شاہ
کی خدمت میں روانہ ہوا۔ اپنے تمام ہمجنس سپاہیوں کے ساتھ
آگے اور پیچھے شاہی فوج کو آراستہ کرکے شاہی دبدبہ اور وقار
سے خدمتِ ذیجاہ میں پہنچا۔ تمام سجدہ ریز ہوگئے۔ اس کے بعد خود
تنہا ان کے درمیان سے جدا ہوکر شاہ کی خدمت میں پہنچا، انتہائی
ادب کے ساتھ تمام احوال مرض بیان کیا۔ اسکے درمیان شاہ نے
رخصت کا ذکر کرتے ہوئے اسکی وعدہ وفائی پر زور دیا جیسے
ہی شاہ بوزنینگان رخصت کی بات سُنا تو بے اختیار اسکی آنکھیں
اشکبار و خوں ریز ہوگئیں۔ اسی عالم میں آہ وزاری و عذرخواہی
بہت کچھ کرتا رہا لیکن شاہ کی طبیعت میں کچھ اثر نہ ہوا فی الجملہ
اشک ریز آنکھوں اور دلسوزی کے ساتھ طوعاً و کرہاً شاہ کو
رخصت کیا۔ شاہ ان ناجنسوں کی صحبت سے تن تنہا ان کے
درمیان مثل ایک طوطی جو قفس میں مقید رہتا ہے حرف رخصت سنتے
ہی اسی وقت اٹھے اور ایک خادم سے راہ سفر معلوم کرکے سفر پہ نکلے
دوسری ایک عجیب بات سنئے کہ اس بادشاہ بوزنینگان کی ایک
لڑکی تھی، اپنی قوم میں سب سے زیادہ خوبصورت اور اچھی خصلت والی
تھی۔ جسوقت کہ شاہ ذیجاہ ان کے شہر میں داخل ہوئے اسی وقت
سے شاہ کی وہ شیدائی ہوگئی تھی۔ آپکے کردار و گفتار وغیرہ کا دُور
دور رہکر نظارہ کرتی تھی۔ جب شاہ عازم سفر ہوئے تو وہ لڑکی روتے
ہوئے عاشق دلسوز کی طرح شاہ کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ جب شاہ
پیچھے مڑ کر دیکھے تو وہ لڑکی پیچھے ہے۔ جانا کہ کیا حالت ہے۔ یہ کیا
واقعہ پیش آیا ہے۔ شاہ لاعلاج ہوکر وہیں رُک گئے اور اس سے

بنا لست دانست کہ حال چیست واین چہ واقعہ
روی داد ولاعلاج باز استاد، ازاں حال استفسار نمود
بمجرد کہ از حال او پرسان شد نالہ وسوز و فریاد از نہاد
او برآمد واز دل غمناک و دیدۂ نمناک طومار عشقی باں
سرور خواندن گرفت۔ چوں شاہ ذبیحاہ ازیں واقعہ
خبردار شد بغایت فرو ماند و در فلک دور دراز افتاد
الحق بلائے دید کہ ہیچ طور ازاں رہائی ممکن نئے وخلاصی
محال، لاعلاج دراں شہر باز آمد وپدرش ازیں حال
آگاہی داد و بریں واقعہ اطلاع بخشید۔ پس پدر او را
بحضور خود طلبید واز نصیحت ناصحانہ ومواعظات مشفقانہ
زاجر ومانع شد فاما ہیچ سود مند نیفتاد وبر دل عاشق او
کارگر نیامد بعد ازاں رجوع در خدمت شاہ کرد و در جناب
ولایت پناہ چناں عرضہ داشت، اے شاہ ذبیحاہ ایں
ضعیفہ ہست دل وجاں را در عشق تو باختہ است
پس او را مہجور از خود دور مکن۔ پس چارہ ورہائی
وسبب خلاصی خود درہمیں دید کہ مریدے ہمراہ سواری
خاص بود۔ حکم باو چناں صادر فرمود کہ اے ارادتمند
اگر چہ توجہ وعقیدہ راسخ بما داری۔ پس چند روز بدل
من در ینجا ساکن شود، ایں حیوان ضعیفہ را کہ مبتلائے
دام عشق ہست ہمسر خود گرداں وبزن شوی او راضی
شود۔ چوں ایں بیچارہ را از حکم پیر چارہ نبود لاعلاج
برآں کار راضی شد۔
آں گاہ شاہ باو آں حیوان را خطبۂ نکاح

پوچھنے لگے کہ کیا واقعہ ہے۔ اس نے رونا پلانا شروع کر دی۔
دلِ غمناک ودیدۂ نمناک لئے ہوئے اس نے شاہ
کو اپنے عشق کا پورا واقعہ سنایا۔
جب شاہ تمام احوال سے واقف ہوئے تو
عاجز ہو کر اس بلا سے چھٹکارا چاہا مگر لاعلاج ہو
گئے اور رہائی ممکن نہ تھی۔ مجبوراً آپ واپس
اسی شہر آگئے۔ جب اس لڑکی کا باپ اس خبر سے
واقف ہوا تو خود اپنی لڑکی کو بلا کر مشفقانہ
وعظ ونصیحت کرنے لگا اور شاہ کے عشق سے
باز رہنے کے لئے کہا۔ مگر تمام نصیحتیں بیکار گئیں اور،
اس عاشق کے دل پہ کچھ کارگر نہ ہوا۔
یہ حال دیکھ کر حیوانوں کا بادشاہ شاہ ذبیحاہ
کے خدمت میں آکر عرض کرنے لگا کہ اے شاہ ذبیحاہ
یہ ایک ضعیف وکمزور لڑکی ہے جو دل وجان سے آپ
پر فریفتہ ہے۔ آپ اسے محروم اور خود سے دور نہ کیجئے
شاہ نے اپنی رہائی اور خلاصی کا ایک ہی راستہ جانا اور
وہ یہ ہے کہ آپ اپنے مرید خاص سے فرمایا کہ اے ارادتمند
اگر تم ہمارے ساتھ پختہ وراسخ عقیدہ رکھتے ہیں تو چند دنوں
کے لئے ہمارے خاطر یہاں رہ جاؤ اور یہ جو مبتلائے عشق
ہے اس کو تم اپنا ساتھی بنا لو۔ اس بیچارے کو پیر کے
حکم سے کوئی چارہ نہ تھا مجبوراً راضی ہوگیا۔ اسی وقت شاہ
ذبیحاہ نے اس لڑکی کے ساتھ اپنے مرید کا
خطبۂ نکاح پڑھا، پھر اپنے سفر پر نکل گئے۔

خوانده ارادۂ سفر پیش گرفت، آں ہر دو در زندگانی مشغول بودند۔ بعد عرصہ از و دو فرزند در وجود آمدہ ہر دو خوبرو و خوش خوی و خوش گوی بودند۔

القصہ بعد بلاغت خود ہر دو از زبانِ والد و والدۂ خود شنیدہ ہر دو در خدمت حضرت شاہ ذی جاہ رسیدند و شاہ ہم انواع انواع تلطفات شامل حال ایشاں پیدا است وچوں خواستند باز بطرف والدین خود باز گردند پس ہر دو را دو جفت خلعتِ بیش بہا و دو اسپ تازی و باز چند کلاہِ قیمتی مرحمت فرمود ارادہ جو ی آں صوب فرمود۔

غرض کہ یہ مرید اور وہ عورت اپنی زندگی کے کاروبار میں مشغول رہے۔ ایک عرصہ کے بعد ان کو دو لڑکے ہوئے۔ دونوں خوبصورت اور اچھی خصلت والے ہوئے۔

حاصل الکلام دونوں بچے بڑے ہو جانے کے بعد اپنے والدین سے پورا واقعہ سُن کر حضرت، ذی جاہ کی خدمت میں پہنچے۔ شاہ نے ان پر خوب نوازشات کیں۔ چند دنوں کے بعد جب وہ دونوں اپنے والدین کے پاس جانے کا ارادہ ظاہر کئے، تو آپ نے دونوں کو دو قیمتی جوڑے اور دو عربی گھوڑے اور چند قیمتی ٹوپیاں دے کر اُن کے مقام کو روانہ فرما دیا۔

چوتھا خرقہ آئندہ

(بہ سلسلہ صفحہ ۱۶۳)

تمشی الیہ علی ساق بلا قدم یہی نہیں بلکہ جس راہ سے گذر گئے شجر و حجر نے آپ کی رسالت کا اقرار کرتے ہوئے صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا۔ مشکوٰۃ کی حدیث ہے جس کے راوی حضرت علی ابن ابی طالب ہیں انہوں نے کہا کہ:۔

"کنت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ فخرجنا فی بعض نواحیھا فما التقبلہ جبل ولا شجر الا وھو یقول السلام علیک یا رسول اللہ (رواہ الترمذی والدارمی) ترجمہ: میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکے میں تھا۔ ایک مرتبہ ہم آپ کی معیت میں مکہ کے بعض علاقے میں نکلے تو اس وقت کوئی پہاڑ یا درخت ایسا نہیں تھا جو آپ کی رسالت کا اقرار نہ کر رہا ہو اور آپ پر صلوٰۃ وسلام کا تحفۂ لازوال نہ بھیج رہا ہو۔ یوں تو سیر و تواریخ کی کتابیں ایسے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ لیکن میں اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ رب العالمین ہم تمام مسلمانوں کو اپنے پیارے رسولؐ کی اطاعت کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اسلامیات میں نماز کا موضوع اپنے اندر بڑی گہرائی اور وسعت و جامعیت رکھتا ہے، جس کا ہر پہلو بیشمار مصلحتوں اور حکمتوں سے لبریز ہے۔ جن کی شرح و بسط اور تفصیل و تشریح کا سلسلہ متقدمین سے لے کر آج تک جاری ہے۔ نماز حیاتِ مومن کے لئے روح و غذا۔ اسلامی ڈسپلن کا مظہر، وحدتِ ملی اور اتحاد و یگانگت کا عظیم شعار اُخروی زندگی کے لئے سرمایۂ نجات، مصائب و آلام میں گوشۂ راحت رساں، محبوب سے سرگوشیوں کا وسیلہ۔ نگاہ چشم کے لئے کیف بداماں ٹھنڈک، خالق کائنات کی عظمت و کبریائی کا احساس ہے۔ نماز کی ان ہی گوناگوں خصوصیات و امتیازات کے پیش نظر حضرت اقدس عالیجناب مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری دامت برکاتہم العالیہ (ناظم دارالعلوم لطیفیہ) نے فرمایا، کہ قارئین اللطیف کے لئے ایک مضمون نماز پر لکھوں، چنانچہ یہ میری علمی سعی و کاوش آپ ہی کی خواہش کا عملی رخ ہے۔ میں بلند ذوق وسیع الخیال قارئین کی خدمت میں اپنی تخلیق پیش کرتے ہوئے مسرت محسوس کر رہا ہوں۔

نیازمند
حافظ بشیر الحق قریشی ادھونی

کائنات میں سجدۂ الوہیت و ربوبیت کی ادائیگی نامعلوم کن کن زاویوں اور کن کن خطوط پر ہو رہی ہے جس کے فہم و ادراک کے لئے ایک نظر ہوشیار اور چشم بصیرت چاہیئے۔ یہ دنیا جب سے وجود کا لبادہ اوڑھے جلوہ گر ہوئی اسی وقت سے اس کے ہر ذرہ میں شوق سجدہ کی بیتابیاں مضمر چلی آرہی ہیں جس کا اظہار کائنات کے ان میں پھیلے ہوئے مختلف عناصر اور اشیاء کے حرکاتِ عمل سے ہو رہا ہے۔ یہ آفتاب جس کی حرارت افزا شعاعوں سے زندگی اور حیات عبارت ہے، وہ کبھی اپنے خالق کے حضور میں سجدۂ تسلیم بجا لا رہا ہے۔ یہ چاند جس کی ضیا پاش کرنوں سے کائنات کے رُخِ زیبا کی چمک دمک ہے۔ وہ بھی اپنے صانع کی حمد و ثنا میں محو ہے اور یہ ٹمٹماتے جھلملاتے ستارے اور یہ ہر سو گھومتے پھرتے چوپائے اور یہ فضاؤں میں تیرتے ہوئے پرندے سبھی اپنی اپنی زبانوں اور مخصوص حرکتوں سے اپنے خالق کی مدح و توصیف، تعریف و تسبیح بیان کر رہے ہیں، اسی نکتہ کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے قرآن نے ارشاد فرمایا تسبح له السموات السبع والارض ومن فیھن وان من شیئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم کائنات کی ہر شئ اپنے خالق کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہے لیکن یہ اور بات ہے کہ انسانی عقل اس کا ادراک نہیں کر رہی ہے۔

جب اللہ کی ساری مخلوقات، نباتات، جمادات، حیوانات، فلکیات، ارضیات غرضیکہ ہر چیز محو عبادت ہے، تو انسان کیلئے بدرجۂ اولیٰ ضروری ہے کہ وہ اپنے خالق کی نہ صرف تسبیح و تہلیل کرے بلکہ اس کو ملے ہوئے انعامات و اکرامات عنایات

دلنوازشان پر توجہ کرتے ہوئے ہر لمحہ ہر آن اپنے محسن اعظم اور منعم حقیقی کی بارگاہ میں سربسجود رہے اور جس طرح اپنی فطری صلاحیتوں اور قابلیتوں کی بنا پر زمین میں خدا کا خلیفہ اور ساری مخلوقات میں اشرف ہونے کا اعزاز حاصل کیا اسی طرح اپنی عبودیت کے اندر بھی ایک امتیازی شان اور جداگانہ مقام حاصل کرے۔ لیکن وہ فرشتوں کی طرح ایک ہی حالت میں رہ کر عبادت نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس کے کندھوں پر امانت کا عظیم ترین بوجھ تھا۔ اور اس منصب کی ذمہ داری بھی کوئی معمولی نہ تھی۔ ساری مخلوقات اس کے بوجھ سے لرزہ براندام رہی۔ یہ تو حضرت انسان کی ہمت وجرأت اور حوصلہ کہیئے کہ اس نے خدا کی بات رکھ لی۔ اگر وہ بھی فرشتوں کی طرح ہر ساعت اور ہر آن رکوع و سجود، تسبیح و تہلیل، ذکر و مراقبہ میں رہتا تو اسکی وہ صلاحیت وقابلیت اور استعداد جس کی وجہ سے خلافت کا منصب ملا زائل ہو جاتی اور امانت و خلافت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر رہتا۔ اور اس کے سر سے اشرف المخلوقات کا سہرا چھین جاتا۔

انسان کی اسی ذمہ داری کے تحت اللہ تعالیٰ نے اس کو عبادات کا تحفہ عطا فرمایا جس کی بدولت وہ فرشتوں پر بھی سبقت لے جائے اور اسکی زندگی کا کوئی لمحہ عبادت وریاضت کے ثواب سے خالی نہ ہو۔ اور ان عبادات میں بھی ایک ایسا طریقۂ عبادت عطا فرمایا جو اس کے قلب و ذہن پر بوجھ نہ ثابت ہو بلکہ وہ خود برضا ورغبت طاعت وعبادت میں مشغول ہو جائے اور اس کے ذریعہ اپنی بدنی کثافتوں سے نجات پاکر فرشتوں کی صف میں شامل ہو جائے اور اپنے رب سے سرگوشیاں کر سکے۔ یہ ہے وہ طرز اور طور وطریقہ جو جمیع مصالح کو اپنے ذہن میں سمیٹے ہوئے ہے اور جس کو شریعت کی زبان میں "نماز" کہا گیا اور اسکی اتنی اہمیت، وقعت، عظمت اور رفعت بلند کر دی گئی کہ وہ دین اسلام کی روح قرار پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: الصلوٰۃ عماد الدین فمن اقامھا اقام الدین ومن ترکھا فقد ھدم الدین نماز سقف اسلامی کیلئے ستون ہے جس نے نماز کی پابندی کرلی گویا اس نے دین کو برقرار رکھا، اور جس نے نماز کو ترک کیا گویا دین کو منہدم کر دیا۔

خدا کی وحدانیت اور نبیؐ کی نبوت کے اقرار کے بعد عملی طاعت کا آغاز ہو جاتا ہے اور اس نئی ایمانی زندگی کا پہلا مرحلہ نماز ہے لہٰذا اس پاک وصاف اسلامی و ایمانی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد مؤذن کی پہلی اذان پر لبیک کہتے ہوئے بارگاہِ ایزدی میں سربسجود ہو جانا اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ کچھ ہی دیر قبل جو ایمانی دعوے ہوا تھا اس کی تکمیل ہوئی۔ اس کے برعکس مدعیٔ ایمان نے نماز ترک کر دیا تو گویا اس نے اپنے دعوی کو سچا کر نہیں دکھایا اور اللہ ورسول کی اطاعت سے منحرف ہوا۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بین العبد والکفر ترک الصلوٰۃ کفر وایمان کے درمیان نماز ہی امتیاز ہے۔ اس سے یہ حقیقت مترشح ہو جاتی ہے کہ اسلامی روح کو زندہ رکھنے کے لئے نماز کو قائم کرنا اور اس کو اجتماعی طریقہ پر ادا کرنا انتہائی لازمی ہے۔

ان حدیثوں کے ساتھ قرآن پاک کی اس آیت کریمہ پر نظر ڈالئے واعبد ربك حتى يأتيك اليقين۔ اپنے رب کی عبادت اس وقت تک کرتے ہو جب تک کہ موت آپہونچے، آیت پاک سے نماز کی قطعی فرضیت اور اسکی اہمیت بھی واضح ہو گئی کہ منزل بلوغت سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک یہ

فرض ادا ہوتے رہے خواہ اس درمیان کیسے ہی انقلاب آتے رہیں، نماز کی اسی فرضیت کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سختی سے عمل کیا اور ساری زندگی میں بجز دو نمازوں کے تیسری نماز قضا تک نہیں کی اور اپنی امت کو بھی زندگی بھر اس فرض کی ادائیگی اور اسکے اہتمام کی طرف توجہ دلاتے رہے۔ یہاں تک آپ کی حیات طیبہ میں وہ لمحات بھی آ پہنچے جو مرض الموت کی شدت و تکلیف سے بھرپور تھے۔ ایسے نازک ورجانکاہ موقعہ پر بھی خود نماز ادا فرمائے اور اپنی امت کو بھی آخری نصیحت اور وصیت نماز سے متعلق فرمائی۔

نماز کا تصور اگلی امتوں میں بھی پایا جاتا ہے لیکن اسکے نظام میں بے قاعدگی اور جماعت کا عدم اہتمام اور اس کے ظاہری و باطنی مصالح سے لاعلمی کی بنا پر اس کی شکل و صورت مسخ ہوگئی اور وہ ترمیمات، تنسیخات، تغیرات و تبدلات کے سیلاب میں بہہ گئی اور یہاں تک نوبت آ پہنچی کہ ایک ہی نبی کی امت اس فرض کو مختلف انداز میں ادا کرنے لگی اور بہت سے افراد کے ذہن سے اسکی فرضیت کا احساس بھی ختم ہوا اور اسکی روح بھی فنا ہوگئی لیکن اس کے برخلاف امت مسلمہ نے اس فرض کی انجام دہی میں جو رول ادا کیا ہے اس کا عشر عشیر بھی کسی نبی کی امت پیش نہ کر سکی۔ اسلامی تاریخ کے پرفتن اور تاریک دور میں بھی نماز کو طاق نسیان کی نذر نہیں کیا گیا۔ کفر و ضلالت شرک و بدعت کی تخریب خیز آندھیوں میں بھی نماز کا چراغ گل نہ ہو سکا حتیٰ کہ اسکی ہیئت ظاہری و باطنی میں کبھی سرمو تبدیلی نہ ہو سکی اور پوری حفاظت و امانت کے ساتھ اسکی شکل و صورت اور حقیقت نئی نسل کے لئے منتقل ہوتی رہی۔ چنانچہ ۱۴ سو سال بیت جانے کے بعد بھی نماز کی وہی شکل و صورت ہے جو عہد نبوی میں تھی۔ سابقہ امتوں میں نماز سے غفلت، بے توجہی اور اس کی ادائیگی میں کوتاہی اور سستی دیکھنے کے بعد آنحضرت کے آفاق گیر مشن کی نوعیت و اہمیت اور قدر ہونے لگتی ہے کہ حضور نے تارک نماز کے لئے وعیدیں، جماعت سے غافل ہونے پر تحذیر و انذار اور فرض کی ادائیگی پر شوق دلاکر نہ صرف دین کا نظام برقرار رکھا بلکہ اس کے اندر انتشار اور تحریفات و ترمیمات کے لئے سد باب فرمایا۔ خدا کا صد ہا شکر و احسان ہے، آج امت اسلامیہ اس عظیم رکن میں اختلاف کا شکار نہ ہو سکی۔

یہودی اور عیسائی مذہب میں عبادت کی نوعیت اور اسکی ہیئت کیا تھی۔ اس کی تصویر دیکھنے کے لئے ذیل کے اقتباسات بہت ممد و معاون ہو سکتے ہیں جن کو ملک کے نامور مصنف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب "ارکان اربعہ" میں خود یہودی اور عیسائی مصنفین کی کتابوں سے جمع فرمایا ہے۔ یہودیت میں نماز کی شکل ملاحظہ کیجئے:-

"یہودیوں کے روایتی نظام عبادت میں عورتوں کو مردوں سے علیحدہ رکھنے کا حکم ہے اور سر کو ڈھانکنا اور سر جھکانا اور خاص نمازوں میں کھڑا ہونا بھی فرض ہے ——— صبح کی نماز میں نمازی کو ایک خاص چادر اوڑھنی پڑتی تھی، اور مخصوص تعویذ جنکو "فلقطیر" کہا جاتا تھا دائیں بازو اور سر میں باندھنا پڑتا تھا اور مردوں میں جن کی ۱۳ برس سے متجاوز ہوگئی ہو ان کے لئے تعویذ باندھنا لازمی تھا۔ کفارہ کے دن وہ سفید طلیسان استعمال کرتے تھے (جن کو ان کے یہاں کفن میں استعمال کیا جاتا ہے) یہودی شریعت اماموں اور

مقتدیوں میں کوئی تفریق نہیں کرتی بلکہ یہ کہتی ہے' کہ
اللہ کے سامنے وہ سب برابر ہیں۔ یہود کے تجدد پسند
طبقے نے عبادت میں موسیقی کا خاص طور پر اہتمام کیا ہے،
اور ہر نماز کیلئے مخصوص آہنگ اور نغمے وضع کئے ہیں' تاکہ یہ
عبادت دلوں میں اچھی طرح اتر سکے اور اپنا اثر کر سکے۔ تجدد
پسند یہودیت نے حسن ذوق و جمال پرستی کو بہت اہمیت
دی ہے۔ جسمانی حرکات نماز سے کم سے کم کر دی ہیں۔ مردوں و
عورتوں کی علیحدہ صفوں کا نظام ختم کر دیا ہے۔ سر ڈھانکنے
اور چادروں کے استعمال کو بھی ضروری قرار نہیں دیا۔ اور
چونکہ یہ تجدد پسند جماعت سنیچر اور ایام مقدسہ کی نمازوں پر قانع
تھی، اس سے اب تعویذات کی رسم بھی مٹا دی گئی اور قیام و سکوت
اور سر خم کرنا بعض بعض موقعوں پر کافی سمجھا جانے لگا۔

عیسائیت میں نماز کی شکل ملاحظہ فرمائیے۔ مذہب
عیسائیت دو حصوں میں بٹ چکی ہے۔ ایک رومن کیتھولک،
دوسرا پروٹسٹنٹ۔ رومن کیتھولک میں نماز کی صورت دیکھئے
اور اندازہ لگائیے کہ نماز کو اس امت نے کیا سے کیا کر دیا۔

پادری' جب کلیسا میں داخل ہوتا ہے تو حاضرین اس
کی تعظیم میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ نماز کی نیت کرتے ہوئے کہتا
ہے' باپ بیٹے روح القدس کے نام پر میں کلیسا کے مذبح کی طرف
نماز پڑھتا ہوں۔ اس موقع پر امام اور مقتدیوں میں ایک مکالمہ
ہوتا ہے جو خدا کی تقدیس و ثنا سے متعلق ہے ـــ پھر امام
مذبح پر بیٹھتا ہے اور لاطینی زبان میں ایک دعا پڑھتا ہے جس
میں خدا سے گناہوں کی معافی مانگی جاتی ہے اور حضرت مسیح
اور ان مقدس ہستیوں کا توسل اختیار کیا جاتا ہے جن کے
آثار کلیسا میں موجود ہیں۔

پروٹسٹنٹ میں نماز کی شکل دیکھئے:۔

پروٹسٹنٹ گرجاؤں کی نماز بشمول میتھوڈسٹ (METHODIST) اور
(ANGLICAN) اعتراف' توبہ و استغفار۔ تجدید
ایمان۔ بنیادی عقائد کی توثیق۔ حمد و ثنا اور دعا و تلاوت
انجیل میں کیتھولک نماز سے ملتی جلتی ہے۔ لیکن اسکا اسلوب
اور صیغے مخصوص کلیسائی نظام کے ماتحت اور کئی وجوہ سے
کیتھولک نماز سے مختلف ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ لاطینی
زبان استعمال نہیں کی جاتی۔ دوسرے یہ کہ اسکی دعاؤں کے
سارے صیغے ترانوں اور گانوں کی شکل میں ہیں اور ہر دعا
کی لے اور آہنگ جدا اور مقرر ہے۔

ان مذاہب میں نماز کی اصلی صورت اور مسخ شدہ صورت
کا جائزہ لینا طوالت کا باعث ہے۔ یہی اقتباسات کم از کم اتنی
حقیقت واضح کر سکتے ہیں کہ اسلام میں نماز آج بھی کس قدر محفوظ
و مکمل اور ترمیمات سے پاک ہے۔

نماز اسلام میں عبادت و ریاضت' اطاعت و فرماں
برداری اور اقرار عبودیت کا اولین نشان ہے۔ ایک انسان
جب کلمۂ توحید پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو جاتا ہے تو اس کی
اسلامی اور عملی زندگی میں پہلا فرض جو درپیش ہوتا ہے' وہ یہی
نماز ہے۔ قرآن کی رو سے آنحضرتؐ کو توحید کے بعد سب سے پہلا حکم
نماز ہی کا دیا گیا ہے۔ یا ایہا المدثر قم فانذر' وربک فکبر
اے محبوب قوم کی اصلاح اور اسکی ہدایت و رہبری کے لئے مستعد
ہو جاؤ اور اپنے رب کی عظمت و جلالت اور اسکی بڑائی بیان کرو'
تسبیح و تحمید اور تکبیر و تہلیل کا یہ حکم گویا نماز کے لئے خشت

اوّل ثابت ہُوا۔ اس کے بعد مزید یہ حکم ملا وأمر اھلک بالصلاۃ آپ اہل وعیال کے لئے بھی نماز کی تلقین کیجئے اس پر سرکار دو عالم نے خود عمل کیا اور لوگوں کو بھی اس کی طرف توجہ دلائی۔

تحریک اسلامی کا یہ پہلا مرحلہ تھا۔ لوگ اس دعوت کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے تھے جس کی وجہ سے مخالفت کا سلسلہ کھڑا ہوگیا اور عبادت کا یہ عجیب وغریب اور غیر مانوس طرز دیکھ کر کفار ہنسی مذاق کرتے اور صحن حرم میں جب حضورؐ نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے تو آپ کی گردن میں پھندا ڈال کر کھینچتے اور کبھی سجدہ کی حالت میں پاکر آپ کی پشت مبارک پر نجاست ڈال دیتے تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سارے ظلم وستم سہتے ہوئے بھی یہی فرمایا کرتے تھے اے خدا میری قوم نادان ہے تو اس کو راہ راست پر لے آ۔

تحریک اسلامی دوسرے مرحلے میں داخل ہوجاتی ہے اور اس کا دائرۂ اثر یہاں تک پھیل جاتا ہے کہ حق پرستوں کی ایک جماعت تیار ہوجاتی ہے اور حضرت عمرؓ داخل اسلام ہوجاتے ہیں جس سے اسلامی زندگی ایک عظیم انقلاب سے ہمکنار ہو جاتی ہے۔ اب تک نماز انفرادی حیثیت سے مکانات میں ادا ہوتی تھی۔ علانیہ جماعت کا نظم ونسق قائم نہ تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد کایا پلٹ گئی۔ آپ اسلام قبول کرتے ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے درخواست پیش کرتے ہیں خدا کے رسول! جب ہمارا دین سچا ہے تو اس کو پوشیدہ کیوں رکھا جائے۔ کافر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو ہم علانیہ کعبہ میں جاکر نماز ادا کریں گے۔

اسلام میں یہ پہلی نماز تھی جو علانیہ طور پر کعبہ کی چھاؤں میں مسلمانوں نے ادا کی۔ کفر وشرک کی آندھیوں میں بھی ہدایت کا نور آہستہ آہستہ پھیلتا جارہا تھا یہاں تک کہ وہ مبارک ومسعود ساعت آپہنچی جس میں آنحضرت کو آسمانوں اور زمینوں کی سیر کرائی گئی اور اسی معراج میں امت اسلامیہ کیلئے اولاً شب وروز میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں جس کی تفصیل حدیث اسراء میں ملتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی واپسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی۔ اس ملاقات کے دوران حضرت موسیٰ نے حضور سے دریافت فرمایا۔ پروردگار نے آپ کی امت کے لئے کیا فرض کیا؟ حضورؐ نے جواب دیا پچاس نمازیں۔ اس پر حضرت موسیٰ نے فرمایا آپ کی امت اس عظیم بوجھ کی متحمل نہ ہوسکے گی۔ لہٰذا پروردگار سے اسکی تخفیف کرالیجئے کیونکہ مجھے بنی اسرائیل کا خوب تجربہ ہے۔ اس مشورہ پر آنحضرتؐ خدا کے حضور دوبارہ حاضر ہوئے اور نمازوں میں تخفیف ہوتے ہوتے پانچ نمازوں پر معاملہ رُک گیا اور فضل ربانی یہاں تک ہوا کہ اے محبوب! یہ شب وروز میں پانچ نمازیں ہیں اور ہر نماز دس نمازوں کے قائم مقام ہے۔ یہ احسان اس لئے ہوا کہ امت اسلامیہ اس فرض میں کوتاہی نہ کرے اور اس فضل کو بھی فراموش نہ کرسکے کہ خدا نے تعداد اور عمل میں تخفیف کیا لیکن اجر وثواب وہی پچاس نمازوں کا برقرار رکھا۔

اسلامی تاریخ کا یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال قبل ظہور میں آیا۔ اسی معراج کے بعد نماز کی تکمیل صورت واضح ہوئی اور اس کے لئے تعداد رکعات اور اوقات وغیرہ ساری چیزوں کی تفصیل بتادی گئی اور نمازی کے اوقات شرط قرار پائے۔ ان اوقات کے تعین میں بہت سی مصلحتیں پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔

جس کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ اسلام نظریاتی اور ما فوق الطبعیات قوانین کا مجموعہ نہیں، بلکہ وہ فطری مذہب ہے جس کے اندر عمل کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے۔ اسی فلسفہ کے تحت انسانی طبیعت کو سامنے رکھتے ہوئے چند اوقات متعین کئے گئے تاکہ عمل میں سستی اور اکتاہٹ پیدا نہ ہونے پائے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الیٰ غسق اللیل وقرآن الفجر۔

یہ پانچوں نمازیں انسانی زندگی میں نظم و نسق قائم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور روحانی حیثیت سے یہ نکتہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد بارگاہِ ایزدی میں حاضری اور وہ بھی اس تصور کے ساتھ وہ اپنے رب کو دیکھ رہا ہے نفسیاتی حیثیت سے تزکیۂ نفس و تطہیر قلب کے لئے ایک موثر ذریعہ ہے۔ جس کی وجہ سے آدمی میں خشیت الٰہی اور تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور وہ مادی کثافتوں سے دور ہو جاتا ہے اور اس کے اندر روحانیت یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ اس میں فراست مومنانہ پیدا ہو جاتی ہے۔

علامہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی معرکۃ الآرا کتاب "حجۃ اللہ" میں اسرار الاوقات کے تحت نکتہ یہی فرماتے ہوئے امت کی سیاست یا اور اسکی زندگی کا نظام اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک بہ تھوڑی مدت اور وقفہ کے بعد اسکی نگہداشت نہ کی جاتی رہے۔ یہاں تک کہ نماز کے لئے اس کا انتظار اور اس کے لئے بہت پہلے سے تیاری نماز ہی کے رنگ در نماز ہی کے نور کا ایک حصہ ہے اور اسی کے حکم میں آتا ہے اور اس طرح اکثر اوقات اسکے دائرہ میں آجاتے ہیں۔ ہم کو اس کا تجربہ ہے کہ جو تہجد کی نماز کی نیت کے ساتھ سوئے گا وہ کم از کم بہائم کی نیند نہ سو سکیگا۔

اسی طرح کسی کو اگر نماز یا کسی ورد کی فکر دامنگیر ہوگی، وہ بہیمیت میں پڑنے سے باز رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد من تعار اللیل کا مقصود و منشا بھی یہی ہے۔ تعین اوقات کی مصلحت پہ علامہ سید سلیمان ندوی نکتہ فرماتے ہوئے:۔

اوقات نماز کے تقرر میں وہ چیز بھی مدنظر ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے یعنی اصول وحدت جو اسلام کا اصل رمز و شعار ہے، مسلمان مختلف شہروں اور ملکوں اور اقلیموں میں ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں آباد ہیں مگر یہ کثرت ایک خاص وقت اور ایک خاص حالت میں وحدت کا مرقع بن جاتی ہے۔ کرۂ ہوا میں لگی ہوئی دوربین سے اگر زمین کی طرف دیکھو تو ایک خاص وقت میں لاکھوں کروڑوں انسانوں کو ایک ہی وضع اور ایک شکل میں خالق عالم کے آگے سرنگوں پاؤ گے اور جہاں تک مطلع و مغرب میں نمایاں فرق نہ ہوگا یہی منظر آنکھوں کے سامنے رہیگا۔ مختلف ملکوں میں طلوع و غروب کا اختلاف اگر اس وحدت کے رنگ کو کامل نہیں ہونے دیتا تو کم از کم اتنی وحدت تو یقینی ہے کہ جس وقت جس حالت میں ایک جگہ آفتاب ہوتا ہے، جب دوسری جگہ بھی اسی حالت میں ہوتا ہے تو نماز کا فرض اس وقت وہاں ادا ہوتا ہے۔ یہ وحدت ظاہر ہے کہ اوقات کے تقرر کے بغیر ممکن نہ تھی اور اگر ایسا نہ ہوتا تو صفحۂ ارض تو کجا ایک محلہ اور ایک گھر کے مسلمان بھی ایک جگہ اور ایک حالت میں نظر نہیں آسکتے تھے۔"

ایک دوسری جگہ "سیرت النبی" میں لکھتے ہیں۔ "سب سے پہلا موحد جس نے آفتاب پرستی کا چراغ گل کیا حضرت

ابراہیم علیہ السلام تھے۔ سنتِ ابراہیمی میں نماز کے وہ اوقات مقرر کئے گئے جب ستارہ پرستوں کے خدائے اعظم (آفتاب) کے ظہور و عروج کا نہیں بلکہ اس کے زوال اور غروب کا ہوتا ہے تاکہ یہ اوقات خود زبان حال سے شہادت دیں کہ یہ آفتاب پرستی کے باطل عقیدہ کے خلاف اُس خدائے برحق کی عبادت ہے جس کے آستانۂ کمال کے سجدہ سے خود آفتاب کی پیشانی بھی داغدار ہے۔ دین محمدی ملتِ ابراہیمی کا دوسرا نام ہے۔ اس لئے اس میں بھی نماز کے اوقات وہی رکھے گئے جو ملت ابراہیمی میں تھے۔

نماز کیلئے مقرر کردہ اوقات کے اندر بہت سی حکمتیں اور برکتیں پوشیدہ ہیں۔ نماز صبح کا وقت گویا تجلیاتِ الٰہی و فیضانِ ربانی کا آغاز ہے جس میں بندۂ مومن نیند سے بیدار ہوتے ہی بارگاہِ کبریا میں سرِ تسلیم و نیاز خم کر دیتا ہے۔ اس مبارک وقت میں اس کا نامۂ اعمال حضورِ خداوندی میں پیش ہوتا ہے اور صبح کا وقت فرشتے آسمان سے نزول فرماتے ہیں۔

حدیث کے الفاظ ہیں جو شخص نماز عشا کے بعد نصف شب تک مشغول ذکر و تسبیحات رہا اور اس نے نماز صبح جماعت کے ساتھ ادا فرمائی تو گویا اس نے ساری رات عبادت کا ثواب حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پہ اُتارے گئے تو انہوں نے رات کی سیاہی سے خوف کھایا۔ جب صبح کا نور طلوع ہوا تو آپ نے نماز شکرانہ ادا فرمائی۔

نمازِ ظہر کے وقت آسمانوں کے سارے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس وقت بندوں کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔ اس لئے حدیث میں نماز ظہر سے متعلق کہا گیا من صلہا فقد حرم اللہ جسدہ علی النار جس نے ظہر ادا فرمائی گویا اُس نے اپنے جسم کو آگ سے بچا لیا۔ اور اس وقت میں ملائکہ کی اکثریت ایسی ہوتی ہے جو آسمانوں میں تسبیح و تحمید بیان کرنے میں مشغول رہتی ہے۔

نمازِ عصر کا وقت تو فرشتوں کے لئے ایک سنگم ہے جس میں رات اور دن کے ملائکہ جمع ہوتے ہیں اور بندوں کے اعمال خدا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس پہ خدائے تعالیٰ اُن سے سوال کرتے ہیں تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں پایا۔ عرض کرتے ہیں، خداوند وہ تو آپ ہی کے ذکر اور تسبیح میں مصروف و منہمک تھے۔ اس وقت کی رحمتوں اور برکتوں کے تحت خصوصیت کے ساتھ نماز عصر کی ادائیگی کی تلقین کی گئی حافظوا علی الصلوٰۃ والصلاۃ الوسطیٰ۔

نماز مغرب کا وقت بھی دعاؤں کی قبولیت کا ہے کہا جاتا ہے کہ اس وقت میں حضرت لیعقوب علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی۔ جو چالیس سال سے اپنے لختِ جگر کے لئے آنسو بہا رہے تھے۔ پیرہن یوسف دستیاب ہوا اور آپ کی بینائی واپس آگئی۔ جس کے شکریہ میں آپ نے نماز ادا فرمائی تھی۔

نماز عشا کا وقت قیامت کی ہلاکت خیز صعوبتوں سے نجات کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور مسجد تشریف لائے۔ لوگوں پہ غنودگی چھانے لگی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا:۔ ابشروا من نعمۃ اللہ علیکم انہ لیس احد من الناس یصلی ھذہ الساعۃ تم لوگوں کو خوشخبری

ہے، یہ وہ وقت ہے جس میں صرف تم ہی عبادت کرتے ہو۔ حدیث قدسی ہے اے محمدؐ اپنی امت کو بشارت دو، جو بندۂ مومن شب کی تاریکی میں نماز کے لئے مسجد کا رخ کریگا اس کو قیامت کے روز نور عطا کیا جائے گا۔

غرض ہر نماز اور اس کے وقت کی برکت اور فضیلت مختلف انداز سے دکھائی گئی گویا یہی اوقات صفاتِ جمالیہ کا مظہر ہیں۔ دن اور رات میں ادا ہونے والی پانچ نمازوں کو سری اور جہری میں تقسیم کیا گیا اور یہ تقسیم بھی عظیم مصلحت پہ مبنی ہے دن کی نمازوں میں قرأت کو آہستہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ تاکہ خالق کی طرف پورا انہماک و توجہ اور التفات رہے اس کو اصطلاح میں "مرتبۃ الفرق" سے تعبیر کیا گیا۔ اور رات میں پڑھی جانے والی نمازوں میں قرأت کو بلند کرنے کا حکم دیا تاکہ خالق کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بھی مخلوق کے فوائد پیش نظر رہیں اور اس کو اصطلاح "مرتبۃ الجمع" کا نام دیا گیا ہے جیسا کہ کتب حدیث سے یہی مصلحت مترشح ہوتی ہے۔

نمازوں کے اوقات کے علاوہ شب و روز کا سارا حصہ عبادت و ریاضت، ذکر و مجاہدہ کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن صرف تین اوقات ایسے ہیں جن کے اندر سجدہ ریزی ممنوع قرار دی گئی ہے۔ ان اوقات میں نماز کو منع قرار دینے کی بھی ایک گہری اور عمیق مصلحت ہے۔ عن عمرو بن عبسہ قال قالت یا نبی اللہ اخبرنی عن الصلوٰۃ قال صل صلوٰۃ الصبح ثم اقصر عن الصلاۃ حتی تطلع الشمس ترتفع فانھا تطلع حین تطلع بین قرنی شیطان وحنئیذ لیسجد لھا الکفار ثم صل فان الصلاۃ مشھودۃ محضورۃ حتی یستقل الظل بالرمح ثم اقصر عن الصلاۃ فان حنئیذ تسجر جھنم فاذا اقبل الفئی فصل فان الصلاۃ محضورۃ مشھودۃ حتی تصل العصر ثم اقصر عن الصلاۃ حتی تغرب فانھا تغرب بین قرنی الشیطان وحنئیذ یسجد لھا الکفار۔ رواہ احمد۔ حضرت عمرو بن عبسہ کا کہنا ہے کہ میں نے حضورؐ سے نماز کے بارے میں دریافت فرمایا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا نماز صبح ادا کرو، اس کے بعد طلوع آفتاب تک نماز مت پڑھو کیونکہ طلوع کے وقت شیطان اپنا چہرہ سورج کے مقابل کئے ہوتا ہے اور اس وقت میں کفار و مشرکین سورج کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ آفتاب جب بلند ہو جائے تو نماز پڑھو۔ اس کے بعد اس وقت میں فرشتے نزول فرماتے ہیں۔ لہٰذا تم نماز کا سلسلہ استواء تک جاری رکھو۔ اس کے بعد نماز سے بچو کیونکہ نصف النہار کے وقت جہنم بھڑکائی جاتی ہے گویا یہ صفات جلالیہ کے مظہر کا وقت ہے۔ جب خط استواء سے آفتاب ڈھل جائے تو تم نماز عصر تک پڑھ سکتے ہو۔ یہ صفات جمالیہ کے مظہر کا وقت ہے۔ اس کے بعد نماز سے پرہیز کرو۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے کیونکہ وقت غروب بھی شیطان اپنا چہرہ آفتاب کے مقابل کرتا ہے اور اس وقت کفار آفتاب کو سجدہ کیا کرتے ہیں۔

امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں "قرن شیطان" سے اسکی جماعت یا شیطان کی جماعت کا غلبہ اور شیطان کے شر و فساد کا انتشار مراد ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ وقت طلوع و غروب

میں شیطان اپنے چہرہ کو آفتاب کی طرف پھیر دیتا ہے تاکہ ساجدین کفار کا سجدہ اسی کے لئے ہو حالانکہ وہ حقیقت میں سورج کے آگے سجدہ ریز ہیں لیکن ظاہری شکل میں گویا شیطان کی طرف سجدہ ہو رہا ہے۔ اور اس وقت شیطان اور اس کے گروہ کو بہت غلبہ اور تسلط ظاہری حاصل ہوتا ہے جسکی وجہ سے ان اوقات میں نماز کو ممنوع قرار دیا گیا۔ جس طرح شیطانی وساوس اور اس کے حملہ سے بچنے کیلئے شیطانی مقامات (اونٹ باندھنے کی جگہ حمام وغیرہ) میں نماز پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا۔

بعثتِ نبوی کے بارھویں سال نماز کی تکمیلی صورت واضح ہوی۔ مکی دَور مسلمانوں کے لئے ایک دورِ پُر فتن سے کم نہ تھا جسکی وجہ سے نماز کا اجتماعی کردار ہمہ گیر پیمانہ پر ادا نہ ہو پایا۔ یہاں تک کہ حضورؐ کو مادرِ وطن سے ہجرت کا حکم ملا۔ آپ کی تقلید و پیروی میں بعض مسلمانوں نے بھی مکہ مکرمہ کو ترک کیا اور مدینہ کی راہ لی۔ اسی ہجرت سے اسلامی زندگی کروٹ لیتی ہے اور ایک اجنبی شہر میں غریب الدیار افراد کی سوسائٹی تشکیل پا جاتی ہے، جس کے بعد مسلمان پوری آزادگی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگتے ہیں اور دین کا نظام قائم ہو جاتا ہے اور نماز بھی با جماعت اعلان کے ساتھ ادا ہونے لگتی ہے اور خود حضور علیہ السلام نے نماز با جماعت پر اس قدر مواظبت اور مداومت اختیار کی کہ مرض الموت کی نازک اور جانکاہ ساعات میں بھی جماعت کو ترک نہ کیا۔

حضرۃ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورؐ جب بیمار ہوئے تو نماز کے وقت پوچھا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی۔ میں نے کہا آپ کے منتظر ہیں۔ اس پر حضورؐ نے پانی وضو کے لئے طلب کیا۔ پانی رکھ دیا گیا اور آپ وضو سے فارغ ہو گئے۔ جانے کا قصد فرما رہے تھے پھر غشی طاری ہو گئی۔ یہی حالت تین چار مرتبہ پیش آئی تو آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کے لئے کہلوا بھیجا۔

اسی عملی ھدایت کا نتیجہ تھا کہ صحابۂ کرام میں جماعت کا اہتمام اور اسکی اہمیت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ بقول عبداللہ بن مسعودؓ بوڑھے اور ضعیف آدمی بھی اپنی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتے تھے لقد کان الرجل یوتی بہ یھادی بین الرجلین ایک کمزور آدمی کو بھی دو آدمی سہارا دیتے ہوئے مسجد میں لاتے اور صف میں کھڑا کر دیتے تھے۔ اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک نماز بغیر جماعت کے نامکمل اور ناقص ہے جس کی وجہ سے ہر حالت میں جماعت کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

جماعت قائم کرنے سے متعلق حضور کی ھدایات اور حضور اور صحابۂ کرام کا اس عمل پر مداومت و مواظبت بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔ کیونکہ قومیں وہی ترقی کی راہ پر گامزن رہتی ہیں جن کے افراد کے درمیان آپس میں میل جول، الفت و محبت، اخلاص و مودت اور اپنائیت ہو اور یہ چیزیں اسی وقت کسی قوم میں سرایت کر سکتی ہیں جبکہ ان کے اندر اجتماعات کا اہتمام ہو۔ تاکہ وہ ایک دوسرے سے قریب ہوں اور ان میں تعارف و تعاون کی راہ و رسم قائم ہو۔ اور ان چیزوں کی بنیاد پر وحدت کی قوت بڑھتی رہے۔ اسی فلسفے کے تحت حضورؐ نے جماعت کا نظام قائم کیا جس کے ذریعہ ہر دَور میں آنے والی امت میں تعارف و تعاون

کا تسلسل اور ان کے درمیان ربط و ضبط قائم رہے اور سارے مسلمان ایک وقت ایک جگہ دن میں پانچ مرتبہ اکٹھا ہوتے رہیں، اور ان کے درمیان امیر و غریب، عربی و عجمی، حسب و نسب، رنگ و روپ، ذات پات، وطنیت، جنسیت، لسانیت، علاقائیت کے گندے تصورات، وخیالات اور اس قسم کے امتیازات پیدا نہ ہونے پائیں اور سارے لوگ کندھے سے کندھا لگائے ایک ہی صف میں کھڑے ہو جائیں تاکہ برادرانہ مساوات کی روح زندہ رہ سکے۔ اگر جماعت قائم کرنے کی اس قدر تاکید اور سختی نہ ہوتی، تو اسلام کا یہ رکن عظیم مختلف صورتوں اور شکلوں میں بٹ جاتا اور ساری دنیا کے مسلمان ایک ہی طرز اور ایک ہی شکل وصورت کی نماز ادا کرتے ہوئے کبھی نظر نہیں آتے اور تحریف دین کا دروازہ کھل جاتا۔ ان مہلکات و مفسدات کے انسداد کے لئے حضور اور صحابہ اپنا عمل مداومت کے ساتھ بطور نمونہ امت کے سامنے پیش کیا۔ تاکہ اس میں سر مو تبدیلی اور ترمیم کی کوئی جرأت نہ کر سکے۔

جماعت کے مقاصد کی تکمیل اسی وقت ممکن تھی کہ ایک مخصوص مقام ہو جس میں افراد قوم جمع ہو سکیں۔ اس کے لئے مساجد کی تعمیر عمل میں آئی۔ اور اسلام میں سب سے پہلے مسجد قبا کے نام سے ایک خانۂ خدا تعمیر کیا گیا۔ اس کے بعد بہت سی مسجدیں منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہوتی رہیں جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ مساجد کو اسلامی سوسائٹی میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ اسلامی تاریخ کے صفحات الٹئے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی زندگی کی تعمیر و ترقی اور مسلمانوں کے سیاسی، قومی اخلاقی اور مذہبی مسائل میں مساجد کا بہت حصہ رہا ہے۔ دورِ نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تھا تو منادی کرائی جاتی تھی الصلاۃ جامعۃ، اس آواز پر لوگ کھینچے کھینچے مساجد کی طرف چلے آتے تھے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد بھی ہر دور میں مساجد کی مرکزی حیثیت برقرار رہی اور مساجد ہی سے انقلابات و تحریکات جنم لیتی رہیں۔ چنانچہ پولٹیکل لین میں بھی مساجد نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

اگر مساجد نہ ہوتیں تو مسلمانوں کی زندگی میں نظم و نسق اور ربط و ضبط باقی نہیں رہتا۔ اور جب ان میں ارتباط باہمی اور اختلاط و اجتماع کی روح فوت ہو جائے تو وہ ترقی کی شاہراہ پر کبھی گامزن نہیں ہو سکتے۔ اس نکتہ کو ملحوظ رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مساجد کو اسلامی سوسائٹی میں کتنا بلند مقام حاصل ہے۔

نماز کیلئے وقت کا تعین مسلمانوں کے اندر عالمی سطح پر وحدتِ ملّی کا قائم کرنا تھا چنانچہ یہی مصلحت و حکمت مکان کے تعین میں بھی پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ اگر نماز کے لئے قبلہ کا تعین نہ ہوتا تو آج اتحاد صوری کا یہ جاذب نظر منظر ہمیں مساجد میں نظر نہیں آتا بلکہ ہر شخص اپنی اپنی خواہش و مرضی کے مطابق کسی ایک سمت کی طرف اپنا چہرہ پھیر لیتا۔ اور ایک ہی صف میں مختلف سمت لوگوں کے چہرے دیکھے جا سکتے تھے جسکی وجہ سے جماعت کی یکسانیت و وحدت ملی کے آبگینے ٹوٹ جاتے اور اگر اجتماعی حیثیت سے بھی قبلہ متعین ہونے لگتا تو ہر نماز کے وقت قبلہ کا تعین ایک قابل حل مسئلہ بن جاتا اور شاید ہی کثرت کسی ایک رخ پر متعین ہوتی۔ ان ہی مشکلات کا انسداد اور وحدت

صوری اتحاد ملی اور ایک مرکز اصلی کو برقرار رکھنے کے لئے بیت اللہ کو قبلہ قرار دیا گیا۔

مکی دور میں حضور بیت المقدس کی جانب اپنا چہرہ کئے ہوئے نماز ادا فرماتے تھے، جو انبیائے بنی اسرائیل کا قبلہ رہا۔ مدینہ طیبہ میں فروکش ہونے کے بعد حضور کی طبعی خواہش رہی کہ دین محمدی کے لئے خانہ کعبہ قبلہ قرار پائے تاکہ اس ملت جدیدہ کا انتساب ملت ابراہیمی سے ہو جائے، جو اس کی ایک تکمیلی صورت تھی۔ چنانچہ ہجرت کے دوسرے سال بیت عتیق کی طرف رخ کرنے کا حکم ملا۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ حضور بشر بن براء کی دعوت پر مدعو تھے۔ اسی دعوت میں نماز ظہر کا وقت آپہنچا۔ حضور نماز ظہر کی دو رکعت مکمل کر چکے تھے۔ تیسری رکعت میں بیت اللہ کی طرف منہ پھیرنے کا حکم ملا۔ حضور نے (حالت نماز ہی میں) اپنا چہرہ مسجد الحرام کی سمت پھیر لیا۔ آپ کی تقلید میں سارے صحابہ بھی بیت اللہ کی طرف مڑ گئے۔ اس کے بعد ساری مساجد میں اطلاع بھیجی گئی۔

تعین قبلہ کی بنیاد بھی ایک عظیم مقصد و مصلحت پر رکھی گئی ہے۔ قبلہ کی طرف رخ کرنے کا مفہوم ہرگز نہیں کہ مسلمان کعبہ کو اپنا معبود و مسجود تصور کرتے ہیں اور اس پتھر کو مقدس متصور کرتے ہیں اور وسیلۂ تقرب اور ذریعہ استجابت سمجھتے ہیں جیسا کہ دوسری قومیں شجر و حجر، شمس و قمر اور کواکب کو تقرب خدا کے لئے ان کی دہائی دیتے ہیں۔ اور ان چیزوں کو مسجود متصور کرتے ہیں۔

لیکن اسلام کا دامن ان مشرکانہ و کافرانہ خرافات، و واہیات خیالات و نظریات سے داغدار نہیں ہے۔ وہ تو صاف مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے اس مسئلہ کی وضاحت فرما رہا ہے۔

اینما تولوا فثم وجہ اللہ تم جس طرف بھی رخ کرو خدا کی ذات کو پاؤ گے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ سمت اور جہت کا تعین و تقرر محض ملت کے اندر نظم و نسق قائم کرنا اور افراد کے درمیان وحدت کی قوت بڑھانا اور عالمی حیثیت سے مسلمانوں کا ایک شعار اور ایک مرکز قائم کرنا ہے، ورنہ خدا کی ذات تو سمت و جہت، زمان و مکان، شکل و صورت اور رنگ وغیرہ کی قیودات سے منزہ اور بالاتر ہے۔

غرضیکہ نماز کے ہر ہر پہلو پر نظر ڈالئے۔ بیشمار حکمتیں اور مصلحتیں ملتی رہیں گی۔ ان ہی مصالح کے پیش نظر نماز کو اسلام کی روح اور دین کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ اقبال مرحوم نے تو چند ہی لفظوں میں نماز کی ایک عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا ہے :

ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

مظہرِ نور و رحمت پہ لاکھوں سلام

از نتیجۂ فکر
خادم آستانۂ اقطاب ولور
محمد عبد الجمیل نگوری

یہ کائنات، یہ شمس و قمر، یہ چرخ کبود
یہ روز و شب یہ فنا و بقا، یہ غیب و شہود

یہ سب ہیں کُن فیکُون کے کرشمہ ہائے جمیل
اُسی سے نورِ محمد ﷺ کا اوّلین وجود

ق

وہ نورِ پاک جو چمکا جبینِ آدم میں
تو کائنات ہوئی اُس کے آگے سر بسجود

نویدِ عیسیٰ مریم، دعائے ابراہیم
وہ کنزِ مخفی مولےٰ کا گوہرِ مقصود

وہ جس کی روحِ مطہر نے جسمِ نور کے ساتھ
کیا تھا عرشِ بریں کے قریں عروج و صعود

مقامِ قرب ملا جس کو قابَ قوسین کا
جہاں کہ حسن و محبت کی مل رہی تھیں حدود

وہ جس کے سیرِ فلک کی ہے یادگار نماز
رکوع و سجدہ و تسبیح اور قیام و قعود

وہ جس کا اسمِ گرامی، زبانِ عشق میں ہے
حبیب و صاحبِ خُلقِ عظیم اور محمود

حضور ساقیٔ کوثر، شفیعِ روزِ جزا
وہ جن کے صدقے ہیں کل کائنات کی ہے نمود

وہ مہرِ ختمِ رسالت، وہ رحمتِ دو جہاں
وہ جن کے نامِ مبارک سے مشکلوں کی کشود

انہی کی رُوحِ منور پہ لاکھ بار سلام
انہی کے جسدِ مبارک پہ بیشمار درود

کیا ہے اُس نے شفاعت پہ آپ کی تکیہ
جمیل عاصی کی ہو کیوں نہ عاقبت محمود

معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

از
سید قادر پاشاہ قادری
زمرۂ رابعہ
دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

"معجزہ" "عجز" سے مشتق ہے۔ چونکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جو بھی خوارق عادت ہوے ہیں، ان کے ادراک سے عقل انسانی عاجز ہے۔ اسی لئے ان کا نام معجزہ قرار پایا ــــ معجزات معیار نبوت تو نہیں مگر یہ وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام سے صادر ہوتے رہتے ہیں۔ سب سے زیادہ معجزات کا ظہور ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے ہوا ہے۔ جن سے آپ کے اعلیٰ مراتب وخصوصیات کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ لیجئے سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے چند معجزات ملاحظہ فرمائیے۔ جن کے مطالعہ سے جہاں دل ودماغ کو فرحت وراحت نصیب ہوگی۔ روح کو بھی سکون وانبساط حاصل ہوگا۔

ابوجہل کی شقاوت سے کون آشنا نہیں؟ اس کی بدبختی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایذارسانی میں اس نے کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی۔ اس کی ناقص عقل میں متعدد بار یہ بات آئی کہ اگر خلافِ عقل کسی فعل کے صدور کا مطالبہ محمدؐ سے ہو تو وہ یقیناً ناکام ہوجائیں گے اور ہم اپنے خداؤں کی بڑائی کا اعلان کھلے طور پر کرسکیں گے۔ اسی تصور کے پیش نظر ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں چند کنکریاں اپنی مٹھی میں بند کرکے حاضر ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی حد کو قائم کرنا چاہا۔ سوال کرتا ہے، اے محمدؐ! اگر تمہاری رسالت سچ ہے تو ذرا یہ بتادو کہ میری مٹھی میں کیا ہے۔ زمین سے آگے آسمان کی خبر دینے والے رسول نے اسکی ہٹ دھرمی کو نظرانداز کرتے ہوے ارشاد فرمایا اے ابوجہل کیا میں بتاؤں کہ تری مٹھی میں کیا ہے؟ یا جو چیز تری مٹھی میں ہے وہ بتادے کہ میں کون ہوں؟ چونکہ رسول کا یہ ارشاد گرامی سائل کے سوال کو بہت پیچھے چھوڑ کر اس مقام پر پہنچ چکا تھا جہاں ابوجہل کے پرواز خیال کا امکان بھی نہیں تھا۔ فوراً کہہ اٹھتا ہے کہ ہاں ٹھیک ہے۔ اس بند مٹھی کی چیز ہی بتائے کہ تم کون ہو۔ آپ نے فرمایا ہاتھ کان کے قریب کردو۔ تعمیل حکم میں کان کے قریب اپنی مٹھی کرلیتا ہے تو اس کی سماعت سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا وہ لاہوتی نغمہ ٹکراتا ہے جسکی اثرانگیزی پتھر کے جگر کو پگھلادیتی ہے۔ مگر وہ ایسا سنگدل تھا جس پر اس اعجاز کا بھی کوئی اثر نہ پڑا۔

ہم زباں رکھ کے صحیح بول نہ پائے بیکل
بے زبانوں سے نبی کلمہ پڑھالیتے ہیں

نیز اس واقعہ سے عبرت ونصیحت کا ایک اہم عنصر یہ بھی ہے کہ اعلاء کلمۃ الحق میں اپنوں اور بیگانوں کا امتیاز نہیں۔ دوست اور دشمن کی پرواہ نہیں۔ جہاں کہیں معاملہ اسلام وایمان کی سربلندی کا آئے بے جھجک اسلام کی صداقت

کا ترانہ لبوں پہ مچل جائے۔ ممکن ہے بعضوں کی عقل اس بات کو تسلیم نہ کرے کہ نظام شمس و قمر میں تغیر ہو سکتا ہے۔ یہ بات ناقابل تسلیم ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سورج اپنا سفر مکمل کر لینے کے بعد کسی کی انگلی کے اشارے پہ واپس آجائے۔ لیکن تاریخی حقائق کو آسانی سے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

طبرانی کی روایت ہے کہ غزوۂ خیبر کی واپسی پر منزلِ صہبا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عصر پڑھکر زانوئے علیؓ پہ سر ناز رکھ کر آرام فرمایا۔ ذرا رک کر سوچیئے کہ کتنے عظیم ہونگے وہ زانو جن پہ نبوت کی سب سے عظیم ہوبخی محو استراحت تھی۔ کتنے مقدس ہوں گے وہ زانو جنہیں خاتم المرسلینؐ کے سر مبارک کا تکیہ بننا نصیب ہوا۔ بہر کیف مولیٰ علیؓ اسوقت اطاعت و محبت کے دوراہے پہ کھڑے تھے۔ ایک طرف اللہ کی فرض کردہ نماز عصر جو انہوں نے ادا نہیں کی تھی قضا ہو رہی ہے۔ تو دوسری طرف محبت رسولؐ سرکار ابد قرار کی نیند کا خیال خواب گاہِ ناز میں زانو کی حرکت ٹھیک نہیں۔ بالآخر فرائض عطا کرنے والے رسول کی محبت ہی فتح پا گئی اور آفتاب غروب ہو گیا۔ جب وہ چشم کرم جو غمگساروں کے دلوں کو مرہم تسکین عطا کرتی رہتی تھی کھلی تو حضرت علیؓ نے اپنی نماز کی کیفیت سے آگاہ کیا۔ آپ نے حکم دیا اور وہی سورج جس نے اپنا چہرہ چھپا کر رات کو پھیلنے کا راستہ دیا تھا جلوہ گر ہوا اور دنیا پہ یہ ثابت کر دیا کہ جس خدا نے یہ نظام شمس و قمر قائم کیا ہے اسی خدا نے ایسے اختیارات مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کو مرحمت فرمایا کہ آپ کے اشارہ پہ آفتاب کا سمت سفر بدل سکتا ہے۔ یہ کوئی عقل سے بعید نہیں۔

تم ابھی ناپ نہ پائے کہ یہ سورج ہے کہاں
اس کو سرکار سرِ شام بلا لیتے ہیں

آپ کے معجزات میں سے ایک مشہور و معروف معجزہ شق القمر بھی ہے۔

چنانچہ ابوجہل جو آنحضرت کے سخت مخالفین اور معاندین میں سے تھا ایک مرتبہ اسکی جھنجھلاہٹ کو دیکھ کر ایک یہودی نے کہا جادو کا اثر صرف زمین ہی تک محدود ہے۔ اس لئے ان سے آسمان کی کوئی چیز طلب کرو۔ یہ مطالبہ کرو کہ چاند کے دو ٹکڑے کر دیں۔ وہ ایسا نہ کر سکیں گے۔ افسوس وہ نادان یہ نہیں جانتے تھے کہ کونین کے سرکار کے سلئے ایسا کرنا کوئی مشکل نہیں، فیض الٰہی نے انہیں اتنا نوازا جس کا احاطہ ہماری عقل سے ماورے ہے۔ لیکن ان کے دلوں پہ گمراہی کی مہر لگ چکی تھی۔ اس لئے وہ باطل پرست نگاہوں سے حق کی جستجو کیسے کر سکتے تھے، کفار ابوجہل کی بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوے اور کہنے لگے ای محمدؐ! واقعی اگر آپ خدا کے پیغمبر ہیں تو اپنی صداقتِ حقانیت کا کوئی ایسا معجزہ دکھائیں جو ہمیں یہ سمجھا دے کہ حقیقتاً آپ زمین میں خدا کے آخری نمائندہ بن کر آئے، آپ کی رسالت و نبوت برحق ہے تو ہمارے اعتبار کے لئے آپ کو چاند دو ٹکڑے کرنا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر جب چاند کی طرف اپنی انگشت مبارک سے اشارہ فرمایا تو اسی وقت حکم الٰہی سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا، مگر وہ کور باطن اتنا بڑا اعجاز بھی دیکھ کر خدا کی بندگی

کے لئے تیار نہ ہوئے۔

معجزہ شق القمر کا ہے مدینہ سے عیاں
مہ نے شق ہو کر لیا ہے دین کو آغوش میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بکریوں سے دودھ دوہا ہے جن سے دودھ کی توقع عقل کے نزدیک غیر ممکن تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں سن بلوغ کے قریب تھا اور مکہ میں عقبہ بن معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایکبار حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مشرکین مکہ کی اذیت سے تنگ آکر میرے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا کیا تم ہم کو دودھ پلاؤ گے؟ میں نے کہا میں امانت دار ہوں، آپ ہی نے تو امانت میں خیانت سے منع فرمایا ہے۔ اس پر ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تمہارے پاس ایسی بکری ہے جو اب تک بچہ نہ جنی ہو۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں ایک بکری ہے۔ یہ کہہ کر بکری کو لے آیا۔ ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے پیر پکڑ لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے تھن ملنے لگے۔ یہاں تک کہ تھن سے اتنا دودھ نکلا کہ آپ لوگوں نے اس سے سیرابی حاصل کی سیراب ہونے کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی اصلی حالت اختیار کرجا اتنا کہنا ہی تھا کہ تھن سکڑ گئے۔

آپ کی انگشت مبارک سے غالباً تیرہ مرتبہ پانی کی نہریں جاری ہوئیں۔ چنانچہ سنہ ۶ھ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ کا قصد کرتے ہوئے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے تو میدان حدیبیہ میں قیام پذیر ہوئے کثرت افراد سے پانی کی قلت ہوگئی اور پیاس کی شدت نے بارگاہ رسالت میں طلب ماء کے لئے مجبور کیا۔ اسوقت آقائے دو جہاں کا دریائے رحمت جوش میں آگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو ایک پیالہ میں ڈال دیا۔ جو کہ اس قافلہ کا پورا سرمایہ تھا۔ آپ کی مقدس انگلیوں سے پانی کی نہریں اس طرح بہنے لگیں کہ تقریباً ایکہزار پانچسو آدمی اس سے سیرابی حاصل کئے۔ لوگوں نے اس پانی سے نہایا دھویا اور وضو کیا نیز اپنے جانوروں کو بھی اس پانی سے سیراب کیا۔ اپنے تمام مشکیزے اور برتنوں کو بھر لیا۔ پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ سے اپنا ہاتھ اٹھا لیا اور پانی اپنی قدیم حالت پر لوٹ آیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے دریافت فرمایا کہ اس وقت تم لوگوں کی تعداد کتنی تھی، تو آپ نے فرمایا ہم تقریباً ایکہزار پانچسو تھے، مگر پانی کی کثرت اتنی تھی کہ لو کنا مائۃ الف لکفانا (مشکوٰۃ) اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی کافی ہوتا۔ یعنی اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو یہ پانی تمام کو کافی ہو جاتا۔ سبحان اللہ

حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے کیا خوب کہا ہے۔

انگلیاں ہیں جوش پر ٹوٹتے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنج آب رحمت کی ہیں جاری واہ وا

یوں ہی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر درخت اپنی جگہ چھوڑ کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جس کی طرف حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مشہور قصیدہ بردہ شریف میں اشارہ فرمایا ہے۔ ترجمہ

وجاءت لدعوته الاشجار ساجدة

از: محمد اللہ بخش مدٗ ویڑوی (آندھرا)
زمرۂ سادسہ
دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطبؒ ویلور

ایک ماں اپنے لختِ جگر کے لئے جو ممتا کا جذبہ رکھتی ہے دوسرے تمام اعزہ و اقربا کے دل اس کیفیت سے خالی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پہ ستر ماؤں سے کہیں زیادہ مہربان ہے۔ اسکی رحمت اپنے بندوں پر ہمیشہ مائل بکرم رہتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ سبقت رحمتی علیٰ غضبی اسکی صفتِ رحمت غضب پر غالب ہے۔ پروردگار عالم انتہائی غیظ و غضب اور جلال کے موقع پر بھی اپنے بندوں پہ رحیم و کریم ہو جاتا ہے اور صرف اس بہانے معاف کر دینا چاہتا ہے کہ اس گنہگار بندے نے زندگی کے کسی گوشہ میں کسی وقت اپنے پروردگار کے نام سے یاد کیا تھا ؎

رحمتِ حق بہا نمی جوید - رحمتِ حق بہانہ می جوید

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگو! موت آنے سے پہلے توبہ کرلو۔ یہ حکم اس لئے تھا کہ بندہ اپنے گناہوں سے شرمسار ہو کر دربار خداوندی میں معافی طلب کرے اور اس طرح پاک و صاف ہو کر اپنے رب سے جا ملے کہ اللہ کی رحمت اس کو اپنے آغوش میں لے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق توبہ کے بعد انسان اس طرح پاک و صاف ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من لزم الاستغفار جعل اللہ لہ من کل ضیق مخرج ومن کل ھم فرجا ورزقہ من حیث لا یحتسب (رواہ ابو داؤد واحمد) یعنے جس بندے نے اپنے اوپر توبہ و استغفار لازم کرلیا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہر قسم کی مصیبت اور قلت اور تنگیٔ معاش سے بچائیگا اور کل قیامت کے دن اپنے دامن رحمت میں چھپائے گا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ قحط سالی سے دوچار ہوا تمام بنی اسرائیل حیران و پریشان ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ تو خدا کے رسول و برگزیدہ بندے ہیں آپ خدا سے مینہ برسنے اور قحط سالی دور ہونے کے لئے دُعا فرمائیں تاکہ خدا کی رحمت ہماری جانب ملتفت ہو جائے اور ہماری یہ مصیبت دُور ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کل ہم تمام شہر سے دُور ایک جنگل میں پہنچکر دُعا کریں گے۔ انشاء اللہ بارش ہوگی۔ دوسرے روز ستر ہزار بنی اسرائیل کے ساتھ جنگل کی جانب روانہ ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے اس طرح دُعا مانگی اللھم اسقنا غیثك وانشر علینا رحمتك وارحمنا بالاطفال الرضیع والبھائم الرتع والشیوخ الرکع اے اللہ اپنی رحمت سے بارش برسا، اپنی رحمت کی ہوائیں چلا، الٰہی ہم پہ رحم فرما، ہمارے شیرخوار بچوں کے طفیل سے بے زبان جانوروں کے وسیلے سے

بوڑھے عابدوں کے واسطے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہت کچھ دعائیں مانگیں مگر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ آخر خدا سے موسیٰ علیہ السلام نے اسکا سبب دریافت کیا۔ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے کہ آج میری دعا رد ہو رہی ہے، پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے جواب ملا ولما اکن بد عائک شقیا اے موسیٰ تمہاری جماعت میں ایک چالیس سالہ سیاہ کار وبدکار شخص ہے اس کی نحوست نے ہماری رحمت کو روک رکھا ہے، آپ اُسے علیٰحدہ کردو تو ضرور بارش ہو جاوے گی۔ اس اطلاع کے بعد تمام جماعت میں اعلان کیا گیا کہ تم میں سے جو بھی چالیس سال کا گنہگار ہو وہ مجلس سے باہر نکل جائے۔ جب اس کے کانوں میں یہ بات پڑی تو وہ بہت شرمندہ ہوا کہ میری معصیت پر رحمت الٰہی اتر آئی۔ لوگوں سے نظریں بچا کر نکلنے کی راہ ڈھونڈی تمام راستے مسدود نظر آئے۔ اگر کسی کے لحاظ کے بغیر نکلتا ہوں تو تمام کی طنز آلود نگاہیں میرے دامن جسم کو پاش پاش کردینگی، اور اگر نہیں نکلتا تو جو مصیبت آئی ہے، وہ ٹل نہیں سکتی۔ بیچارہ پوری طرح مجبور تھا۔ آخر کار احساس جرم سے کانپتا چہرہ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور دل کو آمادہ دعا کرتا ہے کہ اے باری الٰہی ایکبار میرے دفتر عصیاں پر اپنے عفو کے قلم کو پھیر دے اور لوگوں پر سے مصیبت کو ٹال دے، میرے عرقِ انفعال کو نہ ٹھکرا، تو میرے دل کی صدا رائگاں نہ کر، تیرے در کے علاوہ کوئی اور در ہوتا تو میں وہاں اپنے گناہوں کا بوجھ لے جاتا۔ اے میرے پالن ہار! جب تیرے در کے علاوہ کوئی اور در نہیں ہے تو یہ کے پھیلے ہوئے ہاتھ واپس نہیں جائیں گے۔ اس مجرم کی صدا ابھی فضائے بسیط میں گونج ہی رہی تھی کہ آنِ واحد میں چاروں طرف سے گھنے بادل پھیل گئے۔ اور موسلادھار بارش ہوئی۔

اسی وقت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا سر سجدہ میں رکھ دیا اور خدا سے اس کا راز دریافت کیا کہ بارش کیوں ہونے لگی، جبکہ گنہگار شخص ابھی تک موجود ہے اس کے باوجود بارش کیوں ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے موسیٰ! اب تک جس کے گناہ سے بارش رکی ہوئی تھی اب اسی کی صدق توبہ کے سبب بارش ہو رہی ہے۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے عرض کیا کہ اے اللہ مجھے اس بندے کی ملاقات نصیب فرما۔ جواب ملا اے موسیٰ جبتک وہ بندہ گنہگار تھا ہم نے اس کے گناہوں پر پردہ ڈال رکھا تھا تو اب وہ بندہ توبہ کرکے پاک و صاف ہو گیا ہے اس کا پردہ کیوں کر فاش کریں۔ ہم اپنے بندوں کو منع کرتے ہیں کہ کوئی بندہ کسی بندے کے عیبوں کو فاش نہ کریں اور کسی کے پوشیدہ رازوں کو ظاہر نہ کریں تو اے موسیٰ (علیہ السلام) ہم کیسے بندے کے عیوب کو ظاہر کریں تمہاری حاجت پوری ہو چکی ہے، اپنے مقام پر چلے جاؤ، ہم نے اپنے فضل وکرم سے بارش برسائی التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ؛ سچ ہے کہ توبہ کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے اس نے گناہ ہی نہیں کیا۔ سچی توبہ کرنے والا اللہ کی جانب سے بہترین انعامات سے نوازا جائے گا۔ بخاری شریف کی ایک حدیث آئی ہے کہ اگلی امتوں میں ایک بہت بڑا گنہگار و مجرم تھا۔ اس نے ننانوے ۹۹ خون ناحق کئے تھے۔ ایکمرتبہ اس کے دل میں خوفِ الٰہی اس قدر غالب آگیا کہ وہ توبہ کا ارادہ کیا اور ایک عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر فتویٰ دریافت کیا کہ میں ننانوے جانوں کا قاتل ہوں کہ اب بھی میری توبہ قبول ہو گی۔ اتفاق سے یہ عالم نیم حکیم تھے۔ مثل مشہور ہے کہ نیم حکیم خطرۂ جاں، نیم ملا خطرۂ ایماں۔

انہوں نے گرجتے ہوئے کہا کہ اے ظالم چل یہاں سے
تیری توبہ ہرگز قبول ہی نہیں ہو سکتی۔ یہ بات سُن کر قاتل نے
دل ہی دل میں سوچا کہ خیر جب میری توبہ قبول ہی نہیں
ہو سکتی تو کیوں یہ ۱۰۰ کا عدد مکمل نہ کر دیا جائے۔ یہ سوچ کر
تلوار کے ایک ہی وار سے نیم ملا کا سر خاک و خون میں تڑپنے
لگا۔ پھر اس کے بعد ضمیر مطمئن نہ ہوا اور رہ رہ کر احساس جرم
سے کھیلتا رہتا تھا۔ بالآخر پھر ایک عالم کامل کے در پر حاضر ہوا
اور اپنے مدعا کا اظہار کیا۔ اس عالم ربانی نے جواب دیا نادان
تو کیوں گھبراتا ہے اللہ بڑا ہی رحیم و کریم و تواب ہے
تو خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو اللہ تیرے تمام گناہوں
کو بخش دیگا۔ اے گنہگار مسلمان کیا تجھے خبر نہیں کہ خدا کی
رحمت روزانہ پکارتی ہے ؎

باز آ از آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ ناامیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

یعنی اے گنہگار بندے تیرا دامن چاہے کتنے ہی
ہمگناہ سے آلودہ کیوں نہ ہو تو توبہ کر اور باز آجا۔ اس
عظیم نافرمانی کے باوجود وہ اتنا بڑا کریم ہے کہ تجھے اپنے
کرم و بخشش کے دامن میں ڈھانک لیگا۔ خدا کا یہ در ناامیدی
کا در نہیں ہے اگرچہ کہ تو سو بار بھی توبہ شکنی کی ہے۔ قاتل یہ
خوشخبری سن کر مچل گیا۔ اور جوشِ مسرت سے اس کے آنسو نکل
پڑے۔ پھر اس عالم کامل نے حکم دیا کہ تم بیت المقدس چلے
جاؤ اور وہاں کے عابدوں کے دستِ حق پر توبہ کرو اور
ان کی صحبت اختیار کرو۔ چونکہ وہ لوگ نہایت متقی و پرہیزگار
ہیں جس کا تم پہ ضرور اثر ہوگا اور تم نیکیوں کی طرف مائل
ہو جاؤگے۔ تمہارا شمار اللہ کے نیک و محبوب بندوں میں ہوگا۔
قاتل یہ بات سن کر فوراً ہی بیت المقدس کی جانب چل پڑا۔
اسکی عمر کے آخری لمحات تھے کہ راستے ہی میں فرشتہ اجل نے
آدبوچا۔ جب وہ گرنے لگا تو جذبۂ شوق میں بیت المقدس
کی جانب اپنا رخ کر لیتا ہے تاکہ کچھ اور حصہ بیت المقدس کی
جانب بڑھ جائے۔ چنانچہ جوں ہی اس کا دم نکلا تو فوراً عذاب
کے فرشتے آئے اور کہنے لگے کہ یہ ۱۰۰ خونِ ناحق کیا ہے۔ لہذا
ہم اس کو سزا دیں گے۔ دوسری جانب سے رحمت کے فرشتے آئے اور
کہنے لگے کہ خبردار یہ توبہ کر کے پاک و صاف ہو چکا ہے۔ اس لئے
یہ مستحق ثواب ہے نہ کہ لائق عذاب۔ اب تو اس کے لئے جنت
کے کیف آور جھونکے ہیں نہ کہ جہنم کے جاں سوز شعلوں کی لپیٹ
دونوں جانب سے فرشتے اس معاملہ میں الجھ رہے تھے، کہ
اچانک ایک فرشتہ آموجود ہوا اور اس نے فیصلہ کیا کہ اس کے
گھر سے یہاں تک زمین کی پیمائش کی جائے اور یہاں سے
بیت المقدس کو بھی ناپ لیا جائے۔ اگر اس نے اپنے گھر سے
زیادہ حصہ طے کیا ہے تو رحمت کے فرشتوں کا دعویٰ حق ہے
اور اگر بیت المقدس کا زیادہ ہو تو عذاب کے فرشتے حق پر ہیں
چنانچہ پیمائش شروع کی گئی تو جسم کا آدھا حصہ گھر اور
بیت المقدس کے بیچوں بیچ تھا اور سر کا حصہ بیت المقدس کی
جانب زیادہ تھا۔ لہٰذا یہ رحمت کے فرشتوں کے حوالے ہو گیا۔
اور رحمت خداوندی نے اس کو اپنے عفو و غفران سے سرفراز
فرما دیا۔ سچی توبہ بڑی ہی انمول چیز ہے۔ دنیا میں ایسے

ایسے مجرم بھی رہے جو کہ برسوں گناہ کرتے رہے مگر صدق دل سے توبہ کے ساتھ ہی ولی اور صاحب کرامت بن گئے۔ وہ نیک اور صالح ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک شرابی رہتا تھا جو شراب بھی پیتا تھا اور شراب کا دھندا بھی کرتا تھا۔ ایک روز تمام شہر والے سورج کی گرمی سے پریشان ہو کر اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ شرابی بغل میں شراب کی بوتل چھپائے نکل پڑا۔ جوں ہی سڑک پر پہنچا کیا دیکھتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہاتھ میں دُرّہ لئے چلے آرہے ہیں۔ شرابی کی نظر جوں ہی حضرت عمرؓ پر پڑی تو شرابی سہم گیا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دُرّوں میں بنو امیہ کی ننگی تلواروں سے زیادہ وحشت تھی اس لئے خدا سے دعا کرنے لگا کہ اے ارحم الراحمین یہ میری سچی توبہ ہے کہ آج سے نہ میں شراب پیوں گا اور نہ شراب کی فروخت کروں گا۔ مجھے حضرت عمرؓ کے دُرّوں سے بچا لے۔ دُعا ختم بھی نہیں کیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے قریب پہنچ گئے اور اس کی پریشانی کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ ضرور کچھ نہ کچھ دال میں کالا ہے۔ آپ نے اس شرابی سے کہا کہ کمبل اُتار جبہ نکال، اس شرابی نے ڈرتے کانپتے کمبل اتارا، جبہ نکالا، پھر آپ نے پوچھا کہ بغل میں کیا ہے۔ اس نے کہا کہ حضور دُودھ کی بوتل ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا اگر واقعی دُودھ ہے تو اس قدر پریشانی کیوں؟ اور اس کو اس طرح چھپانے کی کیا ضرورت؟ آخر بوتل نکال کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جھکایا تو واقعی اس میں دُودھ موجود تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس معاملہ سے متعجب ہوئے۔ اور مراقبہ فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق عمر رضی اللہ عنہ کو الہام ربّانی ہوتا ہے، جوں ہی مراقبہ فرمایا فوراً الہام ربّانی ہوا۔ ؎

بندۂ مارا رسوا مکن اے عمر
پردہ اش بردار و رازش را مدر

اے عمر تم میرے بندے کو رُسوا مت کرو اور اس کے راز کو فاش نہ کرو۔

نام دارم اے عمر من ذوالمنن
از دعا کردم خمر شیریں لبن

اے عمر! تم میرے بندے کو رسوا مت کرو اور اس کے راز کو فاش نہ کرو۔ کیونکہ میرے ناموں میں سے ایک نام منّان بھی ہے کہ میں اپنے بندوں پر احسان بھی کرتا ہوں۔ یہ خالص شراب کی بوتل تھی لیکن میں نے اپنے بندے کی مخلص دُعا کے سبب اس کو شیریں دُودھ سے بدل دیا ہے۔ امیر المومنین نے شرابی کو بوتل دے دی اور خداوند قدوس کی ستاری وغفاری پر سبحان اللہ کہتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ آدمی کی سچی توبہ کبھی بھی بارگاہِ الٰہی سے رد نہیں کی جاتی۔ ایک شرابی جو ہمیشہ شراب بھی پیتا تھا اور اس کی تجارت بھی کرتا تھا سچی توبہ نے اُسے صاحبِ فضیلت بنا دیا۔ خالص شراب اس کی دعا سے خالص دودھ بن گیا۔

حضرت ماعز ابن مالک رضی اللہ عنہ پر زنا کے جرم میں حد جاری کی گئی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایک پتھر لیکر ان کے سر پہ مارا اور خون کا چھینٹا ان کے کپڑوں پہ اُڑا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ماعز ابن مالک رضی اللہ عنہ کو گالی دی۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب ان الفاظ کو سُنا تو فوراً ارشاد

فرمایا کہ اے خالد! ماعز ابن مالک (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) توبہ کر چکے ہیں لقد تاب توبۃً ولو قسمت بین امۃٍ لوسعتھم یعنی ماعز بن مالک نے تو ایسی توبہ کی ہے کہ اگر یہ توبہ میری تمام امت میں تقسیم کر دی جائے تو تمام امت کے لئے کافی ہوگی۔ یہ تھی توبہ کی برکت کہ انسان بار بار گناہ کا مرتکب ہونے کے باوجود جب سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو خداوند قدوس اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے اور اس گنہگار بندے کو اسطرح پاک وصاف کر دیتا ہے جیسے کہ وہ ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

شہر بسطام میں ایک طوائف بڑی ہی حسین وجمیل تھی۔ شہر کے نوجوان ہمیشہ اس کے دربان بن کر رہتے تھے۔ ہر دن اس کے مکان پر حاضری دینا ہر نوجوان کا معمول بن گیا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر شہر کے بڑے بوڑھے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے دولت کدے پر پہنچے اور اس طائفہ کا حال اور نوجوانوں کی بدچلنی کا تذکرہ بھی کیا۔ اس پر آپ نے بہت افسوس کیا۔ دوسرے روز سر شام ہی اس طائفہ کے مکان پر پہنچ گئے۔ اس کے بعد جو بھی اس طائفہ کے مکان پر آتا حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر اس طرح گذر جاتا کہ گویا مسجد جا رہا ہے۔ پھر اس کے بعد جب رات ہوگئی تو حضرت بایزیدؒ نے اس طائفہ سے کہا تیری ایک رات کی جتنی اجرت ہے مجھ سے لے لے۔ طائفہ نے پوری اجرت لے لیا پھر اس کے بعد کہنے لگی کہ میں آج تمام رات کے لئے آپ کے ہاتھ پر بک چکی ہوں۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے کہا کہ اچھا وضو کر لے اور نماز کے لئے کھڑی ہو جا۔ طائفہ وضو کر کے مصلے پر نماز کی نیت باندھ کر کھڑی ہوگئی اور بایزیدؒ بھی نماز کے لئے کھڑے ہوگئے اور سجدے میں اپنے سر کو رکھ کر خدا سے یوں دعا کی:۔

آنچہ کارم بود من کردمش
کز زناسوئے نماز آوردمش

اے خدا جو میرا کام تھا اس کو میں نے پورا کیا۔ تیری بندی کو زنا کی لعنت سے نکال کر نماز میں لگا دیا ہے

بر درت آوردہ ام اورا اے خدا
قلب ہا قلب طفیل مصطفےٰؐ

اے خدا تیرے در پہ لاکر میں نے اس کو کھڑا کر دیا، تو مقلب القلوب ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں بدی سے نیکی کی طرف پھیر دے۔ حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ نے گڑگڑا کر دعا مانگی کہ اے الٰہی اگر یہ تیری بندی صبح تک زنا سے تائب نہ ہوگی تو تیرے بندے مجھ پہ طعنہ دیں گے، اے میرے معبود تو میری لاج رکھ لے۔ ان الفاظ کا زبان سے نکلنا ہی تھا کہ طوائف کی دنیا بدل گئی۔ طوائف نے دو رکعت نماز پوری کی۔ اچانک اس کے قلب میں ایسا انقلاب آیا کہ آپ کے دست حق پرست پہ توبہ کر کے مرید ہوگئی اور پھر نماز میں اس کو اتنی لذت محسوس ہوی کہ تمام رات نماز میں مصروف رہی۔ صبح ہوتے ہی بایزید بسطامیؒ اپنے مکان روانہ ہوگئے مگر طوائف اب وہ طوائف نہ تھی۔ جب بھی اس کے در پہ کوئی گاہک بن کر آیا، تو اس نے یہ کہکر واپس کر دیا کہ میں بایزید کے دست حق پہ بک چکی ہوں اب مجھے کوئی خرید نہیں سکتا۔ سچی توبہ کرتے ہی کل کی طائفہ آج کی صالحہ بن چکی تھی ساری عمر عبادت میں گذار دی اور صاحب کرامت بن گئی یہ تھی توبہ کا ثمرہ یہی وہ توبہ ہے جس کے متعلق قرآن میں آیا ہے۔ یاایھا الذین اٰمنوا توبوا الی اللہ توبۃ النصوحا

اَلَآ اِنَّ اَولِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوفٌ عَلَیہِم وَلَاھُم یَحزَنُونَ

نائبِ مصطفیٰ وربِ کشور

حضور غریب نواز

علیہ الرحمۃ اللہ تعالیٰ

فخرِ پیغمبراں معین الدین

از: سید نذیر محی الدین نندلوری
زمرۂ خامسہ
دارالعلوم لطیفیہ مکانِ
حضرت قطب ویلور۔

اولیاءِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خداترسی، رواداری اور انسانیت نوازی، ہے کہ ہر مذہب وملت کا ماننے والا ان کا شیدا اور گرویدہ ہوجاتا ہے اور ان سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ ان کی پاکیزہ زندگی آئینہ کی طرح اس پہ عیاں ہونے لگتی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں مذہب اسلام سے لگاؤ اور محبت ہونے لگتی ہے اور وہ بلاجھجک آغوش اسلام میں چلا آتا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خداترسی، رواداری اور انسانیت نوازی نے برصغیر کے لوگوں کو بہت ہی متاثر کیا جس کی وجہ سے لوگ وارفتگی کے عالم میں حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ آج بھی آپ کے مقدس آستانہ پہ ہر مذہب وملت کے لوگ آتے ہیں اور بھرپور عقیدت پیش کرتے ہیں اور اپنی من مانی مرادیں پاکر مست وسرشار ہوجاتے ہیں۔ ●●

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت مستند روایت کے مطابق ۱۴ رجب المرجب ۵۳۷ھ کو قصبہ سنجر سیستان میں ہوی۔

حضرت غریب نوازؒ کے والدِ بزرگوار کا سلسلۂ نسب تیرہ واسطوں سے حضرت سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہٗ سے ملتا ہے اور آپکی والدۂ محترمہ کا سلسلہ بھی بارہ واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہٗ سے ملتا ہے۔ سیر الاقطاب میں ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہٗ کے والدِ بزرگوار اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے نانا یعنی حضرت بی بی ماہ نور کے والد دونوں سگے حقیقی بھائی ہیں۔ لہٰذا حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی والدہ محترمہ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہٗ کی چچازاد بہن اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ آپ کے بھتیجے ہوتے ہیں۔ آپ کے والدِ ماجد کا پورا نام خواجہ غیاث الدین حسن اور والدۂ محترمہ کا اسم گرامی بی بی ماہ نور تھا۔ آپ کے والدِ بزرگوار اپنے دور کے نہ صرف جیّد عالم تھے بلکہ ایک ولی کامل بھی تھے، آپ کی والدۂ محترمہ زاہدہ وپارسا تھیں۔ ہمیشہ یادِ الٰہی میں مشغول رہتی تھیں۔

ابتدائی تعلیم آپ نے والدہ ماجدہ سے حاصل کی۔ ابھی آپ عہدِ طفولیت سے گذر رہے تھے کہ ملک میں بدامنی پھیل گئی۔ حکومت میں انتشار آگیا۔ ہر جگہ فتنہ وفساد، ظلم وستم، سفاکی وخوں ریزی کی وبا عام ہوگئی۔ آپ کے والدِ محترم خواجہ غیاث الدین نے ان مصیبتوں سے چھٹکارا پانے کیلئے اہل وعیال کو لے کر سفر کا ارادہ کیا اور سیدھے خراسان پہنچے۔ اسوقت خراسان کا صدر مقام نیشاپور تھا۔ یہیں آپ نے زندگی گذارنے کا تہیہ کرلیا اپنے ذریعۂ معاش کے لئے پن چکی اور باغات خریدے۔ یہاں

کچھ عرصہ کے بعد آپ کے والد کا انتقال ہوگیا۔ اس کے
کچھ دنوں بعد والدہ ماجدہ کا بھی سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ گیا۔
جس کا آپ کو بے حد صدمہ ہوا۔ آپ یتیم ہوگئے۔ ترکہ میں آپ کو
انگوروں کا ایک باغ اور ایک پن چکی ملی، جس سے آپ اپنی
زندگی بسر کرتے تھے ـــــ شب و روز باغ کی نگرانی کرتے
پن چکی کی دیکھ بھال کرتے۔ جو وقت بچتا اس میں عبادتِ الٰہی
اور مطالعہ فرماتے۔ آپ کی عمر ابھی پندرہ سال کی تھی کہ ایک دن ایک
مجذوب حضرت شیخ ابراہیم قندوزی رحمۃ اللہ علیہ گھومتے
ہوئے آپ کے باغ میں تشریف لائے۔ آپ حسبِ معمول درختوں
کو پانی دے رہے تھے۔ جب آپ کی نظر حضرت ابراہیم علیہ الرحمہ
پر پڑی تو اپنا کام چھوڑ کر آپ کی خاطر و مدارات کے لئے
آپ کو ایک ٹھنڈے مقام سایہ دار درخت کے نیچے بٹھایا، اور
ایک بہترین انگور کا خوشہ آپ کی خدمت میں پیش کیا اور
بڑے مؤدبانہ انداز میں آپ کے روبرو دوزانو ہوکر بیٹھ گئے۔
حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کے تمام حرکات کو حضرت
ابراہیم علیہ الرحمہ ملاحظہ فرما رہے تھے اور دل ہی دل میں مسکراتے
رہے کہ یہ لڑکا کتنا اچھا مؤدب و حسن خلق کا مالک ہے اور انہوں
نے کشف سے پہچان لیا کہ یہ لڑکا راہِ حق کا متلاشی ہے۔ حضرت
نے کھلی کا ایک ٹکڑا چبا کر خواجہ غریب نواز کے منہ میں ڈال
دیا۔ بظاہر وہ کھلی کا ٹکڑا تھا لیکن حقیقت میں وہ شرابِ معرفت
کا ایک پُرکیف جام تھا جس کے پیتے ہی خودی کے تمام پردے
ہٹ گئے۔ اور آنکھوں میں نور ہی نور چھا گیا اور آپ جام نور
سے مخمور ہوگئے تھے۔ ہوش آیا تو ساقی کو تلاش کرنے لگے۔
ساقی اٹھ چکا تھا۔ عشق کی چنگاری بھڑک اٹھی تھی۔ دل
بے قرار ہونے لگا۔ صبر کرنا محال تھا۔ دنیوی کاروبار سے
طبیعت اُکتا گئی۔ آپ نے کل اثاثہ جو ورثہ میں ملا تھا خدا کی
راہ میں خرچ کر دیا اور وطنِ عزیز کو خیرباد کہتے ہوئے تحصیل
علوم و فنون کے لئے سمرقند و بخارا کی طرف روانہ ہوئے۔ بخارا
کے علماء و فضلاء سے فیضیاب ہوتے رہے۔ تقریباً چوبیس سال
کی عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد عراق روانہ ہوئے۔ قصبۂ
سنجان پہنچ کر حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ سے ملاقات کی، اور
پندرہ دن آپ کے یہاں مقیم رہے۔ سنجان سے بغداد تشریف لائے
ان دنوں حضرت غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قصبۂ جبل میں
تشریف فرما تھے۔ حضرت غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت
سے مشرف ہوئے، روحانی فیض حاصل کیا۔ اس دوران آپ نے
بہت سے اولیاء کرام سے اکتسابِ فیض کیا۔ آپ کی عمر ستائیس سال
ہوگئی تھی۔ اسی تلاش میں قصبۂ ہارون پہنچے۔ وہاں حضرت شیخ
عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی جو قطبِ وقت
تھے۔ آپ کی بزرگی کا یہ عالم تھا کہ دُور دراز سے لوگ جوق در
جوق حاضر ہوکر اکتسابِ فیض کرتے تھے۔ پہلی ملاقات ہی میں
حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو مریدین کے حلقہ میں شامل
کرلیا۔ آپ سے سورۂ بقر تلاوت کرائی۔ اکیس مرتبہ درود شریف
پڑھنے کے لئے کہا۔ جب آپ درود شریف پڑھ چکے تو مرشد نے
فرمایا، اے معین الدین میں نے تم کو خداوندِ عالم تک پہنچا دیا۔ اور
تمہیں اللہ کا محبوب بندہ بنا دیا۔ پھر آپ کو خلافت سے مشرف
کیا۔ خرقہ اور کلیم عنایت کی۔ دیگر تبرکات سے نوازا۔ نیز درویشی
کے اصولوں پر کاربند رہنے کا عہد لیا۔ آپ کو پیر و مرشد
سے والہانہ عشق تھا۔ بیس سال تک آپ کی خدمت میں رہے۔

آپ کے ساتھ کئی مرتبہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے،
ایکدن آپ دونوں حضرات کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ طواف
کعبہ سے فراغت کے بعد حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ
علیہ اپنے مرید و خلیفہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کا ہاتھ
پکڑ کر دعا مانگی "یا اللہ اس بندہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما"۔ اسی
وقت غیب سے ندا آئی "ہم نے معین الدین کو اپنا دوست اور برگزیدہ
بنالیا ہے"۔ جب آپ پیر و مرشد سے رخصت ہونے لگے تو آپ
کا قلب انوار الٰہی سے معمور تھا۔ قصبۂ ہارون سے اپنے وطن
سنجر آئے اور عبادت الٰہی میں مشغول رہنے لگے۔

روایت ہے کہ جس زمانہ میں آپ خراسان کی پہاڑی پر
چلہ کش تھے ایکمرتبہ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ نے درمیان وعظ
میں فرمایا کہ میرا قدم تمام اولیاء اللہ کے کاندھوں پر ہے۔ جیسے
ہی خواجہ غریب نواز رح کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فوراً فرمایا میرے
شانوں پر تو کیا میرے سر پر ہے یہ کہتے ہوئے آپ اتنا جھک گئے
کہ جبین مبارک زمین سے مس ہونے کے قریب ہوگئی تھی۔ ادھر جب
حضور غوثیت مآب نے اس کا مشاہدہ کیا تو اسی وقت اس واقعہ
کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ عنقریب معین الدین سلطان الہند
ہو کر ہندوستان جائیں گے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد روضۂ نبوی
صلی اللہ علیہ وسلم کے زیارت کی خواہش ہوی۔ مدینہ منورہ پہنچے
اور کئی سال تک روضۂ مبارک کے قریب عبادتِ الٰہی میں ،
مشغول رہے۔

ایکدن حسب معمول عبادت الٰہی میں مشغول تھے، کہ
روضۂ مقدسہ سے آواز آئی :۔

"معین الدین ہم نے تمہیں دین اسلام کا معین
بنایا ہے تمہیں ہندستان کی ولایت دی گئی ہے
اجمیر جاؤ اور وہاں کفر کی تاریکی کو ایمان کی
روشنی سے بدل دو ـــــ"

اس بشارت سے آپ بہت خوش ہوئے اور بارگاہ الٰہی
میں سجدۂ شکر ادا کیا۔ مگر آپ کو اجمیر کہاں ہے معلوم نہ تھا۔ اس لئے
بے چین تھے۔ اسی عالم میں آپ کی آنکھ لگ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو
خواب میں تمام عالم کا مشاہدہ کرایا۔ مشرق سے مغرب تک کی سیر کرادی،
جب آپ خواب سے بیدار ہوئے تو آپ پر تمام راستوں کا انکشاف
کیا گیا تھا ـــــ حسب ارشاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ
ہندوستان کیلئے روانہ ہوئے۔ مدینہ سے فلسطین و شام ہوتے ہوئے
بغداد تشریف لائے۔ وہاں پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی رح سے
ملاقات ہوی۔ پیر و مرشد کو ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلع
کیا جسے سن کر شیخ مسکرانے لگے۔ ۲۸ دن تک آپ پیر و مرشد سے
استفادہ کرتے رہے اور آپ کے ارشادات گرامی کو قلمبند کر لیا۔ اسی
طرح اٹھائیس دن میں اٹھائیس باب کا رسالہ مرتب ہو گیا جو انیس الارواح
کے نام سے موسوم ہے۔ آخری دن حضرت شیخ نے خواجہ صاحب کو
عصائے مبارک، مصلیٰ، خرقہ خاص عطا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، کہ
یہ میرے بزرگوں کی یادگار ہے، اب تم جس کو اس کا اہل سمجھیو اس کو
دیں۔ آپ کو دینی و دنیوی نعمتوں سے سرفراز کرکے رخصت کیا۔ اس
وقت آپ کی عمر شریف ۵۲ سال کی تھی۔ آپ نے جیلان میں حضرت
پیران پیر غوث الاعظم دستگیر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ اس
وقت حضور غوث پاک نے آپ کو ضیافت پر مدعو کیا تھا۔ بغداد سے
روانہ ہو کر بلخ، بدخشاں، ہرات اور سبزوار تشریف لے گئے سبزوار
ہوتے ہوئے غزنی پہنچے۔ وہاں سے چالیس اولیاء کی جماعت کے ساتھ

ہندوستان کے سرحدی علاقہ پنجاب میں جلوہ افروز ہوئے۔ دریائے راوی کے اس پار پنجاب کا دارالسلطنت لاہور نامی شہر آباد تھا۔ لاہور میں حضرت علی بن عثمان الہجویری (داتا گنج رحمۃ اللہ علیہ) کے مزار پرُ انوار پر آئے اور چلہ کشی کیا۔ روحانی فیوضات و برکات حاصل کیا۔ حضرت خواجہ غریب نواز یہاں سے سمانہ علاقۂ پٹیالہ میں داخل ہوئے۔ وہاں سے دہلی آئے جہاں کچھ دن قیام کرنے کے بعد، محرم الحرام ۵۶۱ھ کو اجمیر شریف پہنچے۔ آپ کی تشریف آوری سے ۱۲ سال پہلے ہی راجہ پرتھوی راج کی ماں نے جو علم نجوم کی بڑی ماہر تھی اپنے بیٹے کو آگاہ کر دیا کہ یہاں ایک درویش اپنی جماعت کے ساتھ آئے گا اس کے ہاتھوں تیری سلطنت کا خاتمہ ہوگا۔ لہٰذا جب پرتھوی راج کو معلوم ہوا کہ فلاں مقام پر اس حلیہ کے ایک درویش آئے ہیں تو اس نے حکم دیا کہ انہیں فوراً وہاں سے اٹھا دو، بیٹھنے نہ دو۔ آپ آبادی سے دُور ایک سایہ دار درخت کے نیچے رونق افروز ہوئے۔ جس جگہ آپ نے قیام فرمانے کا ارادہ کیا وہ راجہ کے اونٹ بیٹھنے کی جگہ تھی۔ آپ اپنے رفقاء کے ساتھ سامان سفر اُتار ہی رہے تھے کہ ملازموں نے یہ کہتے ہوئے روکا کہ یہاں راجہ کے اونٹ باندھے جاتے ہیں۔ لہٰذا آپ کسی اور جگہ قیام فرمائیں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ اگر اونٹ باندھنے کی جگہ ہے تو وہ یہیں بیٹھے رہیں گے۔ وہاں سے آپ انا ساگر تالاب کی پہاڑی پر تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے آگے چل کر چلہ کیا تھا۔ حسب معمول اونٹ آئے۔ جب صبح ہوی تو اونٹ نہ اٹھے۔ ہر چند کوشش کی گئی لیکن ناکام ثابت ہوی۔

یہ خبر جب راجہ کو پہنچی تو وہ پریشان ہوگیا۔ بعض نے یہ مشورہ دیا کہ ان کے آگے عجز و انکساری کے ساتھ درخواست پیش کی جائے تو بہتر ہوگا۔ ساربان نے آپ کے قدموں پر سر رکھ کر معافی مانگی جواب میں آپ نے فرمایا جا تیرے اونٹ کھڑے ہوگئے۔ جب ساربان واپس آکر دیکھا تو اونٹ کھڑے ہوئے تھے، یہ منظر دیکھ کر حیران ہوگیا۔

پرتھوی راج نے آپ سے مقابلہ کرنے کے لئے ہندستان کے ایک زبردست جادوگر جے پال جوگی کا انتخاب کیا جو آپ سے مقابلہ کے لئے آمادہ ہوگیا اور اپنے تمام شاگردوں کے ساتھ آپ کے مدمقابل پہاڑ کی چوٹی سے جادو کرنا شروع کیا، وہ آپ کو نقصان پہنچانے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ آپ نے تمام رفقا کے اردگرد ایک حصار کھینچ دیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ محفوظ تھے۔ اس کے جادو کا کچھ بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ جے پال جوگی اپنے جادو کی ناکامی پر دل ہی دل میں نادم و شرمندہ ہو رہا تھا۔ اس نے صورتِ حال سے اندازہ لگالیا کہ کچھ بس نہ چلے گا، لہٰذا وہ ہرن کی کھال پر بیٹھ کر فضا میں پرواز کرتے ہوئے آپ کی نظروں سے غائب ہوگیا۔ آپ نے اپنے کھڑاؤں کو حکم دیا کہ اس کو مار کر نیچے لے آئیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد کھڑاؤں کی مار پیٹ سے نیچے اترا اور خواجہ غریب نواز کے قدموں پر گر پڑا اور معافی مانگنے لگا۔ آپ نے ایک پیالہ پانی سے بھرا ہوا اس کو دیا اور حکم دیا کہ پی جاؤ۔ حکم کی تعمیل میں فوراً پی گیا جس کی وجہ سے اس کے قلب سے کفر کی ظلمت دُور ہونے لگی اور وہ مشرف باسلام ہوگیا۔ یہ خبر ملتے ہی پرتھوی راج بھڑک اٹھا۔ اس کی مخالفت میں شدت آگئی۔ مسلمانوں پر بے حد

ظلم وتشدد کرنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے حضرت خواجہ غریب
نواز علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ بادشاہ
ہم پہ مظالم ڈھا رہا ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ نے پرتھوی راج
کے نام اسلام کا دعوت نامہ روانہ کیا کہ :۔

"اے سنگدل راجہ تیرا اعتقاد جن لوگوں پہ تھا وہ
خدائے تعالیٰ کے حکم سے مسلمان ہوگئے ہیں، اگر اپنی بہبودی
چاہتا ہے تو بھی مسلمان ہوجا، ورنہ ذلیل وخوار ہوجائیگا۔"

پرتھوی راج پہ خط کا کوئی اثر نہ ہوا۔ قاصد نے
واپس آکر صورتحال کی خبر دی۔ حضور غریب نواز علیہ الرحمہ نے
مراقبہ کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ : اگر یہ بدبخت خدا پہ ایمان
نہ لایا تو اسے زندہ گرفتار کرکے اسلامی لشکر کے حوالے کر
دوں گا۔ پرتھوی راج آپ کو اجمیر سے نکالنے کی کوشش
میں تھا لیکن اس کی کوشش ناکام ہو رہی تھی۔ اس نے
سپاہیوں کے ایک دستے سے ان کے رفقا کو گرفتار کرنے کے
لئے کہا۔ آخر کار آپ کے رفقاء کو گرفتار کرلیا گیا۔ آپ کو شہر
سے نکل جانے کا حکم دیا گیا۔ حضور غریب نواز علیہ الرحمہ کو
اپنے رفقاء کے مقید ہونے کی وجہ سے بہت رنج ہوا۔

ادھر پرتھوی راج کو قاصد نے سلطان شہاب الدین غوری
کا خط دیا جس کے مضمون سے معلوم ہوا کہ شہاب الدین پھر دوبارہ
ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا ہے۔ خط پڑھنے کے بعد
پرتھوی راج نے تمام راجاؤں کو جنگ کی تیاری میں ہمہ تن
مصروف ہوگیا۔ ادھر حضرت خواجہ غریب نوازؒ سلطان شہاب
الدین کو بشارت دی کہ تجھ کو ہندوستان کا بادشاہ بنا دیا گیا
ہندوستان تیرے قبضے میں کیا جائیگا۔ خواب سے بیدار ہوکر بادشاہ
علماء وفضلاء سے تعبیر دریافت فرمائی تو معلوم ہوا کہ بہت بڑی
خوشخبری ہے۔ اس کے حصہ میں ہندوستان آرہا ہے۔ لہٰذا بادشاہ
خوشی سے سرشار ہوگیا۔ تمام سپاہیوں کو تیاری کا حکم نافذ
کیا ـــ پرتھوی راج اور سلطان شہاب الدین غوری کے
درمیان گھمسان کی جنگ چھڑ گئی۔ پرتھوی راج اپنی کثیر تعداد
پہ نازاں تھا اور اسلامی لشکر کی کم تعداد پہ خوش ہو رہا تھا،
جنگ تیزی سے ہو رہی تھی، مسلمان راجپوتوں پہ غالب نظر آرہے
تھے۔ ان میں سے چند سردار بھاگ نکلے۔ پرتھوی راج کو گرفتار
کرلیا گیا اور قتل بھی کردیا گیا۔ اس طرح حضور غریب نوازؒ کا دشمن
ہمیشہ کے لئے جہنم رسید ہوگیا۔

سلطان شہاب الدین غوری نے مزید علاقوں کو
فتح کرتے ہوئے براہ کیکڑی اجمیر آئے۔ کاشانۂ خواجہ میں حاضری
دی۔ اس وقت نماز باجماعت ہو رہی تھی۔ خواجہ غریب نوازؒ امامت
فرمارہے تھے۔ سلام پھیرنا ہی تھا کہ سلطان شہاب الدین غوری کو
محسوس ہوا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے مجھے فتح کی بشارت
دی تھی۔ فوراً نماز کے بعد آپ کی قدم بوسی کرنا چاہا۔ حضور غریب
نواز علیہ الرحمہ سلطان کو سینے سے لگالیا اور اپنے حلقۂ ارادت
میں شامل فرمالیا۔ اس وقت سلطان کا عجیب عالم تھا۔ فرط
عقیدت ومحبت سے آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ دنیا کا
بادشاہ دین ودنیا کے بادشاہ کے دربار میں حاضر تھا اور آپ
کی خدمت میں حاضر ہونے پر فخر محسوس کر رہا تھا۔

ازدواج واولاد

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ
فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت خواجہ

غریب نوازؒ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے احکام الٰہی کی بجا آوری میں پوری کوشش کی۔ کیا وجہ ہے کہ تم نے میری سنت پر عمل نہیں کیا۔ اس خواب کے بعد حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے یکے بعد دیگرے دو نکاح کئے۔

آپ کا پہلا نکاح حضرت سید وجیہہ الدینؒ کی صاحبزادی بی بی عصمت اللہ سے ہوا۔ جن کے بطن مبارک سے تین صاحبزادے خواجہ فخر الدین۔ خواجہ حسام الدین۔ اور خواجہ ضیاء الدین ابوسعید پیدا ہوئے۔ دوسرا نکاح بی بی امۃ اللہ سے ہوا۔ یہ ایک راجہ کی دختر تھیں جو بخوشی مسلمان ہو گئی تھیں۔ آپ کے بطن مبارک سے بی بی حافظہ جمال پیدا ہوئیں جو ایک زبردست متقی پارسا عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ انہوں نے والد بزرگوار حضرت خواجہ غریب نواز کے دستِ مبارک پر بیعت کیا، اور خلافت سے بھی مشرف ہوئیں۔ آپ کا مزارِ مقدس سرکار حضور غریب نوازؒ کے مزار مقدس سے متصل ہے۔

وصال

مورخہ ۶ر رجب المرجب ۶۲۷ھ بروز دوشنبہ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ نے حسب معمول نماز عشا ادا فرمائی۔ آپ اطمینان و سکون کے ساتھ حجرۂ شریف کے اندر تشریف لے گئے اور دروازہ اندر سے بند فرما لیا۔ اور ذکر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔ نصف شب تک آپ کے حجرۂ مبارک سے تسبیح و تہلیل کی مقدس آوازیں آتی رہیں مگر نصف شب کے بعد سے خاموشی چھا گئی۔ صبح کے وقت خلاف توقع دروازہ نہ کھلا تو آپ کے رفقا کو خلش پیدا ہوئی۔ انتہائی بیقراری کے عالم میں دروازہ کو توڑا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ علیہ الرحمہ محبوب حقیقی سے جا ملے ۔۔۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کی پیشانی مبارک پر قدرتی طور پر یہ تحریر تھا ۔۔۔

" ھٰذا حبیب اللہ "

آپ کا جسدِ مبارک اسی جگہ سپرد خاک کیا گیا جہاں آپ کا وصال ہوا تھا۔ حضرت غریب نواز علیہ الرحمہ ۹۷ سال کی عمر تک دنیا کی ظلمتوں کو نور عرفان سے روشن اور منور کر دیا۔ اور طالبانِ معرفت کو جامِ عرفان سے سرشار کر دیا۔ جس شب کو آپ کا وصال ہونے والا تھا کئی بزرگوں نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ "معین الدین اللہ کا پیارا دوست ہے اور ہم آج اس کا استقبال کرتے ہیں۔" (مفہوم)

آپ علیہ الرحمہ کے خصائل مبارک سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تفسیر تھے۔ آپ کی پوری زندگی اتباعِ سنتِ رسولؐ میں گذری۔ سادگی کا یہ عالم تھا کہ آپ فقیرانہ انداز کی گدڑی جو پیوند لگی ہوتی تھی پہنتے تھے۔ آپ کے زہد و مجاہدِ نفس کا یہ عالم تھا کہ آپ صائم النہار و قائم اللیل کے پابند تھے، اور آپ کے مجاہدۂ نفس کا یہ عالم تھا کہ سات سات روز تک مکمل روزہ رکھتے تھے اور ساتویں دن سوکھی روٹی پانی میں بھگو کر افطار فرماتے تھے۔ آپ کے جود و کرم کی یہ حالت تھی کہ کوئی سائل بھی آپ کے دربارِ عالیہ سے ناامید نہیں گیا۔ آج بھی جو سچے اعتقاد کے ساتھ آپ کے دربار میں آتا ہے اپنی من مانی مراد پا کر خوشی خوشی واپس ہوتا ہے۔

خدا تعالیٰ ہم تمام کو بزرگانِ دین سے سچی محبت اور والہانہ عقیدت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلینؐ۔

حضرت سیدنا قادر ولی گنج سوائی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

از سید احمد حسین گنڈلوری زمرۂ ساد دار العلوم لطیفیہ
حضرت مکان۔ ویلور

آج سے تقریباً پانچ سال پیشتر ۱۹۷۱ء میں دار العلوم سے اسکرشن کے لئے جانے والی جماعت میں ناچیز بھی شریک تھا اس سفر میں ہم کو ناگور، ناگ پٹنم کاریکال وغیرہ کے تاریخی و تفریحی مقامات دیکھنے اور بزرگان کرام کی زیارتوں سے مشرف ہونے کا موقعہ نصیب ہوا۔ ناگور شریف میں جب ہم تمام نہادھو کر حضرت قادر ولی گنج سوائی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ عالی میں پہنچے تو ہمارے دلوں کی عجیب کیفیت تھی۔ دل خود بخود جھکے جا رہے تھے۔ بہت دیر تک مزار مقدسہ کے قریب کھڑے رہے، فاتحہ پڑھی۔ اپنے اور تمام کے لئے دُعائیں کیں۔ ہم نے وہاں دیکھا کہ عرس کا موسم نہ ہونے کے باوجود ہمیشہ عرس کا سا سماں بندھا رہتا ہے' لوگ دور دراز مقامات سے نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کیلئے جوق در جوق چلے آتے ہیں۔ ہم نے محسوس کیا کہ بے شمار لوگوں کا ان بزرگوں کے آستانوں پر جبہ سائی کیلئے حاضری دینا یقیناً ان حضرات نفوس قدسیہ کی قوت باطنی کا کھلا ثبوت ہے ——— امسال اسی بادشاہ دین و دنیا کے روح پرور تذکرہ کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں ———★

ولادت آپ کی ولادت ۱۰ ربیع الاول سنہ ۹۱۰ھ کو بوقت سحر ہوی۔

نام ونسب آپ کے کئی نام ہیں لیکن مشہور نام عبدالقادر حمید اولیاء، قادر ولی گنج سوائی ہیں۔ والد بزرگوار کا پورا نام ابو یوسف سیدنا حسن القدسی ہے۔ آپ کا سلسلہ بیس واسطوں سے امیر المومنین حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ ابھی جبکہ آپ والدۂ ماجدہ کے بطن مبارک میں تھے کہ ایکمرتبہ خضر علیہ السلام نے ان کو خواب میں ایک ولی کامل کے آنے کی خوشخبری دی۔ آپ کے والد بزرگوار اس خواب کے تذکرہ سے بے حد مسرور ہوے اور خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

بچپن حضرت کی ولادت کے چند دن بعد ایک فقیر جس کی سات لڑکیاں بیاہ کے قابل ہوگئی تھیں پریشان حال پھرتا ہوا آپ کے دروازے پر آیا اور سوال کیا' اے اللہ کی نعمت سے بہرہ ور لوگو' میں تنگدست اور بھوکا ہوں۔ میرا ہاتھ دولت سے خالی ہے۔ تمہارے سوا مجھے کسی سے امید نہیں کیونکہ تمہارے گھر ایک ولیٔ کامل پیدا ہوا ہے جو سب کا کفیل ہے۔ ماں نے اس درد بھری آواز کو سُنا گھر میں تلاش کیا مگر کوئی چیز نہ ملی۔ فقیر خالی ہاتھ لوٹ گیا جس کا آپ کو بہت رنج ہوا۔ جب حضرت کو دودھ پلانے گئیں تو دیکھا کہ بچے کے منہ میں ایک قیمتی یاقوت ہے جس سے فقیر کی لڑکیوں کی شادی بآسانی ہوسکتی تھی۔ فوراً فقیر

کو بلوا کر اس قیمتی یاقوت کو اس کے حوالے کر دیا۔ پانچ سال کی
عمر میں حضرت گاؤں کے ایک جنگل میں درخت کے سایہ میں آرام
کر رہے تھے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے درویشانہ لباس میں آ
کر آپ کو بیدار کیا اور کہا اے لڑکے منہ کھولو۔ آپ نے منہ کھولا۔
حضرت خضر علیہ السلام نے اپنا لعاب دہن تین مرتبہ گرا کر دعا کی،
اے باری تعالیٰ عبدالقادر کو علم لدنی اور کرامت عطا فرما۔ حضرت
نے ان سے نام دریافت کیا' حضرت خضر علیہ السلام اپنا نام بتاتے
ہوئے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اس واقعہ سے عبدالقادر رحمۃ اللہ
علیہ کو بے حد مسرت ہوئی۔ آپ خوشی خوشی گھر روانہ ہوئے۔

تعلیم و تربیت بیعت و خلافت

آٹھ سال کی عمر میں حافظ قرآن
ہو گئے اور دیگر مسائل ضروریہ میں
کامل مہارت حاصل کر لی۔ اس کے
بعد علماء و فضلا کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ چند سالوں میں
ہر ایک فن کے اندر کمال حاصل کر لیا۔ آپ کی علمی قابلیت کا یہ
عالم تھا کہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو بڑی عمدگی سے حل کر دیتے
تھے۔ آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی کہ کسی ضرورت کے تحت آپ کا
ایک خالی مکان میں رہنا ہوا۔ مکان کے ایک کونے سے آپ کو
آواز سنائی دی کہ اے عبدالقادر شیخ کی تلاش کرو۔ مڑ کر دیکھا
کوئی نہ تھا۔ سمجھ لیا کہ یہ ہاتف غیبی ہے۔ خدا کا حکم والدین کو سناتے
ہوئے سفر کی اجازت چاہی کہ میں ایک ایسے شیخ کامل کے ہاتھ پہ
بیعت کرنا چاہتا ہوں جو مجھے انبیاء کے مسلک پہ چلائے۔ کیونکہ کوئی
بھی فرد اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی شیخ
کامل کی پیروی نہ کرے۔ والدین آپ کی جدائی سے رنجیدہ خاطر
ہو رہے تھے۔ آپ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا غمگین
ہونے کی ضرورت نہیں۔ خدائے تعالیٰ ایک لڑکا عطا کرے گا
جس کا نام وہاج الدین رکھیں اور اسکی اچھی طرح تعلیم و تربیت
کریں، وہ میرے اور میرے مرحوم بھائی کی جگہ ہوگا۔ والدین
کی اجازت اور دعاؤں کے ساتھ ان کی قدمبوسی کرتے ہوئے
گوالیار کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہاں
علمائے کرام و مشائخ عظام کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ گوالیار
سے قریب ایک میدان میں پہنچ کر راستہ کی تھکان اور گرد و غبار
کو دور کیا اور پاس ہی کے ایک تالاب میں وضو کر کے دو رکعت
نماز ادا کرنے کے بعد دعا کی کہ اے اللہ شہر گوالیار کے بزرگوں میں
سے کسی ایسے بزرگ کی طرف میری رہنمائی فرما جن کی خدمت
میں رہ کر ان کی صحبتوں سے فائدہ اٹھاؤں اور ان کے علوم کے
انوار سے اپنے دل کو منور کروں۔ ابھی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ
غیب سے آواز آئی اے عبدالقادر تم شیخ محمد غوثؒ کی خدمت
میں جاؤ اور وہاں اپنا زانوئے ادب تہ کرو۔ انشراح صدر
ہوگا اور تمہارے نور میں زیادتی ہوگی۔ فوراً حکم کی تعمیل
کرتے ہوئے آپ شیخ محمد غوث گوالیاری علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں
پہنچے۔ جھک کر سلام کیا۔ حضرت نے بڑی گرمجوشی سے سلام کا
جواب دیا۔ اور ان کو اپنے قریب بٹھایا۔ گفتگو کرنے کے بعد
اپنے ہی پاس ٹھہرایا۔ حضرت شاہ حمید علیہ الرحمہ نے آپ سے
علوم باطنی میں کمال حاصل کرنا شروع کیا۔ جب حضرت شیخ محمد غوث
گوالیاری علیہ الرحمہ نے آپ کے اندر ظاہری و باطنی کمالات
کا مشاہدہ کیا تو اپنے علوم و فنون کے سارے خزانے آپ پہ
کھول دئے۔ جب خلافت عطا کرنے کی مبارک ساعت آ
پہنچی تو شیخ نے آپ کو وضو کر کے نماز ادا کرنے اور خلوت میں

بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد چاروں طریقوں کے مطابق
ذکر کی تلقین کی اور اس کے معنی سمجھاتے ہوئے شطاریہ،
قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، طبقاتیہ، اور نقشبندیہ طریقوں
میں خلافت و اجازت عطا فرمائی۔ اپنی دو کتابوں جواہر خمسہ
اور کتاب الاوراد لغوثیہ نیز تسخیرات الجن، علم الہندسہ الفلاسفہ
کی اجازت عطا فرمائی۔ اسی طرح اذکار وظائف اور قرائت
اسماء وغیرہ کی بھی اجازت دی۔

ستائیس سال کی عمر میں وہاں سے حج کے لئے جانے
کا ارادہ کیا۔ پیرومرشد سے اجازت چاہی شیخ نے کہا تمہاری پیٹھ
سے ایک لڑکا ہونے والا ہے۔ جب تم نے شادی نہیں کی ہے، تو
بچہ کیسے ہو سکتا ہے حضرت نے ادب احترام کے ساتھ عرض کیا کہ
اس بات کو آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ آپ کو ظاہر و باطن کا
پوری طرح علم ہے۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد آپ نے کہا
کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جیسا اس نے حضرت مریمؑ کے بطن
سے بغیر باپ کے لڑکا پیدا کیا اسی طرح میری پیٹھ سے بھی اس کو نکالے
گا۔ اس گفتگو کے بعد آپ نے دوبارہ حج بیت اللہ کے لئے اجازت
طلب کی۔ شیخ محمد غوث گوالیاری علیہ الرحمہ نے بخوشی اجازت عطا
فرمائی۔ شیخ سے اجازت لینے کے بعد والدین کی خدمت میں آئے
حج بیت اللہ کا خیال ظاہر کرتے ہوئے روانگی کی اجازت چاہی۔
آپ کی اطلاع کے بغیر والدین شادی کی تیاری کر چکے تھے، فرمایا
کہ اے فرزند ہماری تمنا ہے کہ اپنی زندگی ہی میں شادی کے
بار گراں سے سبکدوش ہو جائیں۔ شادی کے لئے شامیانہ بھی
لگا دیا تھا۔ شامیانہ دیکھتے ہی حضرت کو ملال آگیا۔ ایک نظر کی
جس سے سارا شامیانہ جل کر خاکستر ہو گیا۔

حج کو جاتے ہوئے راستہ میں آپ نے لاہور میں قیام کیا
اطراف و جوانب آپ کی شہرت ہو چکی تھی۔ ایک دولتمند جس کا دامن
دولت اولاد سے خالی تھا حاضر خدمت ہوا اور کہنے لگا 'اے اللہ
کے ولی میری بیوی بانجھ ہے' میری کوئی اولاد نہیں جو میرا نام
روشن کرے۔ حضرت نے کہا اے نورالدین! میری صلب میں ایک
جوہر پوشیدہ ہے جس کو حکمت الٰہی سے میں تمہیں عطا کروں گا اس سے
تم کو چار لڑکے، دو لڑکیاں پیدا ہوں گی۔ تم اپنی بیوی اور بہن
کے ہمراہ بروز دوشنبہ نئے کپڑے پہنا کر پان اور لونگ لے کر آؤ۔
وقت مقررہ پر تینوں بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت نماز عشاء
میں مشغول تھے۔ بعد فراغت حاضری کی اطلاع پاکر آئے اور ان
سے پان و لونگ لیکر خوب چبا کر نورالدین کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا
کہ اسے فوراً اپنی بیوی کو کھلاؤ اور اس سے پیدا ہونے والے
لڑکے کا نام یوسف رکھو۔ وہ بڑا ہو کر پوچھے گا کہ میرے حقیقی
والد کون ہیں اور انہوں نے میرے لئے کیا ہدیہ دیا ہے۔ اس
وقت تم اس کو یہ مسواک عطا کر دو۔ یہ فرماتے ہوئے آپ نے
ایک مسواک نورالدین کے حوالے کر دی۔ اور فرمایا کہ تم چالیس دن
تک ذکر و اذکار کرتے رہو۔ تھوڑے دنوں کے بعد نورالدین نے
دیکھا کہ بیوی حاملہ ہے' وہ خوشی سے جھوم اٹھے۔ حضرت کے
فرمان کے مطابق ۹۳۹ھ میں ایک حسین و جمیل لڑکا پیدا ہوا۔

اس وقت آپ کی عمر انتیس سال کی تھی۔ حضرت جیسے
ہی جدہ پہنچے خدا کا شکر ادا کیا۔ حضرت حوا رضی اللہ عنہا کے مزار پہ
حاضری دی۔ ایصال ثواب کیا' وہاں سے کعبۃ اللہ پہنچے۔ جیسے ہی
حج کا موسم آیا رفقاء کو مناسک حج کی تعلیم دی۔ مراسم حج ادا کئے
اس کے بعد آپ روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے

روانہ ہوئے۔ آپ کے سامنے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول تھا۔ من حج ولم یزرنی فقد جفانی جو حج کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ من زار قبری وجبت لہ شفاعتی جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔
مدینہ منورہ پہنچکر زیارتِ روضۂ شاہ کونین سے مشرف ہوئے۔ رفقاء کا بیان ہے کہ اس وقت شیخ کی خوشی کا یہ عالم تھا کہ ہم نے کبھی بھی آپ کو اتنا مسرور وشاداں نہیں پایا۔ آپ نے نو سال تک مکۂ مکرمہ میں قیام فرمایا۔

ایکمرتبہ جب کہ آپ کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے تھے، کہ فرزند ارجمند یوسف بہت یاد آئے اس وقت یوسف کی عمر شریف نو سال کی تھی۔ ادھر لاہور میں یوسف اپنے ہم عمروں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ اچانک غیب سے آواز آئی کہ اے یوسف تم اپنے حقیقی والد سے جا ملو جو فی الوقت طوافِ کعبہ میں منہمک ہیں۔ جونہی یہ آواز کانوں سے ٹکرائی وہ فوراً کھیل ترک کرکے اپنے گھر آئے اور اپنے والدین سے پوچھا کہ بتاؤ میرے حقیقی باپ کون ہیں۔ نورالدین نے کہا اے نور نظر تمہارا حقیقی باپ تو میں ہی ہوں۔ تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو۔ یوسف نے کہا نہیں میرے والد، تم لوگوں سے اعلیٰ وارفع ہیں جو فی الوقت طوافِ کعبہ میں مشغول ہیں۔ میں مکہ جانا چاہتا ہوں۔ میرے والد جو ہدیہ آپ کو مرحمت فرمائے ہیں وہ عنایت کیجئے۔

نورالدین یہ سنکر انگشت بدنداں ہوگئے اور مسکراتے ہوئے کہا اے بیٹا تم ابھی بچے ہو، سامانِ سفر کے بغیر کس طرح جاؤگے۔ یوسف نے کہا جس کا ساتھی خدا ہو، اس کو کسی چیز کی کمی نہیں۔ بسم اللہ پڑھ کر تین قدم رکھا بس اپنے کو میدان صنع میں پایا۔ والد بزرگوار نے اپنے خلیفہ کو حکم دیا کہ تم صنع جاکر میرے فرزند یوسف کو لے آؤ۔ جب یوسف آگئے تو حضرت ان کو اپنے کندھوں پر بٹھاکر سات بار طواف کیا اور دعا کی اور کہا کہ میں تمہارا حقیقی باپ ہوں۔ میرے بعد تم میرے جانشین بنوگے۔ اسی طرح سلسلہ جاری وساری رہے گا۔

ہر دن یوسف سے قرآن سن کر لطف اندوز ہوتے اور ان کو دیگر علوم وفنون کا درس آپ ہی دیا کرتے تھے، اور یوسف کے ساتھ مدینہ منورہ کا بھی سفر کیا اور زیارت سے مشرف ہوئے۔ سلوک و معرفت میں تکمیل کے بعد بیعت لیکر خرقہ و خلافت سے نوازا۔

ناگور میں قیام

آپ چالیس سال کی عمر میں فقراء کے ساتھ شہر ناگور پہنچے۔ فرزند سے چلہ کشی کا خیال ظاہر کرتے ہوئے روپوش ہوگئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آپکو جائے نشست و مدفن سے آگاہ کیا۔ اور ایک کنوئیں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ وہ کنواں ہے جس میں میں اور سکندر ذوالقرنین وضو کیا کرتے تھے۔ مزید بیان کیا کہ اے عبدالقادر، یہ تمہارا آخری ٹھکانہ ہے۔ اب تم ہمیشہ کے لئے یہیں رہوگے۔ عبدالقادر نے لب کشائی کی کہ اے خضر (علیہ السلام) یہ تم کیا کہہ رہے ہو کہ اس مقام پر ہماری جان پہچان والا کوئی نہیں اور نہ کسی سے ہم کو ربط و تعلق ہے۔ خضر علیہ السلام نے کہا اے عبدالقادر، تم کسی قسم کی فکر نہ کرو اللہ تمہارا حامی و مددگار رہے۔ دنیا

کے چپہ چپہ سے لوگ آپ کی زیارت کے لئے آئیں گے اور میں آپ کے سفر و حضر کا رفیق ہوں۔

ایک مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور کہا خدائے تعالیٰ آپ کو ایمان و سلامتی کا پیغام سُنا تا ہے اور مجھ کو حکم ہُوا ہے کہ آپ کو قصر اسکندریہ کی سیر کراؤں۔ آپ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ آبادی سے دُور نکل گئے۔ چند ہی لمحوں کے بعد قصر اسکندریہ کی علامتیں ظاہر ہوئیں جس پر دونوں خدا کا شکر ادا کیا۔ قصر نور سے جگمگا رہا تھا جس کی اونچائی کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ دیکھنے والے کو یہ گمان ہوتا تھا کہ اس کا کلس آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ قصر کے نیچے یاقوت کی نہریں جاری تھیں۔ خضر علیہ السلام کی حکم سے عبدالقادرؒ غسل و وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی۔ بعد آسمان سے ایک نورانی برتن نمودار ہُوا جس میں خوشبو دار صندل تھا۔ حضرت قادر ولی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا دستِ مبارک ڈبو کر دیوار پر اپنا نشان چسپاں کیا جس پر کئی اقطاب کے ہاتھوں کے نشانات تھے ہاتف غیبی نے کہا اے عبدالقادر آج تمہاری قطبیت مکمل ہو گئی۔

حضرت خضر علیہ السلام نے ایک معلقہ زنجیر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ ساٹھ کڑیوں کی وہ زنجیر ہے جو من جانب اللہ سکندر ذوالقرنین کو عطا ہوئی تھی۔ مجھے حکم ہُوا ہے کہ اس کی چار کڑیاں تمہارے سپرد کر دوں۔ اسی رات آپ ان کڑیوں کو لیکر روانہ ہوئے جو آج بھی حضرت یوسف ثانی کے مزارِ مبارک پر آویزاں ہیں۔

وصال تاریخ ۱۰ ر جمادی الآخر ۹۷۸ھ کو شب دوشنبہ اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ پڑھتے ہوئے واصل الی اللہ ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کے ارشاد کے مطابق تدفین کے تیسرے دن حضرت خضر علیہ السلام درویشانہ لباس میں آئے۔ ذکر و اذکار کے بعد وہاں سے رخصت ہوئے۔ دُور جانے کے بعد یوسفؒ نے سلام کیا۔ سلام کے جواب کے بعد یوسف نے ان کا نام دریافت کیا۔ معلوم ہوا حضرت خضرؑ ہیں۔ آپس میں بہت ہی راز و نیاز کی باتیں ہوتی رہیں۔ ان کے جانے کے بعد حضرت یوسفؒ خوشی سے گھر لوٹ آئے۔

نیز تدفین کے تیسرے ہی دن یوسف نے مزار پر حاضری دی اور سلام کیا۔ جواب پانے کے بعد حضرت عبدالقادرؒ گنج سوائی کے حکم کے مطابق ناگور کو اپنا مسکن بنا لیا۔

۱۳۹۶ء
۱۸۰
اللطیف
سلطانِ مدینہ
از
امیر مینائی
پیشکش:-
سید محمدؐ گیسودراز
قادری عرف محسن
حیدرآباد
رہتی ہے زباں پر صفتِ شانِ مدینہ
ہوں مُرغ نوا سنجِ گلستانِ مدینہ
جنّت ہے حقیقت میں گلستانِ مدینہ
طوبائے جناں، سروِ خیابانِ مدینہ
اللہ نے بخشی ہے جسے شاہیِ کونین
سُلطانِ مدینہ ہے وہ سُلطانِ مدینہ
قالب دو عالم کے مدینہ ہے اگر جاں
ذات اس شہِ کونین ﷺ کی ہے جانِ مدینہ
کہتا ہے امیر اس لئے عالم مجھے حسّاں
ہوں حُسنِ طبیعت سے ثنا خوانِ مدینہ

لطائف لطیفی

از: افضل العلماء ابوالمکارم سید مصطفیٰ حسین بخاری قادری
فاضل لطیفیہ و جنرل سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف
مکان حضرت قطبؒ ویلور قدس سرہ

" لطائف لطیفی " قدوۃ العارفین حضرت محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری ذوقی قدس سرہ ۱۱۵۱ھ — ۱۱۹۴ھ کی تصنیف انیف ہے جسکو آپ نے آج سے ۲۰۹ دو سو نو سال پیشتر ۲۵ ربیع الاول ۱۱۸۷ھ میں بروز پنجشنبہ اپنی خانقاہ عالیہ میں مکمل فرمایا تھا — اس کتاب میں آپ نے علم و معرفت کے اسرار و نکات کو انتہائی خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے، جو اصحاب طریق کے لئے پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس میں کل ۴۲ لطائف ہیں جو چھوٹے سائز کے ۲۱۰ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اخیر کے بعض لطائف میں آپ نے اپنے والد بزرگوار زبدۃ العارفین حضرت رکن الدین سید شاہ ابو الحسن قربی قادری قدس سرہ ۱۱۱۸ھ — ۱۱۸۲ھ کے بعض طریقی سلسلوں کو ضبط تحریر فرمایا ہے —— پیش نظر نسخہ کو آپ کے فرزند ارجمند قدوۃ السالکین حضرت سید شاہ ابو الحسن قادری محوی قدس سرہ ۱۱۸۶–۱۲۴۳ھ نے اپنے دست مبارک سے ۱۲۰۹ھ میں کتابت کی ہے۔ خط پاکیزہ اور دیدہ زیب ہے — مذکورہ کتاب سے چند لطائف اہل دل حضرات کیلئے پیش کئے جا رہے ہیں۔ بخاری

لطیفہ ای عزیز! عالم ناسوت از ثری تا فوق عرش است و عالم ملکوت بالائے آں و عالم جبروت عالم اسماء و صفات است کہ عبارت از مرتبۂ واحدیت است و لاہوت عالم اجمال اسماء و صفات است کہ اشارت بمرتبۂ وحدت است و ہاہوت عالم ذات است کہ مراد از مرتبۂ احدیت است و در ہر چیزی از عالم کون ایں عوالم خمسہ موجود است۔

لطیفہ ای عزیز! عالم ناسوت زمین کی پستیوں سے عرش کی بلندیوں تک ہے اس کے اوپر عالم ملکوت ہے، عالم جبروت عالم اسماء و صفات ہے جو مرتبہ واحدیت ہے، عالم لاہوت عالم اجمال اسماء و صفات ہے، جو مرتبہ وحدت ہے عالم ہاہوت عالم ذات ہے جو مرتبہ احدیت ہے۔ عالم کون کی ہر چیز میں یہ پانچوں عالم موجود ہیں۔

لطیفہ اے عزیز! قال اللہ تعالیٰ احسن کما احسن اللہ الیك احسان او سبحانہ بر بندہ آن است کہ خود ظاہر بود و بندہ مخفی۔ پس خود مخفی گشت و بندہ را ظاہر گردانید۔ پس احسان بندہ آن است کہ خود مخفی شود و او سبحانہ را ظاہر گرداند۔

لطیفہ ای عزیز! ارشاد باری تعالیٰ ہے اَحسِن کما اَحسَنَ اللہُ اِلَیکَ۔ یعنی اللہ نے تجھ پر جیسا احسان کیا ہے تو بھی ویسا ہی احسان کر۔ بندہ پر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا احسان یہ ہے کہ پہلے خود ظاہر تھا اور بندہ پوشیدہ تھا اب خود پوشیدہ ہو گیا اور بندہ کو ظاہر کیا۔ پس بندہ کا احسان یہ ہے کہ خود پوشیدہ ہو جائے اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو ظاہر کرے

یعنی مرتبۂ فنا فی اللہ حاصل نماید۔ علماً او شہوداً

لطیفہ ای عزیز! قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأیت ربی لیلۃ المعراج
فی احسن صورۃ فی صورۃ قطط شاب اوکما
قال این حدیث دال بر ثبوت تجلی صوری است نہ
ثبوت صورت چہ تجلیات او سبحانہ بر دو گونہ است
صوری وغیر صوری وہر دو قدیم اند نہ حادث و ہر دو
مطلق است نہ مقید۔ چہ آں صورتی کہ در تجلی صوری
مشاہدہ کردہ می شود عین بے صورتیست و آں
تشبیہ عین تنزیہ است وآں تقید عین اطلاق
است بلکہ آں مرتبہ اطلاق اطلاق است۔ زیرا کہ
اطلاق درآں مقام از قید اطلاق مجرد شود وامثال
این حدیث ہمہ محمول برین معنی است وبس۔

لطیفہ ای عزیزی قال الغوث الاعظم رضی اللہ عنہ من اراد العبادۃ بعد
الوصول فقد اشرک باللہ العلی العظیم ای راد
العبادۃ بارادتہ بعد ما افنی ایاھا فی ارادۃ اللہ
سبحانہ فقد اشرک بہ چہ دراں مقام ہر چہ کردہ
می شود بارادۂ حق کردہ می شود نہ بارادۂ خود، و
لحاظ ارادۂ خود دراں جا حکم شرک دارد کما قال
النبی صلی اللہ علیہ وسلم حُبِّبَ الی من دنیاکم
ثلثۃ الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ
حبب بصیغۂ مجہول فرمود ای محبوب گردانیدہ
شدہ است بجب حق نہ بجب من زیرا کہ آنحضرت را

یعنی علماً یا شہوداً فنا فی اللہ کا مقام حاصل کرے۔

لطیفہ ای عزیز! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے معراج کی شب
اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا ہے ایک گھنگھریالے بال والے
نوجوان کی صورت میں۔ اوکما قال، یہ حدیث تجلی صوری پر دلالت
کرتی ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے لئے صورت کا ثابت ہونا لازم نہیں
آتا ہے کیونکہ حق سبحانہ کی تجلیات دو قسم پہ ہیں۔ ایک صوری دوسری
غیر صوری۔ دونو حادث نہیں بلکہ قدیم ہیں۔ مقید نہیں بلکہ مطلق ہیں۔
جو صورت کہ تجلی صوری میں دیکھی گئی ہے وہ عین بے صورت تشبیہ
عین تنزیہ اور تقید عین اطلاق ہے، کیونکہ اطلاق اس
مقام میں قید اطلاق سے بھی پاک ہوتا ہے۔ اس حدیث کے
تمام امثال اسی معنی پہ محمول ہیں۔

لطیفہ ای عزیز! حضرت غوث اعظم رضی اللہ
تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ جس نے وصول (الی اللہ) کے بعد
عبادت کا ارادہ کیا یقیناً اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا۔
کیونکہ اس مقام میں جو کچھ بھی کیا جاتا ہے اپنے ارادہ سے نہیں
بلکہ حق کے ارادہ سے ہی کیا جاتا ہے۔ وہاں خود کے ارادہ کا
لحاظ شرک کے مترادف ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد ہے حبب الی من دنیاکم ثلثۃ
الطیب والنساء وقرۃ عینی فی
الصلوٰۃ یعنی تمہاری دنیا سے مجھ میں تین چیزوں
کی محبت ڈالی گئی ہے۔ خوشبو۔ عورت اور
نماز جس میں میرے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ آپ

مقام فنا از ذات خود و صفات خود بود در ذات و صفات حق اگر بصیغہ معروف می فرمود دلالت بر باقی بودن ارادۂ او میکرد۔ فلذلک فرمود حُبِّبَ و چوں خلفائے راشدین نیز بہ تبعیت آنحضرت براں مقام رسیدہ بود۔ لفظ حُبِّبَ بصیغۂ مجہول گفتند اما ایشاں با وجود آں بکمال فنائی کہ آنحضرت داشتہ نرسیدہ و برائے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نسبت دنیا بجانب خود نکردہ بجانب ایشاں کرد۔ واللہ اعلم بالصواب

لطیفہ

ای عزیز! قال ابو یزید البسطامی رضی اللہ عنہ لوائی ارفع من لواء محمد صلے اللہ علیہ وسلم زیرا کہ آنحضرت را صلی اللہ علیہ وسلم افاضۂ وجود از ذات او سبحانہ است و بس و بایزید را از ذات حق سبحانہ و ذات آنحضرت است صلی اللہ علیہ وسلم فکان لواء مفاخرتہ ارفع من لواء محمد صلی اللہ علیہ وسلم و باعتبار آں کہ لواء آنحضرت جبرئیل است ولواء بایزید آنحضرت است صلی اللہ علیہ وسلم ولاشک فی انہ صلی اللہ علیہ وسلم ارفع من جبرئیل علیہ السلام او معناہ لوائی ارفع من فیض لواء محمد صلی اللہ علیہ وسلم، وھذا ظاھر۔

علیہ السلام نے حدیث میں لفظ حُبِّبَ صیغۂ مجہول فرمایا ہے یعنی یہ تمام چیزیں محبت حق کی وجہ سے محبوب ہوئی ہیں کہ میری اپنی محبت سے۔ کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات وصفات سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں مقام فنا حاصل تھا۔ اگر معروف کے صیغہ سے فرماتے تو یہ آپ علیہ السلام کے ارادہ کی بقا پر دلالت کرتا اسی لئے آپ نے حُبِّبَ صیغۂ مجہول استعمال فرمایا۔ خلفائے راشدین بھی آپ علیہ السلام کی اتباع کی برکت سے اس مقام پہ فائز تھے۔ انہوں نے بھی لفظ حُبِّبَ صیغۂ مجہول استعمال کیا ہے۔ مگر یہ حضرات فنا کے باوجود اس کمال تک رسائی نہ کرسکے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ اسی لئے آپ علیہ السلام نے دنیا کی نسبت اپنی طرف نہیں بلکہ مخاطبین کی جانب فرمائی۔ واللہ اعلم

لطیفہ

ای عزیز! حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں، کہ میرا پرچم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم سے بلند ہے (آپ نے ایسا اس لئے کہا کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو افاضۂ وجود صرف ذات حق سبحانہ سے ہے۔ حضرت بایزید بسطامی کو حق سبحانہ کی ذات اور آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات سے افاضۂ وجود ہے لہٰذا آپ کا پرچم مفاخرت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم سے بلند ہوا۔ یا اس اعتبار سے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اور حضرت بایزید کے پرچم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس میں کسی قسم کا شک نہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام سے بہت بلند اور برتر ہیں ——— اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میرا پرچم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم کے فیضان سے بلند ہے، یہ بات صاف اور واضح ہے۔

ملک العلماء عبد العلی بحر العلومؒ کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۱۴۴ھ مطابق ۱۷۳۹ء کو لکھنؤ میں ہوی۔ آپ کا اسم مبارک عبد العلی محمد۔ کنیت ابو العیاش اور خطاب ملک العلماء اور لقب بحر العلوم ہے۔

آپ کے والدِ بزرگوار استاذ الہند علامہ ملا نظام الدین محمد فرزند ملا قطب الدین انصاری ہیں جو اپنے وقت کے جیّد عالم و کامل بزرگ تھے جن کا ترتیب دیا ہوا نصاب آج بھی ہند و بیرون ہند کے مدارسِ عربیہ میں پڑھایا جاتا ہے جو درسِ نظامی سے مشہور ہے۔

آپ نے اپنے والدِ محترم ہی سے اٹھارہ سال کی عمر میں تعلیم درسیات سے فراغت پائی اور اسی سال آپ کی شادی ہوگئی، اس کے چند مہینوں بعد والدِ ماجد کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا۔

ملا کمال الدین صاحب سہالوی جو آپ کے والدِ بزرگوار کے ارشد تلامذہ میں سے تھے ان سے آپ نے منقولات و معقولات میں مزید کمال پیدا کیا پھر درس و تدریس کی مسند اس طرح سنبھالی کہ تھوڑے عرصہ میں شہر لکھنؤ کے اطراف و اکناف آپ کی جلالت علمی کا چرچا ہونے لگا۔ تشنگانِ علوم مختلف مقامات سے آپ کے پاس آتے رہے اور اپنی تشنگی بجھاتے رہے۔

وطن سے روانگی

شہر لکھنؤ کے ماضی و حال کا جائزہ لیں تو یہ بات ہم پہ روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ لکھنؤ میں شیعہ سنی فتنہ کا برپا ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ چونکہ ہر دور میں یہ فتنہ کچھ نہ کچھ وقفہ کے بعد سر اٹھاتا رہا ہے۔ جب بحر العلوم کے دور میں یہ فتنہ اٹھا اور اتنا سر اٹھایا کہ حالات نازک اور خطرناک موڑ اختیار کر گئے تو ملا عبد العلی نے اپنے علمائے فرنگی محلی کے ساتھ مل کر سنیوں کی زبردست حمایت کی، جبکہ نواب شجاع الدولہ ۱۱۶۹ھ کا ابتدائی دور تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ بحر العلوم کو اپنا وطن چھوڑ دینا پڑا۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں سنّی نواب حکمرانی کر رہا ہے تو کہیں شیعہ نواب کی حکمرانی ہے۔ لکھنؤ میں نواب شجاع الدولہ شیعی تھا تو شاہجہاں پور میں نواب حافظ الملک سنی تھے۔ جو نواب لکھنؤ کے سخت مخالف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بحر العلوم نے جب شاہجہاں پور کا رُخ کیا تو حافظ الملک نے آپ کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور آپ کے مصارف کے لئے معقول وظیفہ مقرر کرتے ہوئے سرکاری مدرسہ کی پوری ذمہ داری آپ کے سپرد کر دی۔ آپ بڑے انہماک کے ساتھ تعلیم دینے لگے۔ آپ کو اکثر و بیشتر علوم و فنون پہ کافی عبور حاصل تھا۔ باوجود اس کے

فقہ، اصول، منطق، فلسفہ و کلام اور تصوف خاص موضوع تھا۔

بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ تقریباً بیس سال تک شاہجہاں پور میں خدمت خلق اور درس و تدریس کا کام انجام دیتے رہے لیکن جب حافظ الملک شہید ہو گئے، تو آپ وہاں سے والئ رامپور فیض اللہ خان کی استدعا پر رامپور پہنچے اور وہاں بھی سرکاری مدرسہ میں درس و تدریس کی خدمات انجام دینے لگے۔ بحر العلوم ہر جگہ اپنے والد ماجد کی طرح مشہور ہو چکے تھے۔ آپ کی یہ خاص خصوصیت تھی کہ شائقین علوم کی ایک بڑی جماعت ہمیشہ ساتھ رہتی تھی، گویا طلبہ آپ کی زندگی کا جزو لاینفک بن چکے تھے جن سے آپ کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ رامپور کے اطراف و اکناف سے شائقین علوم کا ایک کثیر ہجوم جمع ہو گیا۔ اس لئے نواب صاحب نے ان کے اخراجات برداشت کرنے سے انکار کر دیا اور داخلے پر پابندیاں عائد کر دیں۔ ایسا کرنا ہی تھا کہ بحر العلوم نے اسکی سخت مخالفت کی اور فرمایا کہ طالبوں کو علم سے محروم رکھنا بالکل مناسب نہیں ہے۔ نواب کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ تمام طلبا کے اخراجات برداشت کریں۔ یہ اختلافات اپنی جگہ بڑھتے گئے۔ اسی زمانہ میں منشی صدر الدین نے بردوان سے قریب بوہر نامی قریہ میں سید جلال تبریزی جو ۶۴۲ء میں انتقال کر گئے تھے ان کی یادگار میں ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۵ء میں مدرسہ جلالیہ قائم کیا تھا اس کے اخراجات کے لئے کثیر رقم وقف کر دی تھی۔

منشی صدر الدین نے چار سو روپیہ ماہوار پر ملا عبد العلی کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی، جس کے جواب میں بحر العلوم نے لکھا کہ میرے ساتھ ایک سو طالب علم ہیں۔ منشی صاحب نے ان کا بھی خرچ برداشت کرنے کا ذمہ لیا تو آپ اپنے اہل و عیال و طلباء کو لے کر رامپور سے روانہ ہوئے۔ بوہر بردوان پہنچے۔ مدرسہ جلالیہ میں کئی برس تک اپنے زندۂ جاوید خدمات انجام دیتے رہے۔

سفر مدراس

بعض فتنہ انگیزوں نے بحر العلوم و منشی صاحب کے درمیان ایسی بدظنی پیدا کر دی کہ ملا عبد العلی محمد رحمۃ اللہ علیہ کچھ دل برداشتہ ہو گئے۔ جب نواب محمد علی والاجاہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے آپ سے مدراس تشریف لانے کی استدعا کرتے ہوئے راستے کے اخراجات روانہ کر دیا۔ آپ اپنے دونوں صاحبزادوں اور ایک مختصر سے قافلہ کے ساتھ بوہر بردوان سے روانہ ہوئے اور ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ کو مدراس پہنچے۔ نواب محمد علی والاجاہ نے آپکا ایسا پرتپاک اور شاہانہ استقبال کیا جو کسی نواب کے پاس بھی نہیں ہوا تھا۔

صاحب اغصان اربعہ، مولانا ولی اللہ فرنگی محلی نے بحر العلوم کے مدراس میں شاہانہ استقبال کی تصویر اسطرح کھینچی ہے:

جب پالکی شاہی محل کے قریب پہنچی تو آپ نے اترنا چاہا، نواب محمد علی والاجاہ نے اشارہ کیا کہ تشریف رکھیں، اترنے کی زحمت نہ فرمائیں اور خود ہی آگے بڑھکر پالکی کو کندھا دیا اپنے محل میں لے آئے اور انہیں بڑی عزت و احترام کے ساتھ اتارا مسند شاہی پر اپنی جگہ بٹھاتے ہوئے قدم بوسی کی اور کہا کہ میرے ایسے نصیب کہاں تھے کہ آپ قدم رنجہ فرمائیں اور میرے مکان کو منور کریں۔

ملا عبد العلی بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ جہاں جہاں تشریف

لے گئے وہاں وہاں کے نوابوں نے مدرسہ کی تمام ذمہ داریاں آپ کے سپرد کرتے ہوئے صدر مدرس کی مسند پہ بٹھایا کرتے تھے۔ اس طرح نواب محمد علی والاجاہ مدرسۂ کلاں کی صدر مدرسی سونپتے ہوئے ایسا وظیفہ جاری کردیا جو کسی نواب سے بھی ایسی سہولت فراہم نہ ہوسکی تھی۔ آپ شمالی ہند سے جنوب کا رخ کرنے سے پہلے ہی یہاں ہر طرف آپ کے علم کا شہرہ ہوچکا تھا۔ منتہی طلبا آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا نہایت اشتیاق رکھتے تھے۔ چنانچہ مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر جو تعلیم سے فراغت پا چکے تھے اس کے باوجود ان کو مزید حصول علم کی فکر دامنگیر ہوئی اور وہ بحر العلوم کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنا چاہتے تھے اس کے لئے انہوں نے اپنے دادا کے عطا کردہ طریقے کو بروئے کار لاتے ہوئے استخارہ کیا تو اسی شب خواب میں دیکھا کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ جلوہ فرما ہیں اور آپ کے سیدھے جانب بحر العلوم ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ان کو زمزم کا پانی پلاؤ" چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کو زمزم پلایا۔ مولوی محمد غوث کو آب زمزم سے سیرابی علم کے متعلق حدیث یاد آئی اور دونوں آنکھیں پرنم ہوگئیں اسی حالت میں بیدار ہوئے اسوقت آپ پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر نے بحر العلوم سے فیض حاصل کرنے کا مصمم فیصلہ کرلیا۔ اپنے چچا مولوی غلام عبد القادر سے خط و کتابت کے ذریعہ نواب صاحب کی سفارش پہ ملا عبد العلی محمدؒ سے معقولات میں مزید تعلیم حاصل کی جو آگے چل کر بحر العلوم کے نامور شاگردوں میں شمار ہونے لگے۔

نواب محمد علی والاجاہ بحر العلوم کی نہایت عزت و توقیر کرتے تھے۔ اور آپکو اپنی ہر مجلس میں اپنے ساتھ رکھتے تھے اور کبھی کبھی مختلف علمی مسائل پہ بھی مذاکرہ کیا کرتے تھے۔ جب سنہ ۱۲۱۰ھ میں نواب محمد علی والاجاہ کا انتقال ہوا تو بحر العلوم ہی نے اپنے ہاتھوں سے تکفین و تدفین کا اہتمام فرمایا۔

نواب عمدۃ الامرا بہادر کی مسند نشینی بحر العلوم ہی کے دست مبارک سے ہوئی۔ نواب عمدۃ الامراء بہادر محمد علی والاجاہ سے بھی بڑھ کر آپ کی قدر و منزلت اور احترام کرنے لگے۔ چنانچہ اپنے تخت نشینی کے دسویں روز ۱۱ ربیع الثانی سنہ ۱۲۱۰ھ کو تقسیم خطابات کے موقع پہ ملا عبد العلی بحر العلوم کو اپنے ہی ہاتھ سے لکھ کر سب سے پہلے "ملک العلماء" کا معزز خطاب عطا کیا۔ ملک العلماء ملا عبد العلی محمد بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ لکھنؤ میں شیعہ سنی کے جھگڑوں سے نجات پاکر مختلف مقامات پہ اطمینان کی پرسکون زندگی شہر مدراس میں جناب محمد علی والاجاہ کے عہد سلطنت میں رہی۔ مگر جب عمدۃ الامراء کا دور آیا تو لکھنؤ کی طرح مدراس میں بھی شیعہ سنی اختلافات انتہائی شدت اختیار کرتے گئے۔ علامہ باقر آگاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۱۵۸ھ۔ ۱۲۲۰ھ اور شیعوں کے درمیان زبردست ٹکراؤ اور رسالہ بازی ہونے لگی۔ حضرت علامہ باقر آگاہ کے مدلل رسالوں کی طرف بحر العلومؒ کو توجہ دلائی گئی اور آپ کی رائے اس پر دریافت کی۔ چونکہ بحر العلوم کو اس قسم کے فتنہ نے وطن چھوڑنے پہ مجبور کیا تھا جس کی وجہ سے بہت سارے مصائب و تکالیف سے دوچار ہونا پڑا تھا نیز نواب عمدۃ الامراء سے آپکے تعلقات نہایت گہرے تھے اور مختلف واقعات کے پیش نظر شاید بحر العلوم نے اس سے کنارہ کشی کو مناسب سمجھا ہو۔ لہٰذا اسکے متعلق فرمایا کہ اس زمانہ میں اس قسم کی رسالہ بازی اور بحث و مباحثہ کچھ زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ اسی پہ آپ خاموش نہ رہے بلکہ مولانا باقر آگاہ ویلوری کی اس روافض مخالفت پہ اپنی ناپسندیدگی

کا اظہار کیا جس پر مولوی محمد باقر آگاہ ویلوریؒ کو انتہائی افسوس
ہوا اور ملک العلماء کی اس رائے زنی پر معقول جواب تحریر فرمایا۔
مولوی محمد باقر آگاہ ویلوری حضرت امام العارفین
سیدنا علامہ رکن الدین سید شاہ ابو الحسن قربی رحمۃ اللہ علیہ
کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اور ان میں ایک امتیازی شان کے
مالک تھے۔ چونکہ اس وقت ہر طرف روافض کا زور تھا اور اسلام کا چشمہ
صافی بدعت وضلالت بلکہ شیعیت کی آمیزشوں اور کدورتوں سے
گندا و گدلا ہو چکا تھا۔ لہٰذا رد روافض میں مولانا باقر آگاہؒ پیش
پیش تھے۔ اور مولانائے موصوف نے اپنے نوک قلم سے روافض کے
زور کا ایسا قلع قمع کیا کہ اس کی نظیر نہ اُس وقت کے کسی مصنّف کے
ہاں ملتی ہے اور نہ آج کے کسی اہل علم وصاحب قلم کے پاس۔ یہی وجہ
ہے کہ علامہ باقر آگاہؒ نے رد روافض میں تمام پر فوقیت حاصل کی
ہے۔ اگرچہ کہ ملک العلماء ملا عبد العلی محمد بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ نے
بھی لکھنؤ میں اپنے ہم عصر فرنگی علماء کے ساتھ روافض کا ناطقہ
بند کر کے اپنا عزیز وطن چھوڑا تھا مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ بحر العلوم
جس بزرگ ہستی علامہ باقر آگاہ رحمۃ اللہ علیہ کے شدید رد شیعیت
پر کیوں ناقد بنے رہے۔ جب عمدۃ الامراء کی زندگی نے وفا نہ کی
اور ۱۲۱۶ھ کو حسرت بھرا دل لئے راہی ملک بقا ہو گئے تو ملا
عبد العلی بحر العلوم نے عمدۃ الامراء کی دلی تمنا اور وصیت کے مطابق
ان کی بھی تکفین وتدفین فرمائی۔

نواب موصوف کے انتقال کے بعد میدان پوری طرح
انگریزوں ہی کا رہا۔ انہوں نے نواب محمد حسین تاج الامراء بہادر
کو جو عمدۃ الامراء کے حقیقی جانشین تھے تخت نشینی کے لئے
ان کو چند شرائط پیش کیا۔ جن کو نواب مذکور نے سختی کے ساتھ
ٹھکرا دیا۔ تو نواب والاجاہ مرحوم کے دوسرے پوتے نواب
عظیم الدولہ کو گدی پر بٹھانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ادھر
ملک العلماء ملا عبد العلی محمد بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فتویٰ شائع
کیا کہ تخت وتاج کے حقیقی وارث کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو
تخت پر بٹھانا شرعاً و عرفاً ناجائز ہے۔ اس پر اس وقت کے مختلف
علماء کے دستخط تھے اور مولانا باقر آگاہؒ نے بھی اس پر دستخط کی تھی۔
مگر انگریزوں نے اس کو خاطر نہ لایا اور عظیم الدولہ کو ان کے شرائط
قبول کرنے کی وجہ سے آرکاٹ کا برائے نام حکمران بنا دیا۔ اور
نواب حسین تاج الامراء بہادر کو نظر بند کر دیا۔ اور بحر العلوم کو عطا
کردہ جاگیریں ضبط کی گئیں۔ وظائف ختم کر دئے گئے۔ ان مشکلات
کے باوجود آپ نے عزم صمیم وعالی ہمتی کے ساتھ درس وتدریس
کی خدمات کو آخری وقت تک جاری رکھا یہ آپ ہی کا حق تھا۔

بحر العلوم کی وجہ تسمیہ

نواب عمدۃ الامراء نے آپ کو ملک العلماء
کے معزز خطاب سے نوازا تھا۔ مگر آپ کے
اس عالیشان خطاب کو وہ شہرت نصیب
نہ ہو سکی جو آپ کے عظیم الشان لقب بحر العلوم کو حاصل ہے۔
صاحب تذکرہ نے بحر العلوم کے لقب کی وجہ تسمیہ یہ
لکھی ہے کہ جب حضرت مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ
کی "ارکان اربعہ" مطالعہ فرمائی (جو فن فقہ میں ہے) تو بے ساختہ
آپ کی زبان مبارک سے نکل پڑا۔ یہ عبد العلی (بحر العلوم ہے۔
حضرت سید شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان فیض بخش
کا یہ اثر ہوا کہ تمام لوگ آپ کو ملک العلماء کی بجائے بحر العلوم کے
نام سے جاننے و پہچاننے لگے اور اسی لقب کو شہرت دوام
نصیب ہوئی۔

وفات: آپ کی وفات ۱۲ رجب المرجب ۱۲۲۵ھ
مطابق ۴ اگست ۱۸۱۰ء شہر مدراس میں ہوئی دوسرے دن
مسجد والاجاہی کے صحن سے متصل دائیں جانب احاطے میں دفن
ہوئے۔ آج بھی آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔ بحر العلوم نے
قمری حساب سے تراسی سال اور شمسی حساب سے اکاسی برس
کی عمر پائی تھی۔ سہ

کرد خدمت دین را ایمان را
علم را اسلام را عرفان را
رحمت حق یافتہ پیوستہ برد
تا تعلق جسم دارد جان را

آپ کی وفات پر تاریخی قطعات بہت سے لکھے گئے
ایک بطور نمونہ پیش ہے:-

چو رفت از جہاں فاضل نامور
کہ بردہ است کالشمس بین النجوم
خرد یافت تاریخ سال وفات
بزیر زمیں رفت گنج علوم
۱۲ ۲۵ ھ

تصانیف: آپ کی تصنیفات و تالیفات اکیس سے زیادہ ہیں جن
میں سے چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:-

۱) فواتح الرحموت فی شرح مسلم الثبوت (۲) شرح سلم العلوم مع الحواشی
۳) رسائل ارکان (۴) تنویر المنار (۵) احوال قیامت
۶) الحاشیۃ علی الصدرا (۷) الحاشیہ علے حاشیہ میر زاھد۔
۸) الحاشیۃ علی حاشیہ میر زاھد ملا جلال (۹) تعلیقات علی الافق المبین
۱۰) الصبحالہ الناقصہ (۱۱) الحاشیۃ علی حاشیۃ میر زاھد علی الرسالۃ القطبیہ
۱۲) شرح الضابطہ (۱۳) شرح مثنوی مولانا رومؒ (۱۴) وحدت الوجود۔
اس میں وحدت الوجود شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کے نقطۂ نظر
کے مطابق وحدت الوجود کی فارسی میں شرح کی ہے اور یہ ثابت
فرمایا ہے کہ یہ عالم ہیچ ہے اور خدائے تعالیٰ کی ذات اقدس کے
سوا کسی اور کا وجود نہیں۔ و نیز حضرت مولانا ابو الحسن زید فاروقی
نے اس کا بامحاورہ اردو ترجمہ فرمایا ہے جو واقعی قابل مطالعہ ہے۔

۱۵) شرح فص نوحی من فصوص الحکم۔ اس میں حضرت ابن عربیؒ کی مشہور
کتاب فصوص الحکم جو تصوف کی ادق اور مایۂ ناز کتاب مانی جاتی ہے
اس کے ایک فص کی شرح کی ہے۔ فصوص الحکم آج بھی دار العلوم
لطیفیہ عربی کالج حضرتؒ مکان کی درسیات میں شامل ہے
اور یہ مولوی فاضل کے آخری سال مختلف تصوف کی کتابوں کے
ساتھ پڑھائی جاتی ہے۔

(۱۶) تنزلات ستہ: تصوف کے مشہور تنزلات ستہ پہ مدلل بحث
کی ہے۔ (۱۷) رسالۃ الصفری فی السلوک (۱۸) ہدایۃ الطرف
۱۹) رسالہ فی تقسیم الحدیث (۲۰) الحاشیۃ علی المثناۃ بالتکرار
۲۱) شرح المجسطی اور بھی مزید آپ کے شروحات و تالیفات ہو سکتے
ہیں۔ ان کتابوں کا مختصر جائزہ لیا جائے تو یہ اندازہ لگانا کوئی امر
مشکل نہ ہوگا کہ ملک العلماء ملا عبد العلی محمد انصاری بحر العلوم رحمۃ اللہ
تعالیٰ علیہ کی زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ درس و تدریس اور اصول فقہ
منطق و فلسفہ کی ادق سے ادق کتابوں پر شروحات اور حواشی
لکھنے میں گذرا۔ یہ آپ کے زندۂ جاوید کارنامے ہیں جن کا فیضان
قیامت تک جاری و ساری رہیگا۔ آپ کی شخصیت اور عظیم خدمات
کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ ہر دور میں آنے والی نسلیں
ہمیشہ آپ کو خراج تحسین پیش کرتی رہینگی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

لطیفیہ لطیفیہ ہے آخر ترقی پر وہ پایا جا رہا ہے

یہاں کی روشنی آفاق تک ہے چراغ ایسا جلایا جا رہا ہے

تعریف وستائش کے لائق وہ ذاتِ عالی ہے، جس کے مبدءِ فیض سے ساری کائنات مستفیض ہو رہی ہے، جو تغیرات عالم کی مصرفِ حقیقی ہے۔ درود وسلام نازل ہوں سرورِ کونین آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ کی تعلیمات نے پیاسی اور بلکتی دنیا کے لئے تسکین کے سارے سامان مہیا کر دئے، آپ کی صحبت و تربیت نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی ایسی جماعت پیدا کر دی جن میں سے ہر ایک نے منارۂ علم کی حیثیت سے آفاق کو روشن کر دیا۔

حضرات! مجھے آج اپنی جماعت کی نمائندگی کرتے ہوئے اس خوشگوار فریضہ کو انجام دینے کا شرف ملا ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے، شکر و امتنان کے بھرپور جذبات سے آج ہمارے دل معمور ہیں۔ سعادتمندی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انسان مزید ترقی کے مراحل طے کرنے کے لئے اپنے محسنوں اور کرم فرماؤں کو ہرگز فراموش نہ کرے۔ احسان و نیکی کا بدلہ ایسی چیز ہے کہ انسان اس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس کی جزا بس مالک حقیقی ہی دے سکتا ہے۔ اس لئے کہ احسانات کا معیار وہی جانتا ہے۔ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔

حضرات! ہم نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ تحصیل علوم وفنون کی خاطر دار العلوم لطیفیہ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز جیسی تربیت گاہ میں صرف کیا۔ یہاں کی فضا میں شب و روز تقدس کا سماں رہتا ہے۔ جہاں کے اہل صفا قدسی صفات مربیوں کی سرپرستی مغتنمات میں سے ہے۔ جہاں کا ماحول مادی آلائشوں سے پاک اور روحانیت سے بھرا ہوا ہے، جہاں اپنے ہمارے اساتذۂ کرام کی رہنمائی نے علمی میدان میں ہماری بے حد مدد کی ہے اور ہم میں ایک نئے عزم و ولولہ کی کیفیت پیدا کی ہے ــــ جس امانت کو ہم یہاں سے اپنے کاندھوں پر اٹھائے لے جا رہے ہیں اس کا صحیح حق ادا کرنے کی امنگ پیدا ہوئی ہے۔

ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ہمارے والدین نے

اس عظیم و قدیم دار العلوم لطیفیہ کو ہماری علمی و روحانی ترقی اور اخلاقی تربیت کے لئے انتخاب فرمایا۔ جس کی تعلیم نے ہمیں احساس کمتری سے نکالتے ہوئے ملک و ملت کی اصلاح کا زبردست حوصلہ عطا کیا۔

الحمد للّٰہ ! ہمارے موجودہ مربیان عظام عالیجناب تقدس مآب اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز ——— عالیجناب فضیلت مآب حضرت مولانا ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی المعروف بہ میراں باشاہ صاحب قبلہ ——— اور ——— عالیجناب عزت مآب حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی بی۔اے (ناظم دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز)

اپنے سلف صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بیشمار دشنگان علم کو علوم دینی سے سرفراز اور روحانی فیوضات سے مالا مال کرتے آرہے ہیں۔

ہم آج عباپوشی اور تحصیل اسناد کے پُرمسرت موقعہ پر مربیان و مخدومان دار العلوم اور اساتذۂ کرام کی خدمات میں نیک تمناؤں اور پُر خلوص عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے دعائے خیر کے طلبگار ہیں۔ اور رب العزۃ سے دعاگو ہیں کہ ہمیں ان سادات صالحین اور عالی مرتبت مدرسین کے طفیل میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت کو حتی المقدور دوسروں تک پہنچانے کی ہمت اور توفیق بخشے۔ آمین !

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

نیازمندان

مولوی حافظ قاری سید محمد یوسف بغدادی کڈپوی

مولوی سید عبد الرحمٰن کرشنگری

حافظ سید الطاف احمد سلکٹہ

حافظ شفیع احمد ملپے

بر موقع پُر مسرت سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد و عباپوشی دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان قطب ویلور قدس سرہ العزیز

(۱۰ر شعبان المعظم ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۸ر آگست ۱۹۷۵ء بروز دوشنبہ)

مطبوعہ الیکٹرک قومی پریس بنگلور

دار الکتابت: ۹۵ ارنا چلم روڈ بنگلور